محمد ارشد قادری

دعوتِ ارواح

روح کی حقیقت، اہمیت، احضارِ ارواح اور اُن سے اکتسابِ فیض پر بہترین کتاب

یزکیہم و یعلمہم الکتٰب و الحکمۃ

تصوف فاؤنڈیشن
۱۴۱۹ھ

دعوتِ ارواح

روح کی حقیقت و ماہیت، احضارِ ارواح اور اُن سے اکتسابِ فیض پر
معیاری کتاب

مُصنّف

محمدؐ ارشد قادری

○

تصوّف فاؤنڈیشن
لائبریری ○ تحقیق و تصنیف و تالیف و ترجمہ ○ مطبوعات
۳۴۹ ۔ اے این سمن آباد ۔ لاہور ۔ پاکستان

شوروم : المعارف ○ گنج بخش روڈ ○ لاہور

یکے از مطبوعات تصوّف فاؤنڈیشن

ناشر : ابونجیب حاجی محمّد ارشد قریشی
بانی تصوف فاؤنڈیشن ۔ لاہور

طابع : زاہد بشیر پرنٹرز ۔ لاہور

سال اشاعت : ۱۴۲۰ھ — ۲۰۰۰ء

قیمت : ۱۵۰ ر روپے

تعداد : پانچ سو

واحد تقسیم کار : المعارف ۔ گنج بخش روڈ ۔ لاہور ۔ پاکستان

آئی ایس بی این — ۹۶۹ — ۵۰۶ — ۰۱۸ — ۸

تصوّف فاؤنڈیشن ابونجیب حاجی محمّد ارشد قریشی اور ان کی اہلیہ نے اپنے مرحوم والدین اور لختِ جگر کو ایصال ثواب کے لئے بطور صدقہ جاریہ اور یادگار یکم محرم الحرام ۱۴۱۹ھ کو قائم کیا جو کتاب و سُنّت اور سلف صالحین و بزرگانِ دین کی تعلیمات کے مُطابق تبلیغ دین اور تحقیق واشاعت کُتب تصوّف کے لیے وقف ہے۔

ترتیب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پیش لفظ

عقل انسانی کا ادراک محسوسات کے دائرہ میں محدود ہے اس لیے اس کا تصور اس دائرہ سے باہر قدم نہیں نکال سکتا وہ جب کسی ان دیکھی چیز کا تصور کرے گی تو لازمی امر ہے کہ وہ ایسے تصورات کو اپنے سامنے لائے گی جسے وہ دیکھتی یا سنتی ہے اور جو چیز اس کے حاسہ ذوق ولمس سے باہر نہیں ہے پھر اس کے فکر وعمل کی جہاں تک رسائی ہے اسے وہ ایک طویل عرصے اور مدت مدید میں طے کرتی ہے ابتدا میں اس کا ذہن عہد طفولیت میں تھا اس لیے اس کے تصورات بھی اسی نوعیت کے ہوتے تھے پھر جوں جوں ارتقاء کی منازل طے کرتی گئی اس کے تصورات بھی بدلتے گئے۔ اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ تھا کہ انسانی ذہن نے خدا کی ویسی صورت بنائی جیسی خود اس نے اور اس کے ماحول نے پیدا کر لی تھی جوں جوں اس کا معیارِ فکر بدلتا گیا وہ اپنے معبود کی شکل بھی بدلتا گیا جو صورت ذہن میں آئی وہ اسے معبود کی صورت سمجھ کر اور اسے خارج میں متشکل کر کے پوجنے لگا حالانکہ وہ معبود کی صورت نہ تھی وہ اس کے اپنے ذہن کی اختراع تھی۔

اسی طرح زندگی کے دوسرے مسائل کی طرف بھی انسانی عقل نے توجہ دی مگر زمانۂ ارتقا میں ہر پہلی عقل کے حل کردہ مسائل پر آنے والی عقلوں نے ایسے ایسے سخت وار کیے جس سے وہ وہ مسئلہ مجروح ہو کر رہ گیا اور بفحوائے کلام الٰہی فوق کل ذی علم علیم ہر علم والے پر دوسرے علم والے کو فوقیت حاصل ہے۔

اس لیے جو عقدہ کسی ایک فلسفی نے مدتوں سوچ بچار کے بعد حل کیا اور اس کی فلسفیانہ توجیہات سے ایسے عجیب وغریب نظریئے پیش کیے جسے وہ اپنے عقیدہ میں آخری فیصلہ کن تصور سمجھتا تھا وہ اسے احاطۂ تحریر میں لا کر آنے والوں کی رہنمائی کے لیے نشانِ راہ چھوڑ گیا مگر زمانے کی ستم ظریفی نے اس پر ایسی شدید ضربیں لگائیں کہ اس کے تمام تار وپود بکھیر کر رکھ دیئے جب سے

دنیا پیدا ہوئی ہے یہی طریق کار چلا آرہا ہے مثلاً یونان کا مشہور فلاسفر ویمقراطیس جس نے کم و بیش آج سے تین ہزار سال پہلے مادیت کا ایک تصور پیش کیا تھا کہ تمام کائنات ذرّات کا ایک مجموعہ ہے جس کے مختلف مجموعے مختلف اشیاء کی پیدائش کا سبب بنتے ہیں۔ یہ ذرّات غیر منقسم اور بے انتہا باریک ہوتے ہیں جو تمام روحانی اور مادی مظاہر کی اصل ہیں۔ سترھویں صدی عیسوی تک مادیت کا یہ نظریہ اقتدار حاصل کیے رہا لیکن اسی صدی کے آغاز میں اس کائناتی نظام کو رودرفورڈ نے ایٹم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے خطرہ میں ڈال دیا اور یہ مادیت منقلب ہو کر سائنسی مادیت میں بدل گئی جو کہ آج بھی سائنسی تجربات کی اساس بنی ہوئی ہے۔

اسی طرح یونان کے بعد علم و فلسفہ کا مرکز اسکندریہ تھا، بطلیموس اسکندریہ کا فلسفی تھا جس نے تیسری صدی عیسوی میں مرکزیت ارض کے نظریئے کو مدوّن کیا یہ نظریہ یہ تھا کہ زمین اس کائنات کا مرکز ہے اور ساکن ہے اور باقی سات ستارے یعنی قمر، عطارد، زہرہ، شمس، مریخ، مشتری اور زحل کے اس کے گرد گھومتے ہیں زمین کے بالکل قریب کرۂ نار ہے اس کے بعد پہلا فلک ہے جو قمر کا ہے قمر کے بعد عطارد، زہرہ، شمس، مریخ، مشتری اور زحل کے افلاک ہیں سب سے آخر میں فلک الافلاک ہے جس میں ثوابت ہیں یہ تمام افلاک بسیط ہیں مرکّب نہیں ہیں۔ ان میں خرق والتیام محال ہے یعنی یہ نہ پھٹ سکتے ہیں نہ جڑ سکتے ہیں یہ تمام سیارے ان افلاک میں جڑے ہوئے ہیں خود یہ ستارے بھی نوری ہیں اور ان کی ماہیت ہماری زمین سے بالکل مختلف ہے اس لیے کہ زمین خاکی ہے اور یہ نُوری ہیں ہر فلک کی ایک اپنی رُوح ہے جو اُسے حرکت میں لاتی ہے یہ تھا بطلیموس کا وہ نظریہ جسے تیسری صدی سے لے کر سولھویں صدی تک دنیا مانتی رہی اگر کسی نے اس کے خلاف آواز بھی اٹھائی تو وہ صدا بصحرا ثابت ہُوئی سولھویں صدی میں کوپرنیکس نے اس خیال کی تردید کی اور زمین کے بجائے سورج کے مرکز ہونے کا دعویٰ پیش کیا کوپرنیکس کی حمایت کپلر نے بھی مگر اس کی حمایت کا سبب اس کا سورج پرست ہونا تھا اسی لیے کائنات کی مرکزیت کا فخر زمین کی بجائے سورج کو دینے میں اسے خوشی محسوس ہُوئی اور اس نے اس کی تائید کی۔ لیکن یہ نظریہ عام مقبولیت حاصل نہ کر سکا۔ اس کی دو وجہیں تھیں ایک تو ہمارے حواس کی گواہی تھی جو زمین کو ساکن اور سورج کو متحرک دیکھتے تھے اور دوسرے یہ واضح تجربہ کہ سطح ارض سے فضا میں

پھینکا جانے والا ہر جسم ٹھیک اسی جگہ گرتا ہے جہاں سے پھینکا گیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زمین متحرک نہیں ساکن ہے اور متحرک صرف سورج ہی ہے۔ گلیلیو کے عہد تک صورتِ حال یہی رہی لیکن گلیلیو کے عہد میں صورت حال نے انقلابی رُخ اختیار کیا اور ایک چھوٹے سے واقعہ سے انسانی تاریخ کا پُورا بہاؤ بدل کر رہ گیا۔

گلیلیو نے تاریخ کے چند عہد ساز لمحوں میں ایک صاف اور چمکتی ہُوئی رات میں اپنی دُوربینی کا رُخ چاند کی طرف پھیرا سترھویں صدی کا یہ لائق ترین مفکر یہ دیکھ کر دہشت زدہ رہ گیا کہ چاند ایک دائرہ کی طرح نہیں بلکہ ایک گول کرہ ہے جس کے اُبھرے ہُوئے نقوش پہاڑوں اور غاروں کا صاف وجود پیش کر رہے ہیں۔

گلیلیو نے بار بار اپنی دُوربین کو گھما کر فلک قمر کا پتہ چلانا چاہا مگر یہ ذی رُوح ہستی فضا کی پنہائیوں میں کہیں دُور دُور بھی نظر نہ آئی۔ گلیلیو کی نظروں کے سامنے ایک عظیم حادثہ ہوا تھا ہزاروں اور سینکڑوں دانشوروں کے مقدس نظریئے کی نعش اس کی دُوربینی کے دہانہ پر تڑپ رہی تھی اگر چاند بھی اینٹ اور پتھر کے مجموعے کا نام ہے اگر فلک قمر محض ایک سراب کی مانند حدِ نظر تھی تو اس بات کی کوئی ضمانت نہ تھی کہ اور افلاک بھی موجود ہیں۔ کوئی ضمانت نہیں کہ دُوسرے سیارے بھی ایسے ہی نہ ہوں گے ان کے افلاک بھی حدِ نظر نہ ہوں گے اگر اینٹ اور پتھر کا مجموعہ ہونے کے باوجود چاند زمین کے گرد گھوم سکتا ہے تو زمین سورج کے گرد نہیں گھوم سکتی، چنانچہ سترھویں صدی میں جب کوپرنیکس اور گلیلیو نے کائنات کو رُوحوں سے خالی اور نیوٹن نے قوانین حرکت سے بھر دیا تو سائنسی مادیت اپنے شباب کو پہنچ گئی۔ میرا ان واقعات کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے مفکرین نے اسی قسم کے مختلف حقائق کے چہروں سے پردہ اٹھایا ہے جس میں کہیں تو انہوں نے صائب رائے پیش کی اور کہیں انتہائی مغالطے میں پھنس گئے۔

سب سے پہلا اور بنیادی تصور جو ہر مذہب و ملت میں پایا جاتا ہے وُہ خدا کا تصور ہے نزولِ قرآن کے وقت چار تصورات فکرِ انسانی پر حکمراں تھے ہندوستانی، ایرانی، یہودی اور مسیحی۔

ہندوستانی تصور میں سب سے پہلے اوپنشدوں کا فلسفۂ الٰہی نمایاں ہوتا ہے اوپنشدوں کے مطالب کی نوعیت کے بارے میں زمانہ حال کے شارحوں اور نقادوں کی آرا متفق نہیں ہیں۔

تاہم ایک بات بالکل واضح ہے یعنی اوپنشد مسئلہ وحدت الوجود کا سب سے قدیم سرچشمہ ہیں مسئلہ وحدت الوجود خدا کی ہستی وصفات کا جو تصور پیدا کرتی ہے اس کی نوعیت کچھ عجیب طرح کی واقع ہوئی ہے ایک طرف تو وہ ہر وجود کو خدا قرار دیتا ہے کیونکہ وجود حقیقی کے سوا کوئی وجود موجود ہی نہیں۔ دوسری طرف خدا کے لیے کوئی محدود اور مقید تخیل بھی قائم نہیں کرتا۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو یہ تصور اپنی نوعیت میں اس درجہ فلسفیانہ قسم کا تھا کہ کسی عہد اور ملک میں بھی عامۃ الناس کا عقیدہ نہ بن سکا ہندوستان میں بھی اس کی حیثیت فلسفہ الٰہیات کے ایک مذہب سے زیادہ نہیں رہی بہترین تعبیر جو اس صورتِ حالات کی کی گئی ہے یہ ہے کہ عوام کے لیے اصنام پرستی قرار دی گئی تھی اور خواص کے لیے وحدت الوجود کا اعتقاد تھا۔ اوپنشدوں کے بعد بدھ مذہب کی تعلیم نمایاں ہوتی ہے بدھ مت کا ظہور چھٹی صدی قبل مسیح میں ہوا۔ بدھ مذہب میں فنائے ذات اور استیصال ہوس خود آخری منزل ہے کیونکہ گوتم بدھ کی تعلیم میں خدا یا برہمن یا آتما کا کوئی وجود نہیں۔ گوتم بدھ کی تعلیم یہ تھی کہ انسان کی رُوحانی نجات نہ تو خدا کی توفیق سے ہوتی ہے اور نہ اس کی بخشش و کرم کا نتیجہ ہے بلکہ یہ انسان کی اپنی ذاتی جدوجہد، قوتِ ارادی اور اخلاقی کش مکش کا ثمرہ ہے جو شخص اپنے نفس کی تسخیر میں کامیاب ہو جائے اس کی فتح کو خدا بھی چاہے تو شکست میں نہیں بدل سکتا۔

جہاں تک فطرت کائنات صفات کا تعلق ہے گوتم بدھ دنیا میں درد و اذیت کے سوا کچھ نہیں دیکھتا زندگی اس کے نزدیک سراسر عذاب ہے اور لعنت ہے جس سے انسان کو بچ نکل جانا چاہیے لہٰذا ہستی کی انانیت کو فنا کر کے "نروان" حاصل کرنا چاہیے تاکہ زندگی کے عذاب سے چھٹکارا مل جائے۔

بدھ نے سب سے پہلے یہ آواز بلند کی کہ مذہبی رسوم ادا کرنے کے لیے کسی پنڈت یا برہمن کی ضرورت نہیں ہر شخص اپنا پنڈت آپ ہے بدھ نے اپنی تعلیمات میں رہبانیت اور ترکِ دنیا کو زندگی کا سب سے بلند معیار قرار دیا ہے چنانچہ بہترین انسان کی کسوٹی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ پھٹے ہوئے چیتھڑے پہنے ان میں پیوند اپنے ہاتھ سے لگائے جنگلوں میں رہے اور وہاں بھی کوئی جھونپڑی نہ بنائے بلکہ صرف درختوں کے سائے ہی پر گزارہ کرے لیٹ کر سونے کی کوشش کبھی نہ کرے اگر نیند بہت زیادہ ستائے تو کسی درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر پلک جھپکا لے، کھانا

دن رات میں صرف ایک بار کھائے اور کھانے کے حصول کے لیے کوئی محنت مشقت بالکل نہ کرے صرف بھیک مانگ کر کام چلائے بدھ کی یہ تعلیم زندگی سے گریز و فرار کی تعلیم تھی جس نے اپنے پیرؤوں کا معیارِ زندگی بہت پست کر دیا۔

بدھ مت کو انسانی رُوح کی حقیقت سے انکار ہے ظہور قرآن کے وقت ہندوستان کا عام مذہب یہی تھا۔

ایران میں مجوسی مذہب کی بنیاد ثنویت (DUALITY) پر ہے یعنی خیر و شر کی دو الگ الگ قوتیں تسلیم کی گئی ہیں یزداں نور اور خیر کا خدا ہے اہرمن تاریکی و بدی کا۔ عبادت کی بنیاد آتش پرستی اور آفتاب پرستی پر رکھی گئی کہ روشنی یزدانی صفت کی سب سے بڑی مظہر ہے۔

زردشت بھی ایرانی نژاد تھا اور مجوسی مذہب پر پیدا ہُوا تھا لیکن اس نے اختلاف رائے کیا اور کہا کہ شر کی حیثیت ثانوی ہے اور انجام کار فتح خیر کی ہوگی زردشت نے ہندو اور ایرانی قوم کو مظاہر فطرت کی پرستش سے نکال کر وحدانیت کی تعلیم دی زردشت نے ایک معبود حقیقی کی طرف بلایا اس کا نام خالق اکبر ہے زردشتی مذہب میں بعض ایسی خصوصیات تھیں جو مذہب اسلام کے مماثل تھیں یہی وجہ ہے کہ اس مذہب کے پیرؤوں نے اسلامی تعلیمات کو آسانی سے قبول کر لیا۔

مثلاً اس مذہب کے مراسم و شعائر نہایت سادہ تھے اس کا اخلاقی عنصر نہایت قوی اور اس کا رجحان عمل کی طرف تھا اس نے عملیت اور فعالیت کی حوصلہ افزائی کی اور دنیاوی کاروبار کی ترقی کو مذہبیت کے منافی نہیں سمجھا۔

تصویر کشی اور مجسمہ سازی کو بھی اس نے ممنوع قرار دیا۔ خدا ان لوگوں کا دوست ہے جو اپنے اختیارات کا صحیح طور پر استعمال کرتے ہیں جو ناراستی اور شر کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کا نام زردشت کی اصطلاح میں دیو ہے۔ زردشت کے نزدیک اچھے انسان موت کے بعد ایک ایسی زندگی میں داخل ہوں گے جس میں نیک اعمال اور اچھے خیالات کا چلن ہوگا اور گنہگاروں کو آئندہ زندگی میں سزا بھگتنی پڑے گی سب سے اہم سزا آگ کی ہے جو بدکرداروں پر اُوپر سے برسائی جائے گی راست بازوگ اس آگ سے اس طرح گزریں گے جیسے دُودھ کی نہریں سے لیکن بد اعمال لوگ اس میں بھسم ہو جائیں گے اس سے بھی زیادہ اہم تصوّر ایک پُل کا ہے جو کوہِ

ابزر پر بنا ہُوا ہے اور جس کے نیچے دوزخ کی آگ پھیلی ہُوئی ہے جب نیک کردار لوگ اس پُل پر سے گزریں گے تو یہ نہایت وسیع ہو جائے گا لیکن بداعمالوں کے گزرتے ہی یہ بال سے زیادہ باریک ہو جائے گا۔

زروشت کے عقیدہ میں ہر انسان کی رُوح ابد سے موجود ہے مرنے کے بعد یہ رُوح باقی رہتی ہے۔

یہودیوں کا تصور تجسّم اور تنزّہ کے بین بین تھا اور صفاتِ الٰہی میں غالب عنصر قہر و غضب کا تھا۔ خدا کا گاہ گاہ متشکل ہو کر نمودار ہونا مخاطبات الالٰہیہ کا سراسر انسانی صفات و جذبات پر مبنی ہونا قہر وانتقام کی شدت اور ادنیٰ درجہ کا تمثیلی اسلوب تورات کے صفحات کا عام تصور ہے۔

مسیحی تصور رحم و محبت کا پیام تھا اور خدا کے لیے باپ کی محبت و شفقت کا تصور پیدا کرنا چاہتا تھا تجسّم و تنزّہ کے لحاظ سے اس نے کوئی قدم آگے نہیں بڑھایا گویا اس کی سطح وہیں تک رہی جہاں تک توریت کا تصور پہنچ چکا تھا لیکن جب حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد جب مسیحی عقائد کا رومی اصنام پرستی کے تخیلات سے امتزاج ہوا تو اقانیم ثلاثہ، کفارہ اور مریم پرستی کے عقائد پیدا ہو گئے۔ نزولِ قرآن کے وقت بہ حیثیت مجموعی مسیحی تصور ترحم و محبت کے ساتھ کفارہ تجسم اور مریم پرستی کا مخلوط تصور تھا۔

ان تصورات کے علاوہ ایک تصور فلاسفۂ یونان کا بھی ہے جو اگرچہ مذہب کے تصورات کی طرح قوموں کا تصور نہ ہو سکا تاہم اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تقریباً پانچ سو برس قبل از مسیح یونان میں توحید و تنزیہہ کا اعتقاد نشو و نما پانے لگا تھا ان کی سب سے بڑی معلّم شخصیت سقراط کی حکمت میں نمایاں ہُوئی سقراط کے تصور الٰہی کا جب ہم سراغ لگاتے ہیں تو ہمیں افلاطون کی شہرۂ آفاق کتاب "جمہوریت" میں حسب ذیل مکالمہ ملتا ہے:-

اڈمنٹس :- شعراء کو الوہیت کا ذکر کرتے ہُوئے کیا پیرایہ بیان اختیار کرنا چاہیے؟

سقراط :- ہر حال میں خدا کی ایسی توصیف کرنی چاہیے جیسی کہ وُہ اپنی ذات میں ہے خواہ وہ شعری ہو یا غنائی۔ علاوہ بریں اس میں شبہ نہیں کہ خدا کی ذات صالح ہے پس ضروری ہے کہ اس کی صفات صالح اور حق پر مبنی ہوں۔

اڈمنٹس :— یہ درست ہے۔

سقراط :— اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو وجود صالح ہوگا اس سے کوئی بات مضر صادر نہیں ہوسکتی اور جو ہستی غیر مضر ہوگی وہ کبھی شر کی صانع نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جو بات صالح ہو ضروری ہے کہ نافع بھی ہو پس معلوم ہُوا کہ خدا صرف خیر کی علت ہے شر کی علت نہیں ہو سکتا۔

اڈمنٹس :— درست ہے۔

سقراط :— اور یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ خدا کا تمام حوادث و افعال کی علت ہونا ممکن نہیں جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے بلکہ وُہ انسانی حالات کے بہت ہی تھوڑے حصہ کی علت ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں ہماری برائیاں بھلائیوں سے کہیں زیادہ ہیں اور برائیوں کی علت خدا کی صالح و نافع ہستی نہیں ہوسکتی۔ پس چاہیے کہ صرف اچھائی ہی کو اس کی طرف نسبت دیں اور بُرائی کی علت کسی دُوسری جگہ ڈھونڈیں۔

اڈمنٹس :— میں محسوس کرتا ہُوں کہ یہ امر بالکل واضح ہے۔

حکمائے یونان کے تصورِ الٰہی کی یہ سب سے بہتر شبیہ ہے جو افلاطون کے قلم سے نکلی ہے۔ یہ خدا کے متشکل ہونے سے انکار کرتی ہے اور صفات ردّیہ و خسیسہ سے بھی متنزہ تخیل پیش کرتی ہے، لیکن بہ حیثیت مجموعی صفات حسنہ کا کوئی ارفع و اعلیٰ تصور نہیں رکھتی اور خیر و شر کی گتھی سلجھانے سے یک قلم عاجز ہے اسے مجبوراً یہ اعتقاد پیدا کرنا پڑا کہ حوادث عالم اور افعال انسانی کا غالب حصہ خدا کے دائرہ تصرف سے باہر ہے کیونکہ دنیا میں غلبہ شر کو ہے نہ خیر کو اور خدا شر کا صانع نہیں ہوسکتا۔

رُوح کے متعلق ان کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ رُوح ازلی و ابدی ہے اور مرنے کے بعد بھی یہ باقی رہتی ہے۔ بہرحال چھٹی صدی مسیحی میں دنیا میں خدا پرستانہ زندگی کے تصوّرات اس حد تک پہنچے تھے کہ قرآن کا نزول ہُوا۔

قرآن پاک نے جو تصورِ الٰہی پیش کیا ہے وُہ سب سے الگ اور سب سے بلند تر ہے۔ یہ تصوّر قرآن پاک میں موجود ہے اگر اس کی مکمل تصویر پیش کی جائے تو اس کے لیے ایک الگ کتاب

کی ضرورت ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ مختصراً اسی کتاب میں بیان کیا جائے گا۔

میرا مقصد ان تمام اختلافات کو پیش کرنے کا یہ ہے کہ ہر مسئلہ پر ہر زمانہ میں سوچا اور غور کیا گیا ہے جس طرح زمین و آسمان اور ماحول کی تمام مادی چیزوں کے متعلق ہر زمانے میں آنے والے عقلائے نے غور و خوض کیا ہے اور جیسے ذاتِ خداوندی پر مختلف تصورات پیش کیے ہیں اسی طرح انسان نے یہ بھی سوچا ہے کہ میں خود کیا ہوں اور یہاں اس دنیا میں میرے آنے کا مقصد کیا ہے اور کیا میں جب مر جاؤں گا تو پھر بھی کوئی میری حقیقت باقی رہے گی؛ لہٰذا رُوح اور حیات بعد الممات کا مسئلہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس وقت سے یہ مسائل موضوعِ بحث بنے ہوئے ہیں اور یہ سوال قدیم ترین عہد سے انسان کے سامنے رہا ہے۔ اس کتاب کا موضوع بھی یہی ہے کہ رُوح کیا ہے؛ اور مرنے کے بعد بھی کیا رُوح باقی رہتی ہے؛ اور اگر یہ رُوح لافانی ہے اور باقی ہے تو کیا اس سے مل بھی سکتے ہیں اور جس طرح دنیا میں ایک انسان دُوسرے انسان سے مل کر استفادہ کرتا رہتا ہے کیا رُوح سے بھی استفادہ ممکن ہے؛ یہ وہ سوالات ہیں جن پر دنیا بھر کے فلاسفروں، سائنسدانوں اور صُوفیوں نے مدتوں بحث و نظر کی ہے اور اس کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے ان سب نظریوں کو بھی پیش کیا جائے گا اور پھر اپنا عقیدہ بھی پیش کروں گا وما توفیقی الا باللہ۔

(فقیر) محمد ارشد پناہوی قادری سروری
جامعہ صُوفیہ، پناہکے شریف ضلع لائلپور

نفسِ مضمون

اجمالاً اہم نکات جو اس کتاب کے مطالعہ سے ثابت ہوں گے درج ذیل ہیں:

۱۔ موجودہ سائنس والے کہتے ہیں کہ رُوح حیات کی ترقی یافتہ شکل ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ رُوح جسم سے الگ ایک مستقل بالذات ہستی ہے۔

۲۔ وحدت الوجود کا مسلک رکھنے والے صوفیہ کا عقیدہ ہے کہ ساری دنیا ایک ہی رُوح کے مظاہر ہیں حالانکہ رُوح ہر شخص کی الگ الگ ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:
الارواح مجندۃ۔ (کہ روحیں ایک لشکر ہیں)
اور ہر رُوح الگ ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے۔

۳۔ روح انسانی، روح ملکوتی، روح حیوانی، رُوح نباتی، رُوح جمادی۔ مراتب کے لحاظ سے ہر ایک میں کافی فرق ہے۔

۴۔ روح حیوانی روح انسانی کا مرکب ہے۔ فوت ہونے سے روح حیوانی ختم ہو جاتی ہے اور انسانی باقی رہتی ہے۔

۵۔ روح کی حقیقت و ماہیت سے عارف لوگ پوری طرح واقف ہوتے ہیں۔

۶۔ عوام روح کے اوصاف اور اس کی خداداد قوتوں کو دیکھ کر پہچانتے ہیں۔

۷۔ روح بے شمار قوتوں کا خزانہ ہے۔ اگر اس کی صحیح طاقت کو حاصل کر لیا جائے تو اس سے بے شمار عجائب وغرائب ظاہر ہوتے ہیں، اس دنیا میں بھی اور موت کے بعد بھی۔

۸۔ حیات بعد الممات کا علم سائنس کے پاس نہیں۔ سائنس کا میدان صرف عالمِ شہادت یعنی عالمِ محسوس تک ہے۔ ما بعد الطبیعیات اور غیبی حقائق کا علم مذہب کے پاس ہے لہذا

اس مسئلہ میں عقل کو راہنما نہ بنایا جائے، مذہب جو ہے اسے بلا چوں وچرا تسلیم کر لیا جائے۔

۹۔ موت روح انسانی کے فوت ہو جانے کا نام نہیں بلکہ موت روحِ انسانی کا جسمِ انسانی میں بذریعہ روح حیوانی تدبیر و تغذیہ کے فعل کے تعطل کا نام ہے۔

۱۰۔ مرنے کے بعد روح انسانی عالمِ برزخ میں علیین یا سجین میں رہتی ہے۔

۱۱۔ مرنے کے بعد رُوح باقی رہتی ہے مگر جسم عموماً گل سڑ کر مٹی میں مل جاتا ہے۔ ہاں انبیاء علیہم السلام کے اجسام مٹی پر حرام ہیں یا جنھیں اللہ پاک باقی رکھنا چاہے وہ مٹی میں نہیں ملتے۔

۱۲۔ قبر کا عذاب و ثواب حق ہے مگر وہ عذاب و ثواب صرف رُوح کو برزخ میں ہوتا ہے اس جسم کو نہیں۔ قیامت میں جب روح کو جسم میں داخل کیا جائے گا تو پھر رُوح اور جسم دونوں کو عذاب و ثواب لاحق ہوگا۔

۱۳۔ قبر سے مراد برزخ ہے اور برزخ آخرت کی پہلی سیڑھی ہے۔

۱۴۔ مردوں کے سننے یا سمجھنے یا علم وغیرہ سے اُن کی رُوحیں مراد ہیں جسم نہیں جسم تو فنا ہو جاتا ہے ہاں رُوحیں سُنتی، سمجھتی اور سلاموں کا جواب دیتی ہیں۔

۱۵۔ سوال وجواب قبر اور ضغطۃ القبر میں ظاہر حدیث سے بٹھانے اور پوچھنے اور ایک طرف کی پسلیوں کے دوسری طرف کی پسلیوں میں دھنس جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ جسم خاکی سے ہوتا ہے حالانکہ یہ معاملہ رُوح کے جسم مثالی سے ہوتا ہے احادیث حق ہیں البتہ وحی کے سمجھنے اور اس کی تعبیر میں بعض علمائے کرام کو غلطی واقع ہوئی۔

۱۶۔ روحوں کو اپنے ٹھکانوں پر ہونے کے باوجود بھی اپنی اپنی قبروں سے ایک گونہ تعلق رہتا ہے۔

۱۷۔ رُوح کے لیے قرب و بُعد مکانی یکساں ہے خواہ وہ برزخ میں کسی جگہ بھی ہو۔ آپ جب بھی قبر پر جا کر سلام کہیں یا فاتحہ پڑھیں یا اس قبر والے کو بلائیں تو وہ فوراً آپ کی طرف متوجہ ہو کر سلام کا جواب دے گی اور تمہیں پہچانے گی، یہاں تک کہ تمہاری جوتیوں کی آہٹ بھی سُنے گی۔

۱۸۔ آخرت اور برزخ کی صحیح معلومات فراہم کرنے کا ذریعہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام

اور اولیائے عظام علیہ الرحمۃ ہیں ۔

۱۹ - آخرت کی معلومات کا مخزن وحی الہام ہے عقل نہیں ۔

۲۰ - رُوح جسم سے جُدا ہونے کے بعد بھی اپنی تمام صفات و کمالات کے ساتھ قائم رہتی ہے۔

۲۱ - برزخ میں ہر رُوح کا ٹھکانہ اس کے مرتبے کے مطابق ہے ۔

۲۲ - خواب میں زندوں اور مردوں کی رُوحوں کی ملاقات ہوجاتی ہے کیونکہ رُوحیں خواب میں ایک گونہ تجرد حاصل کر کے پرواز کرتی ہیں اور ارواحِ مختلفہ سے ملاقات کر لیتی ہیں ۔

۲۳ - اولیائے کرام بیداری میں بھی رُوح کو جسم سے مجرد کر کے عالمِ برزخ سے رابطہ پیدا کر لیتے ہیں اور ارواح سے ملاقات کر لیتے ہیں۔

۲۴ - روحوں کو بلایا جا سکتا ہے اور ان سے ہمکلام ہو کر اُن سے روحانی استفادہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ دعوتِ قبور اور دعوتِ ارواح کے طریقوں سے واضح ہے ۔

۲۵ - بعض اولیائے کرام جن کے لیے عالمِ برزخ کُلی طور پر کُھلا ہوتا ہے وُہ بغیر کسی دعوت کے ارواح کو دیکھتے ہیں اور ان سے بالمشافہہ بات چیت کرتے ہیں ۔

۲۶ - رُوح کو دیکھنا ممکن ہے کیونکہ اسے ایک صورتِ مثالی میں متشکل کیا جاتا ہے ۔ جب اولیائے کرام عبادت و ریاضت اور ذکر و فکر سے رُوح کو روشن اور قوی کر لیتے ہیں تو وُہ رُوح کو اس مثالی صورت میں دیکھ لیتے ہیں اور رُوح کو بھی مجسم ہونے کی قوت حاصل ہے۔ اگر وُہ روح مجسم ہو کر سامنے آجائے تو ہر شخص دیکھ سکتا ہے اور کیمرے سے اس کا فوٹو بھی لیا جا سکتا ہے ۔

۲۷ - روح کو صورتِ مثالی بعینہٖ جسم خاکی کی شکل و صورت میں عطا کی جاتی ہے اور مختلف اشخاص کی روحیں اسی صورتِ مثالی سے ایک دُوسرے سے متمیز اور متعارف ہوتی ہیں۔

۲۸ - یورپ کے علمائے روحانیات (SPIRITUALISTS) رُوح کو بُلانے کا غلط دعویٰ کرتے ہیں ان کی رسائی عالمِ ارواح تک نہیں ہو سکتی ۔ ہاں عالمِ ناسوت میں اپنی رُوح کی قوتوں کو بیدار کر کے ہمزاد کو بلاتے ہیں ۔ جسے رُوح سمجھ کر اس سے بات چیت کرتے ہیں رُوح اور ہمزاد میں ظاہری و باطنی طریقوں سے تمیز کی جا سکتی ہے البتہ ارواحِ خبیثہ کو

بُلا سکتے ہیں کیونکہ انھیں شیطان ہیں فنائیت ہونے کی وجہ سے شیطان کی طرح قیامت تک آزادی حاصل ہوتی ہے۔

۲۹۔ رُوحیں سب کی زندہ ہیں البتہ حسبِ فرقِ مراتب بعض مقید، بعض معذب، بعض مسرور وشادماں اور بعض حیاتِ دنیوی کی طرح متصرف ومختار اور بعض جنّت کی نعمتوں سے محظوظ ومتلذذ ہوتی ہیں۔

۳۰۔ ارواحِ خبیثہ اگرچہ اپنے متبعین ومعتقدین کی امداد کرتی ہیں جیسے جادو ٹُونہ وغیرہ ہیں۔ لیکن وہ شیاطین کی طرح حجاب میں رہتی ہیں جس طرح شیطان باوجود اس کے کہ وہ یہ سب کچھ جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے منکروں کو اور اسلام کے باغیوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا اور دوزخ کو شیطان نے دیکھا بھی ہُوا ہے پھر بھی وہ ایمان نہیں لاتا۔ قدرتِ خداوندی کو دیکھنے کے باوجود اور دنیا میں قوموں کو عذاب ہوتے دیکھ کر بھی وُہ ایمان نہیں لاتا اور اپنے متبعین کو غلط راستے پر ہی لگا تا رہتا ہے ایسے ہی ارواحِ خبیثہ کا بھی حال ہے کہ وُہ باوجود اس کے کہ وُہ برزخ میں سب کچھ ملاحظہ کرتی ہیں لیکن متبعین کو یہ نہیں بتاتیں کہ جس طریقے پر تم جا رہے ہو یہ غلط ہے بلکہ گمراہی اور کفر پر قائم رکھنے کے لیے ان کی ہر طرح سے غیبی امداد کرتی ہیں۔

۳۱۔ رُوح صورتِ مثالی میں متشکل ہو کر اولیاء اللہ کو بیداری میں ملتی ہے۔

۳۲۔ روح بیک وقت کئی صورتوں میں متشکل ہو کر مختلف مقامات پر جا سکتی ہے۔

۳۳۔ بعض ارواح کو ایسی قدرتِ کاملہ عطا کی گئی ہے کہ وُہ اجسام میں متمثل ہو کر وہ کام کرتی ہیں جو جسموں سے وقوع میں آئے جیسے خضرؑ والیاسؑ کی رُوح۔

۳۴۔ جس طرح فرشتے مختلف صورتیں بدلنے پر قادر ہیں اور جس طرح جنّات اجسامِ ناری کو مختلف صورتوں میں بدلتے رہتے ہیں اسی طرح نفوس انسانی میں بھی وُہ لوگ جو مرتبۂ کمال کو پہنچ گئے ہوں اس عالم میں مختلف شکلوں اور صورتوں میں تبدیل ہونے کی طاقت رکھتے ہیں۔

۳۵۔ یہی نفوسِ قدسیہ جنھیں اس دنیا میں یہ طاقت حاصل ہے فوت ہونے کے بعد موانعاتِ

بدنی اُٹھ جانے سے بدلیت کی یہ قوت ان میں اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

۳۶۔ رُوح کی صورتِ مثالی کے وقوع کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ جسدِ مثالی مشابہ جسدِ عنصری کے ہو دوسری یہ ہے کہ رُوح نے خود عناصر میں تصرف کر کے جسدِ عنصری تیار کر لیا ہو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ دنیوی جسد کو ہی لطیف کر کے رُوح پر اوڑھ لیا ہو۔ چنانچہ انبیاء علیہم الصلوٰة والسلام جسدِ عنصری دنیوی میں زندہ ہیں۔

۳۷۔ رُوحِ حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ ستر ہزار صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔

۳۸۔ بہت سے اولیاء اللہ بیداری میں دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوتے ہیں، اور فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔

۳۹۔ ارواح کبھی اپنے اختیار سے مجالس اولیائے کرام میں حاضر ہوتی ہیں اور کبھی اُن کو بلایا جاتا ہے۔

۴۰۔ فوت ہونے کے بعد اولیاء اللہ کی ارواح اپنے محبّوں، دوستوں اور مریدوں کی امداد کرتی ہیں۔

۴۱۔ رُوح کو بلانے اور اس سے مدد لینے کا ثبوت قرآن و حدیث اور دیگر آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔

۴۲۔ حاضراتِ ارواح کا علم قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔

۴۳۔ اولیاء اللہ کی کئی روحانی باطنی مجالس منعقد ہوتی ہیں جن میں زندہ اور از جہاں رفتہ اولیاء و انبیاء کی رُوحیں جمع ہوتی ہیں۔

۴۴۔ روحیں ازل سے ہی ایک دوسری کو پہچانتی ہیں۔

۴۵۔ فوت ہونے کے بعد ارواح آپس میں ملاقات کرتی ہیں۔

۴۶۔ زندوں کی روحوں کی ملاقات مُردوں کی رُوحوں سے ہوتی ہے۔

۴۷۔ ایسے کئی صوفیائے کرام ہیں جو ارواح سے ملتے ہیں اور کلام کرتے ہیں۔

۴۸۔ رُوح ہر معنوی چیز کا ادراک کر لیتی ہے۔

۴۹۔ دعوتِ قبور اور دعوتِ ارواح میں بہت فرق ہے۔

۵۰۔ رُوح کو بلانے اور اس سے بات چیت کرنے اور ان سے ظاہری و باطنی فیض لینے اور رُوح کے کمالات و فیوض و برکات کے تمام اہلسنت والجماعت قائل ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذہب اور روح کے ابتدائی تصوّرات

مذہب و رُوح کے مختلف تصوّرات بالکل ابتدائی معاشرے سے آج تک پائے جاتے ہیں اور جیسے جیسے انسان کا قابو نیچر اور اس کی قوتوں پر بڑھتا جاتا ہے ان تصوّرات میں بھی نمایاں تبدیلی ہوتی جاتی ہے۔ انسان کے بالکل ابتدائی معاشرے میں جب کہ وُہ ابھی تک نہ صرف نیچر پر کسی قسم کا قابو حاصل کر چکا تھا بلکہ ہر چیز میں نیچر ہی کا محتاج تھا اس کی زندگی کا سارا دارومدار نیچر کے رحم وکرم پر تھا اُسے غذا اس وقت ملتی تھی جبکہ درختوں میں پھل لگتے یا زمین میں مختلف درختوں کی جڑیں کھانے کے قابل ہو جائیں۔ اس محتاجی کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ سمجھتا تھا کہ اس کی زندگی کا دارومدار انہی درختوں پر ہے اگر وُہ پھل دینا بند کر دیں تو وُہ بھُوکا مر جائے اس خوف کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ آہستہ آہستہ ان سے ڈرنے لگے اور ان کا احترام کرنے لگے اور ان کو خوش کرنے کے لیے ناچ اور کھیلوں کی محفلیں منعقد کی جانے لگیں چنانچہ دورِ وحشت کا معاشرہ آج بھی جس دنیا میں موجود ہے وہاں مذہب کی یہی ابتدائی شکل پائی جاتی ہے دورِ وحشت کے آخری دور تک مُورتیوں کی پُوجا داخل نہیں ہُوئی تھی کہ ان کا مذہب نیچر کی پرستش ہی تھا۔

عہدِ بربریت میں انسان کا اقتدار نیچر کی قوتوں پر کس قدر بڑھا جب پانی اور زراعت کو ترقی ہُوئی تو اس کا اثر مذہبی تصورات پر بھی پڑا اب نیچر اس کی زندگی پر صرف درختوں وغیرہ کی شکل میں اثر انداز نہیں تھی بلکہ اب وہ بارش، دھوپ اور دریاؤں وغیرہ کی مہربانی کا بھی محتاج تھا بغیر بارش کے کاشت ناممکن تھی بغیر اچھی دھوپ کے فصلیں پک نہیں سکتی تھیں اور اس لیے اب اس نے ان قوتوں سے بھی ڈرنا شروع کیا اور ان کو خوش کرنے کے لیے بھی مذہبی تقاریب

ہونے لگیں اُن کی پُوجا بھی مذہب میں داخل ہوگئی اور اس دور میں انسانی عقل وفہم نے کسی قدر ترقی کی تو اس نے نیچر کی ہر ایک نمایاں قوت کو ایک خدا یا دیوتا کا تصور دیا اور اس کی مورتیاں بنا کر اس کی پُوجا کی جانے لگی قدیم ہندو مذہبی فلسفہ یا یُونانی اور مصری اصنام پرستی انہی ابتدائی مذاہب کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں مذہب کی طرح رُوح کا تصوّر دنیا کی ہر قوم میں موجود ہے اور ہر زمانے میں موجود رہا ہے مذہب خواہ ابتدائی غیر مہذّب انسانوں کے ہوں یا ترقی یافتہ مہذب انسانوں کے سب کی بنیاد رُوحانیت پر ہی قائم کی جاتی ہے۔ روحانی تصوّرات کے متعلق جب ہم چھان بین کرتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوچنے والا انسان جبکہ وہ ابھی معاشرے کی ابتدائی منزل میں تھا اس کے سامنے حیاتی مسائل کے دُو پہلو بہت ہی غور طلب تھے ایک یہ کہ زندہ اور مردہ انسان میں کیا فرق ہے؟ اور وہ کونسی چیز ہے جو اِن دُو کیفیتوں کو ایک دوسرے سے جُدا کرتی ہے اور وہ کون سی چیز ہے جو جانداروں کو سُلاتی جگاتی ہے، امراض میں مبتلا کرتی اور مار ڈالتی ہے۔ دُوسرے خواب میں جو انسانی شکلیں نظر آتی ہیں ان کی اصل کیا ہے؟

ان دُو مسائل پر جب وحشی اور ابتدائی زمانہ کے بربر غور کرنے لگے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ انسان کے دراصل دو پہلو ہیں ایک خود اس کی زندگی، دوسرے اس کا سایہ یا بھُوت —— اور دونوں چیزوں کا اس کے جسم سے بہت گہرا اور قریبی تعلق ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں اس کے جسم سے علیحدہ ہوسکتی ہیں زندگی اس کے جسم سے چلی جائے تو وہ بے ہوش ہوسکتا ہے یا مر سکتا ہے۔ اور اس کا سایہ یا بھُوت اس کی زندگی میں یا مرنے کے بعد اس کے جسم سے علیحدہ ہوکر دوسروں کو نظر آسکتا ہے چنانچہ خواب میں جو مرے ہُوئے یا زندہ لوگ نظر آتے ہیں وُہ دراصل ان کا سایہ ہوتے ہیں چنانچہ ان ہی ابتدائی تصورات نے آگے چل کر اس مشہور و معروف تصوّر کی صورت اختیار کرلی جس میں رُوح کے دُو اجزاء شیطانی اور غیر شیطانی قرار پاتے ہیں اور اس کی ترقی یافتہ شکل ہمارا موجودہ رُوح کا تصوّر ہے ان اعتقادات سے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے انسان کی استدلالی اور شعوری قوتوں کا پتہ چلتا ہے اس نے رُوح کے متعلق جو تصوّرات قائم کیے تھے وہ اس زمانہ کے حالات کے مشاہدات اور عام ذہنی اور معاشرتی ماحول کو پیشِ نظر رکھتے ہُوئے کس قدر مدلّل تھے۔ عہدِ بربریّت میں رُوح کا جو تصوّر ترقی پا چکا تھا وُہ یہ تھا کہ یہ دراصل بغیر جسامت کے انسانی عکس کا

مُبتلا ہے جو انسان میں زندگی کا سبب ہے اور اس میں جو سوچنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے وُہ رُوح میں خود اپنا احساس اور شعور ہوتا ہے وُہ جسم سے نکل کر باہر جا سکتی ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہ ایک آن میں پہنچ سکتی ہے اُسے نہ چھُو سکتے ہیں اور نہ ہی دیکھ سکتے ہیں اس کے باوجود وہ اپنے آپ میں طبعی طاقت رکھتی ہے اور اکثر نیند میں یا جاگتے ہُوئے لوگوں کو جسم سے علیحدہ اور متشابہ نظر آتی ہے اس کا وجود انسان کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ یہ دُوسرے حیوانوں بلکہ غیر جاندار اجسام کے جسم میں بھی داخل ہو سکتی ہے اور اپنی مرضی کے مطابق ان سے کام لے سکتی ہے۔ چونکہ رُوح کا یہ ابتدائی تصور نظریِ مشاہدات پر مبنی تھا اس لیے تعلیم و تہذیب کے اس زمانہ میں بھی باقی ہے اگرچہ کلاسیکی اور قرونِ وسطیٰ کے فلسفیوں نے اس کی شکل بہت کچھ بدل دی اور جدید علم فلسفہ نے اپنی جولانیِ طبع دکھائی لیکن ابتدائی خط و خال ابھی تک باقی ہیں خاص طور سے قدیم مذہب میں روح کے تصوّرات عہدِ بربریت کے ان تصورات سے بہت قریب ہیں اور یہ دعوٰی کیا جا سکتا ہے کہ زمانہ بربریت کے فلسفہ کے اثرات زمانہ موجودہ کے فلسفہ اور نفسیات پر آج تک موجود ہیں۔ عہدِ بَربَریت کا یہ خیال آج تک بہت عام ہے کہ رُوح مرنے کے بعد جسم سے نکل کر آزاد ہو جاتی ہے اور قبر کے اطراف میں چکّر لگاتی ہے یا ایک دُوسری دنیا میں دوسری رُوحوں کے پاس پہنچ جاتی ہے چنانچہ اس عقیدہ کا نتیجہ یہ تھا کہ جب کوئی سردار مرتا تھا تو اکثر قبیلوں میں اس کے غلاموں، بیویوں اور گھوڑے وغیرہ کو بھی قتل کر دیا جاتا تھا تاکہ ان کی رُوحیں آزاد ہو کر سردار کی رُوح کے ہمرکاب رہیں اور سردار کی رُوح کی اسی طرح خدمات انجام دیں جس طرح عالمِ حیات میں وُہ دیتے تھے چنانچہ اس کی مثالیں آج بھی جزائر شرق الہند کے کئی قبیلوں میں پائی جاتی ہیں۔

انسانی رُوح کے تصوّر کے علاوہ اس دور کے حیوانات اور نباتات میں زندگی اور رُوح کا تصور پایا جاتا ہے امریکہ میں بعض قبائل سانپ اور اس قسم کے دُوسرے جانوروں کا ان کے مرنے کے بعد بڑا احترام کرتے ہیں کہ ان کی رُوحیں کہیں بدلہ نہ لیں اس خوف سے نذرانے پیش کرتے ہیں اور بعض جگہ پُوجا بھی کی جاتی ہے افریقہ کے بعض قبائل جب ہاتھی کا شکار کرتے ہیں تو اس کے مرنے کے بعد اس کے اطراف میں جمع ہو کر اس سے معافی مانگتے ہیں اور اس کی سونڈ گاڑ دیتے ہیں کہ کہیں وُہ بدلہ نہ لے کوئی کانگو اگر عمداً کسی وحشی جانور کو مار دیتا ہے تو اس کے ساتھی اس سے

بدلہ لیتے ہیں اس طرح کے تصورات درختوں اور بعض قبیلوں میں جمادات وغیرہ کے متعلق پائے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے سماج میں پتھروں، درختوں اور جانوروں کی پوجا داخل ہوگئی جس کی مختلف اور بدلی ہوئی شکلیں آج بھی پائی جاتی ہیں۔

روح کا قدیم نظریہ

روح کیا ہے؟ قدیم ترین عہد ہی سے انسان نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ روح ایک غیر مادی عنصر ہے جو جسم انسانی کے مادی عنصر سے ملحق ہے روح کے متعلق یہ تصور کتنا قدیم ہے اس کے متعلق یقین سے کہنا مشکل ہے ہاں البتہ اس قدر کہا گیا ہے کہ مذہب کی زیادہ سے زیادہ عمر اسی ہزار سال ہے کیونکہ دس ہزار سال قبل کے حالات ایسے ملتے ہیں جن میں مذہبی فکر و عمل کا تصور موجود ہے اور ستر ہزار برس اس سے قبل کے کچھ دھندلے اور غیر منظم قسم کے مذہبی حالات ملتے ہیں۔ بہرحال تحقیقاتِ جدیدہ سے ہماری اس دنیا کی عمر یا انسان کی عمر کا جو اندازہ لگایا گیا ہے وہ بعض کے نزدیک دس لاکھ سال اور بعض کے نزدیک بیس لاکھ سال ہے۔

یہ کہنا کہ مذہب کی عمر اسی ہزار سال ہے یہ کچھ صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ انسان جب سے پیدا ہوا ہے کسی نہ کسی مذہب سے ضرور وابستہ ہے کیونکہ یہ فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے۔ اگر مذہب کی عمر اسی ہزار سال مان لی جائے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ کم سے کم بیس ہزار سال تک ساری نسل انسانی مذہب سے یکسر ناآشنا رہی اس لیے کہ انسان کی عمر کم از کم دس لاکھ سال بتائی گئی ہے اور بعض محققین اس طرف گئے ہیں کہ انسان بیس لاکھ سال سے بھی پرانا ہے بہرحال کم سے کم عمر بھی لی جائے تو نو لاکھ بیس ہزار تک مذہب سے ناآشنا نفسیاتی وجوہ سے بھی ناقابلِ قبول ہے۔ بعض مغربی مفکرین کا بھی یہ مقولہ مشہور ہے کہ دنیا کا کوئی انسان ایک مذہب کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

اسی طرح روح کے تصور سے بھی کوئی عہد خالی نہیں رہ سکتا، چونکہ روح کا تصور انسانی خواب کی زندگی سے گہری وابستگی رکھتا ہے اس لیے روح کا تصور اتنا ہی قدیم ہے جتنی انسانی خواب قدیم ہے اس طرح روح کے تصور کی عمر بھی کم از کم دس لاکھ سال کے قریب قرار دینی پڑے گی

چونکہ صحیح تاریخ اس عرصہ کی نہیں ملتی اس لیے غیر شعوری طور پر یہ کہنا پڑے گا کہ رُوح کے متعلق کئی قسم کے تصوّر پیدا ہُوئے ہوں گے اور پھر ان کی ہر آنے والے نے کیسی تردید کی ہو گی اور اس تصوّر نے کئی ان گنت انقلابات کو دیکھا ہوگا ہاں اس قدر اتفاق ہے کہ انسانیت ابتداء میں سادہ لوح اور مقامِ طفولیت میں واقع ہونے کی وجہ سے نہایت سادہ اور غیر منظم عقائد کی حامل ہو گی اور جُوں جوں انسانیت ارتقاء حاصل کرتی گئی ہو گی اس کے خیالات و تصورات نہایت معقولیت پسند اور منظم ہوں گے۔ دس ہزار سال سے پہلے کے مذاہب ابتدائی قسم کے تھے یا یُوں کہئے کہ غیر منظم قسم کے مذاہب تھے جبکہ مذاہب کی وُہ قسم جو پچھلے دس ہزار سال میں نظر آتی ہے، منظم قسم کے مذاہب ہیں یہ عہد جو منظم مذاہب کا آہستہ آہستہ انسان کے سارے پہلوؤں پر حاوی ہوتا گیا تا وقتیکہ تین ہزار سال قبل ایسے مذاہب اُبھرے جنھوں نے انسان کے اجتماعی و انفرادی اور فکری و جذباتی غرضکہ ہر پہلو کو اپنے دائرہ علم و عمل میں لے لیا منظم مذہب کے اس دور میں رُوح کے مسئلہ نے بنیادی اہمیت حاصل کر لی اور کائنات کی غیر مادی تشریح کے لیے جسے اساس بنایا گیا وُہ قدرتی طور پر رُوح تھی چنانچہ تین ہزار سال کی مدت میں رُوح کو غیر مادی عنصر ثابت کرنے کے لیے متعدد فلسفیانہ مساعی ہوئیں اور دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا گیا کہ رُوح واقعی غیر مادی عنصر ہے۔

اس دور میں کائنات کی عقلی تشریح تین طرح کی گئی:

(۱) روحانی: کائنات کی اصل ایک — روح اکبر — ہے اور مادی مظاہر اسی سے پیدا ہوتے ہیں اصل مادہ نہیں ہے بلکہ رُوح ہے افلاطونیہ جدیدہ کے بانی پلوٹینس نے اس نظریہ کی تدوین کی گو اپنی ابتدائی شکل میں یہ نظریہ پہلے بھی موجود تھا مسلم فلسفیوں اور صوفیوں کا نظریہ وحدت الوجود اور برگسان وغیرہ کا قوت حیات کی اصلیت کا نظریہ اسی روحانی تشریح کے مختلف روپ ہیں۔

(۲) ثنوی: کائنات کی دوسری عقلی تشریح ثنویت سے کی گئی یعنی دُوئی کا نظریہ اصل کائنات دو اساسی عنصروں مادہ اور رُوح کو خیال کرتا ہے جس کے ساتھ تیسرے اساسی عنصر خدا کو ملا کر تینوں کے قدیم ہونے کا نظریہ قائم کیا گیا۔ لیکن بعض اہلِ فکر نے مادہ کو قدیم اور رُوح کو حادث قرار دیا

یعنی مادہ تو ہمیشہ سے ہے مگر رُوح مخلوق ہے جس کی تخلیق خالقِ کائنات نے کی ہے۔ مسلمانوں میں ارسطو کے مقلدین یعنی مشائی اس نظریہ کے پُرجوش مبلّغ تھے۔ یہی نظریہ عام طور پر ارباب مذاہب نے اختیار کیا اور اس کی حمایت میں رُوح کو غیر مادی قرار دینے میں دلائل دیئے۔

(۳) مادی: تیسرا نظریہ جو اس کے متعلق قائم کیا گیا وہ مادیین کا ہے کہ یہ ساری کائنات مادہ ہی مادہ ہے اور رُوح بھی مادہ ہی کی ایک لطیف شکل کا نام ہے جیسے مارکسی عقیدہ، موجودہ سائنسدان اس کے برعکس کہہ رہے ہیں کہ اصل ہر شے روح ہے اور مادہ بھی رُوح ہی کی بگڑی ہوئی ایک شکل ہے۔

یہاں اس بات کی تشریح غیر ضروری ہے کہ ان نظریوں کے حاملین مسلم و غیر مسلم مفکروں اور صوفیوں میں کون کون تھے اور انہوں نے کیا کیا دلائل اختیار کیے[1]۔ بہر حال روح سے متعلقہ بحث کے سلسلہ میں جس نتیجہ پر آخری طور پر فکر کی رسائی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ غیر مادی عنصر ہے جو جسم سے ملحق ہے گویا یوں کہئے کہ رُوح کی قدرے جامع تعریف ـــ گو پوری جامع نہیں ـــ یہ ہو گی کہ رُوح اس غیر مادی ہستی کا نام ہے جو جسم انسانی سے ملحق ہوتی ہے۔

جدید فلسفے کا رُوحانی موقف

قدیم فلسفہ نے رُوح کے متعلق جو موقف اختیار کیا ہے وہ گزشتہ سطور میں پیش کر دیا گیا ہے یہ عقیدہ سترھویں صدی عیسوی تک باقی رہا لیکن سترھویں صدی میں سائنس نے ایک نئی کروٹ بدلی جس سے سائنسی مادیّت کا نظریہ قائم ہوا۔ سترھویں صدی میں غیر معمولی ذہانت رکھنے والے افراد کی صدی ہے اس میں سائنس پر حیرت انگیز کتابیں لکھی گئیں اور نئے نئے تجربات کا آغاز ہوا۔ یہ صدی وہ انقلابی صدی ہے جس میں فرانسس، بیکن، ہاروی، کیپلر، گلیلیو، ڈیکارٹ، پنسیکل، ہیوگنس، بوائل، نیوٹن، لاک، اسپنوزا وغیرہ اکابر اور اساطین فکر و نظر پیدا ہوئے۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں علّامہ مجلسی کی تصنیف بحار الانوار اور علّامہ ابن قیّم کی کتاب الروح اور مغربی مفکرین میں پروفیسر جوڈ کی کتاب گائڈ ٹو ماڈرن تھاٹ۔

دو انقلابی نظریئے جو اس دور کی پیداوار ہیں وہ بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک بطلیموسی نظام جو زمین کو ساکن قرار دیتا ہے اور باقی تمام کُرّوں کا اسے مرکزیت کا مقام دیتا ہے کوپرنیکی نظام نے اسے غلط قرار دے دیا اور یہ مقام سُورج کو عنایت کر دیا گیا اور پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد سورج کو بھی متحرک قرار دیا گیا اس طرح سارے کُرّے جو لا انتہا ہیں ایک ہی سطح پر آ گئے اور قانونِ کشش سے ہر کُرّے کو ایک دُوسرے سے باندھ دیا گیا سترھویں صدی کا یہ عظیم انقلابی موڑ ہے جس کی مثال سابقہ تاریخ میں نہیں ملتی یہ کبھی بھُول کر بھی خیال نہیں آتا تھا کہ ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب اس مضبوط کائنات گیر نظام کو خود وہ سائنس چیلنج کر دے گی جس کی ترقی اور نظامِ فکر اس کی مرہونِ وجود ہے۔

دُوسرا انقلابی نظریہ علمِ حیاتیات ہے جس نے ایسے ایسے انکشافات کئے ہیں جس سے ارسطو کا نظریہ باطل قرار دے دیا گیا ارسطو کا ایک مشہور نظریہ ہے کہ حیات مادہ کی پیدا کردہ ہے گیلی مٹی میں کیڑے پیدا ہو جانے کا تجربہ ایک عام تجربہ ہے یہ کیڑے مادے کی ایک مخصوص حالت میں خود مادہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

حیات کا یہ نظریہ سترھویں صدی تک جُوں کا تُوں باقی رہا لیکن سترھویں صدی میں سائنس نے یہ انکشاف کر کے ایک انقلاب برپا کر دیا کہ حیات یُوں گیلی مٹی میں پیدا نہیں ہوتی بلکہ ذی حیات جراثیم پہلے سے موجود ہوتے ہیں جو گیلی مٹی میں شامل ہو جاتے ہیں خود آب و گل کا امتزاج حیات کی تخلیق کا سبب نہیں بنتا سائنس نے ساتھ ہی یہ بھی معلوم کر لیا کہ حیات کا ابتدائی ذرہ کیا ہے؟ یہ ابتدائی ذرہ امیبا کو قرار دیا گیا جو بیسویں صدی میں وائرس بن گیا اور اب ابتدائی ذی حیات وائرس کو قرار دیا جاتا ہے۔ سائنس نے ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ — امیبا — غیر فانی ہے اس کا وجود ہمیشہ رہتا ہے وُہ مرتا نہیں ظاہر ہے کہ یہ دعوٰی غلط ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ حیات ایک خاص درجہ حرارت ہی میں زندہ رہ سکتی ہے اس کے باہر زندہ نہیں رہ سکتی۔

تاہم سائنس کا یہ انکشاف ایک انقلابی اہمیت کا حامل ہے جس سے عملی نتائج بھی پیدا ہُوئے بطور مثال متعدی امراض کو لیجئے جراثیم کے انکشاف سے پہلے متعدی امراض کی توجیہہ ممکن نہ تھی طب قدیم کے نظریئے ارسطو کے حیاتیاتی نظریئے پر قائم تھے لیکن طبِ جدید نے نیا نظریہ

قبول کر لیا ہے جس سے علاج میں بھی کئی جگہ اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس جدید نظریہ سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو گئی وُہ یہ کہ کائنات یا کُرّہ ارض حیات یا مادہ کے دُو جدا گانہ عناصر کا مجموعہ ہے جن میں سے کوئی ایک دُوسرے سے پیدا نہیں ہوتا گویا دوئی یعنی کائنات کو دُو عناصر کا مجموعہ خیال کرنے کا نظریہ صحیح ہے اور کائنات کی ایک عنصری تشریح غلط ہے یہ صورتِ حال بڑی عجیب تھی ایک طرف علم طبیعیات و کیمیا سترھویں اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ یہ کائنات صرف اور صرف مادہ کی پیداوار ہے سب سے پہلی اور سب سے آخری حقیقت مادہ اور صرف مادہ ہے اور دُوسری طرف علم حیاتیات نے علم طبیعیات و کیمیا کو جو سائنس کے سب سے بڑے نمائندے تھے چیلنج دے رکھا تھا کہ "حیات مادہ سے الگ ہے" اور تمام تجربات سے اسے ثابت کر دیا تھا ظاہر ہے کہ اس سے سائنس اور مادیت کے لیے یہ چیلنج سب سے بڑا چیلنج تھا سائنس کی گزشتہ سو سالہ تاریخ کا سب سے دلچسپ تضاد یہ ہے کہ وہی سائنسی طرزِ تحقیق جس نے طبیعیات و کیمیا کو ترقی دے کر مادی اندازِ فکر کی اساس ڈالی وہی طرز تحقیق حیاتیات کے دائرہ میں مادی انداز تشریح کی اساسیں متزلزل کرنے کا سبب بن گیا۔

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ حیات کیا ہے؟ انسانی تاریخ کا یہ ایک ایسا پیچیدہ سوال ہے جسے انسانی دماغ اپنی تقریباً معلومہ تاریخ یعنی گزشتہ دس ہزار سال میں حل کرنے سے معذور رہا ہے موجودہ سائنس بھی گزشتہ تین سو سال کے لگ بھگ اس معمّہ کو حل کرنے میں لگی ہُوئی ہے کہ حیات کیا ہے لیکن ابھی تک وُہ کسی صحیح اور مکمل نتیجہ تک نہیں پہنچ سکی کیونکہ یہ کہہ دینا تو بڑا آسان ہے کہ فلاں فلاں عناصر کی ترکیب سے حیات پیدا ہُوئی مگر اسے لیبارٹری میں اس طرح ترکیب دے دینا جس سے حیات پیدا ہو جائے ابھی تک اس سعی میں کامیابی نہیں ہو سکی فی الحال جس نتیجہ تک رسائی ہُوئی ہے وُہ یہ ہے کہ ہائیڈروجن، آکسیجن اور نائیٹروجن ان تینوں عناصر کے ساتھ صرف ایک عنصر یعنی کاربن کو بھی بڑھا دیں تو ان چاروں کے مرکب کرنے سے سینکڑوں نہیں ہزاروں بلکہ لاکھوں تک ایٹم ہوتے ہیں اور یہی وُہ سالمے ہیں جن سے حیات خاص طور پر مرکب ہوتی ہے اب تک حیات کی سب سے آخری کڑی کا جو علم ہے وُہ یہ کاربن عنصر ہی ہے لیکن کاربن میں یہ خصوصیات کیوں ہیں کہ وُہ حیات کی تخلیق کا باعث بن سکا اور

دوسرے عناصر میں یہ بات کیوں نہیں۔

یہ چند راز اور چند معمّے ہیں جن کو تا حال حل نہیں کیا جا سکا اور سائنسدانوں کا یہ مشہور نظریہ ہے کہ حیات کی ہی ترقی یافتہ شکل کا نام رُوح ہے تو گویا سائنسدان جب حیات ہی کو نہیں سمجھ سکے تو رُوح کی حقیقت کو کیا سمجھیں گے۔

نظریۂ ارتقاء

ارتقاء کا نظریہ کئی فلاسفروں نے پیش کیا ہے لیکن عام طور پر ڈارون کا نظریہ مشہور رہے کیونکہ اس نظریے کے متعلق اس نے بہت کوشش و محنت کی ہے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی رُو سے میری اور آپ کی رُوح دراصل ترقی پذیر شکل ہے حیات کے ارتقاء کی جو غیر روحانی مادہ سے شروع ہو کر اور اَن گنت سلسلوں سے گزر کر ہم انسان تک پہنچا ہے وسیع فکری اساسوں پر نظریۂ ارتقاء کی ایک کمزوری یہ ہے کہ اس کی بنیاد محض ایک اعتباری تصور پر رکھی گئی ہے ارتقاء وزوال کے تصورات خالص اضافی حیثیت رکھتے ہیں ان کی کوئی دائمی اور یقینی اساس نہیں آج سب سے پہلا ذی حیات وائرس کو خیال کیا جاتا ہے۔ ڈارون کے خیال میں وائرس سے لے کر انسان ہونے تک حیات کی جو اَن گنت کڑیاں ہیں ان میں سب سے ترقی یافتہ کڑی انسان ہے اور سب سے پست تر وہ جہاں پر وائرس ہے لیکن یہ اپنے منہ میاں مٹھو بننے والی بات ہے، اس لیے کہ یہ رائے ایک انسان نے اپنے ایک ہم نوع انسان کی بابت دی ہے اس سلسلہ میں خود وائرس کے نقطۂ نظر کو معلوم نہیں کیا گیا کہ اگر وائرس سے انٹرویو لیا جائے تو یہ بالکل ممکن ہے کہ وہ یہ رائے دے کہ ارتقاء کی سب سے بڑی بلند تر کڑی وُہ خود ہے اور سب سے پست تر کڑی انسان ہے اور ظاہر ہے کہ دعویٰ کو مسترد کرنے کی اس کے علاوہ کوئی اور وجہ نہیں کہ ڈارون انسان کی فکری عظمتوں کا حوالہ دیں لیکن اگر وائرس ان عظمتوں کو ماننے سے انکار کر دے تو پھر ڈارون کے پاس اپنے دعویٰ کی تائید میں اور کوئی دلیل باقی نہ رہے گی حقیقت یہ ہے ارتقاء وزوال اور بلندی و پستی کا تصور محض اضافی تصور ہے ایک چیز بیک وقت ایک نسبت سے بلند اور دوسری نسبت سے پست ہو سکتی ہے۔ اس لیے ارتقاء کے نظریہ کو ایک غیر متبدل حقیقت ثابتہ کے

کے طور پر ماننے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

اعلیٰ فکری اساس پر نظریۂ ارتقاء کی ایک دُوسری کمزوری یہ ہے کہ اس نظریے کی رُو سے وائرس سے لے کر انسان تک خطِ مستقیم پر برابر ارتقاء ہوتا رہا ہے اور برابر ارتقاء جاری رہے گا لیکن جدید علمِ ہندسہ کی اساس نے خطِ مستقیم کا وجود تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ خطِ مستقیم اس خط کو کہتے ہیں جو دُو نقطوں کے سب سے قریبی فاصلہ کو بتاتا ہے لیکن جدید علم ہندسہ نے بتایا ہے کہ دُو نقطوں کا سب سے قریبی فاصلہ خطِ مستقیم یعنی سیدھا خط نہیں ہوتا بلکہ ٹیڑھا خط ہوتا ہے نیز ڈارون نے ارتقاء کو لامحدود طور پر جاری فرض کیا ہے مگر لامحدود طور پر ارتقاء کو جاری فرض کرنے کا سائنس کی رُو سے کوئی جواز موجود نہیں ہے دنیا مکانی اعتبار سے لامحدود ہے نہ زمانی اعتبار سے لہٰذا لامحدود ارتقاء کے کوئی معنی نہیں ہیں ہاں ارتقاء دَوری ہو سکتا ہے یعنی یہ کہ انسان کو ایک دائرہ کی کڑی خیال کیا جائے جس کے بعد زوال شروع ہو جائے تا اینکہ بات پھر غیر ذی حیات تک پہنچے لیکن ڈارون نے ایسا خیال نہیں کیا ان کا ارتقاء خطِ مستقیم پر لامحدود سمت میں جاری رہتا ہے جس کا نہ کوئی سائنسی جواز ہے نہ منطقی۔ لہٰذا اعلیٰ اور وسیع سطحِ فکری پر ایک مرتب نظریہ سمجھنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے لہٰذا رُوح کو حیات کی ترقی یافتہ شکل قرار دینا سراسر باطل اور غلط نظریہ ہے۔

اب جبکہ یہ بات ماننے کے قابل نہیں رہی کہ رُوح حیات کی ترقی یافتہ شکل ہے تو پھر یہ بات ثابت کرنا ہوگی کہ یہ خیال صحیح ہے کہ رُوح جسم سے الگ ایک مستقل بالذات ہستی ہے؛ اس بحث کا خالص حیاتیات کی روشنی میں جائزہ لینا چاہیے۔

نظریۂ حیاتیات

سائنسدان حضرات کا نظریہ ہے کہ انسان چند عضلات کے مجموعے کا نام ہے اور وُہ عضلات چند نسیجوں سے مرکب ہوتے ہیں اور یہ نسیج چند خلیوں کا مجموعہ ہوتے ہیں اور یہ خلیے کروموسوم اور جین کے مرکب کو کہتے ہیں اور یہ کروموسوم اور جین چند ابتدائی حیاتیاتی مادوں کو کہتے ہیں اور پھر یہ ابتدائی حیاتیاتی مادّے بھی چند ایٹموں کا مجموعہ ہوتے ہیں اور وہ ایٹم کے اندر بھی

اجزاء قوت کا مرکب ہوتے ہیں جو برابر بدلتے رہتے ہیں۔ اب علم حیاتیات کی رُو سے انسان اربوں خلیات کا مجموعہ ہے جن میں سے ہر خلیہ ہر لمحہ بدلتا رہتا ہے تا اینکہ بارہ سال کے بعد سارے کے سارے خلیئے بدل جاتے ہیں تبدیلی کا یہ عمل برابر جاری رہتا ہے مگر مکمل ہوتا ہے بارہ سال میں۔ گویا کہ ایک شخص جو بارہ سال پہلے تھا اب وُہ بالکل دوسرا شخص ہوگا۔ ایک فلسفی، شاعر، ادیب، صحافی، جج اور بیرسٹر، ڈاکٹر، تاجر، وہ شخص ہی باقی نہیں رہتا جو وُہ بارہ سال پہلے تھا اگر یہ نظریہ صحیح ہے جیسا کہ علم حیاتیات کا مسلمہ مسئلہ ہے تو پھر اس مسئلہ کا رُوح کی حقیقت پر گہرا اثر پڑے گا کیونکہ سائنسدانوں کے نزدیک رُوح حیات ہی کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ اور رُوح صرف خلیات کی ایک خاص قسم کی تنظیم کا نام ہُوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر رُوح کی عمر بارہ سال ہوا کرتی ہے اس سے زیادہ نہیں گویا آپ کی عمر ساٹھ سال ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کی چار رُوحیں مرگئیں اور اب پانچویں کی باری ہے۔ کوئی شخص اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ یہ یادیں ایک مشترکہ سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں جو تھوڑا بہت بدلتا تو رہتا ہے مگر کسی نہ کسی شکل میں اپنی انفرادیت باقی ضرور رکھتا ہے اب یہ تو نہیں ہوتا کہ اب سے بارہ سال پہلے آپ نے جو کچھ پڑھا تھا اُسے آپ یکسر بھول جائیں اور ہر بارہ سال بعد پھر سے ا ب ت پڑھنا شروع کیا کریں لازماً ایک ایسی چیز ہے جو مرور ایام کے باوجود باقی رہتی ہے تو آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ رُوح یا شعور ارتقاء کے باوجود ابتداء عمر سے انتہا تک اپنی انفرادیت باقی رکھتا ہے اور جب صورت یہ ہے تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ رُوح یا شعور صرف جسم کے خلیوں کے مجموعہ سے عبارت ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں اس لیے کہ اگر بات صرف اسی قدر ہوتی تو پھر خلیوں کے یکسر بدل جانے کے ساتھ رُوح کو بھی ہر بارہ سال میں بدل جانا چاہیے تھا مگر ظاہر ہے کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہُوا کہ رُوح صرف خلیات ہی کا نام نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی کچھ اور ہے جسم انسانی تو بارہ سال کے بعد بدل جاتا ہے مگر رُوح نہیں بدلتی گویا انسان وہی دُوئی کا مجموعہ ہے جس میں سے ایک رُوح ہے اور دُوسرا جسم۔ موجودہ دور کے سائنسدان اس دوئی جسم و روح کے منکر ہیں البتہ بعض اس حد تک اقرار کرتے ہیں کہ شعور یا روح حیات کی ترقی یافتہ شکل ہی ہے مگر وُہ ایک جُداگانہ اور ممتاز ہستی ہونے کی وجہ سے مستقل بالذات

معلوم ہوتی ہے۔

میں نے ابھی تک جو نظریہ ثابت کیا ہے وُہ یہ ہے کہ انسان رُوح اور جسم دُو چیزوں کا مرکب ہے۔ یہ وُہ نظریہ ہے جسے ثنوی طریقے کا نام دیا گیا ہے۔ اب دُو نظریے باقی رہ گئے، ایک روحانیین کا اور دوسرا مادیین کا۔

اب کائنات کی دُو صورتیں ہی باقی رہ گئی ہیں ایک یہ کہ کسی روحانی حقیقت کو اصل کائنات مانا جائے اور مادّہ کو اس روحانی حقیقت کی بدلی ہوئی اشکال قرار دیا جائے۔

دُوسری صورت یہ ہے کہ مادہ کو اصل کائنات مانا جائے اور رُوح یعنی عقل و شعور کو اس کی پیداوار قرار دیا جائے۔

نظریۂ مادّیت

مادیین کے موقف کا بانی کارل مارکس ہے۔ وُہ کہتا ہے کہ کائنات کی حقیقت مادہ ہے اور شعور مادہ ہی کی پیداوار ہے اس لیے مادہ اس کائنات کے تمام مظاہر کی اصل ہے جس میں شعور بھی شامل ہے گویا کائنات کی صحیح تشریح مادی انداز پر ہو سکتی ہے روحانی یا تصوری انداز پر نہیں شعور کے سلسلہ میں مادیین کے اس نقطۂ نظر کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ شعور مادہ ہی کی ایک شاخ ہے اور اسی کے ماتحت ہے گویا وُہ بذاتِ خود ایک ایسی اکائی نہیں ہے جو مادہ کے اثر سے آزاد ہو کر اپنی جُدا حیثیت برقرار رکھ سکے۔ اب اس سوال پر سوال یہ پیدا ہو گا کہ اگر شعور یا روح مادہ کی پابندیوں میں رہنے کے لیے مجبور ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہمارے اعمال جبریت کے تحت آتے ہیں ہمیں آزادئ فکر و خیال حاصل نہیں ہم جو کچھ کرتے ہیں ہمیں اس پر قدرت نہیں بلکہ ہمارا ہر قدم مادہ کی پابندیوں یعنی اصول کے تحت ہے جن پر مادہ چلتا ہے۔ ان کے نزدیک انسانی عقل و شعور آزاد نہیں ہے وُہ مادی محرکات کے ماتحت رہتی ہے بس یُوں سمجھئے کہ کچھ اس اینٹ کی طرح جسے آپ کنوئیں میں پھینکیں اور جو یہ خیال کرے کہ وُہ اپنی حرکت میں آزاد ہے جبکہ وہ واقعی آزاد نہیں ہوتی۔ یہ وُہ نقطہ ہے جو مادیین کا متعین نقطہ نگاہ ہے۔ یہ میکانکی مادیت ہے جو شعور کی مشین کا پُرزہ خیال کرتی ہے۔ مادیین نے پُوری طاقت اس امر کی طرف مرکوز کر دی تھی

کہ شعور نہ مستقل بالذات اکائی ہے نہ وہ آزاد ارادہ رکھتا ہے جب کہ اس کے برعکس روحانیین اس امر پر مُصر ہیں کہ شعور مستقل بالذات اکائی ہے اور آزاد ارادہ کا حامل ہوتا ہے۔ مادیین کا یہ موقف غلط ہے اس لیے کہ میرے اعمال میری اپنی مرضی کے تحت نہیں ہوتے بلکہ ان اندرونی اور بیرونی اسباب اثرات اور عوامل کے پیدا کردہ ہوتے ہیں جو میرے دائرۂ اثر سے باھر ہوتے ہیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم سب مشینیں ہیں جو اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتیں۔ ایک بہاؤ ہے جس میں پُوری انسانیت بہی جا رہی ہے اور جب صورت یہ ہے تو جو کچھ ہو رہا ہے وہی ہوتا رہے گا اور اس میں ردّ و بدل کی گنجائش نہیں ہے اور جس سے چھٹکارا ممکن نہیں وُہ اگر بدلے گا تو خود ہی بدل جائے گا۔ اور اگر شعور یا رُوح ارادہ میں آزاد نہیں تو پھر گناہ و ثواب کا مفہوم ہی خبط ہو کر رہ جائے گا۔ آخر جب میں اپنے اعمال کا سبب یا باعث ہی نہیں ہوں تو پھر گناہ میرا گناہ اور نیکی میری نیکی نہ ہو گی اور جب گنہگار ہُوں نہ نیکوکار تو مجھے عقوبت یا ثواب کا مستحق بھی نہ ہونا چاہئے۔ ان ہی اشکال کو مارکس نے محسوس کیا اور یہ کہہ دیا کہ شعور یا رُوح اگرچہ مخلوق تو مادہ ہی کی ہے مگر وہ مخلوق ہونے کے باوجود ایک مستقل بالذات ہستی بن جاتا ہے اور اس کے لیے مستقل بالذات اکائی ہونے اور مادی ہونے میں کوئی تضاد رونما نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں مارکس سے سوال یہ کیا جائے گا کہ کیا وُہ اس پُوری کائنات میں کوئی ایک مثال بھی ایسے دے سکتے ہیں جس میں مادہ کی مخلوق مادّی عوامل و اثرات کی زد سے باہر ہو گئی ہو اور جب ساری کائنات میں کوئی ایسی مثال نہ مل سکتی ہو تو پھر شعور میں یہ تخصیص کیوں ہے۔ لہٰذا آپ کے نظریے کے مطابق شعور بھی مادہ کی مخلوق ہے تو اسے بھی مادی عوامل و اثرات کی حد میں رہنا ہوگا۔ وہ آزاد ارادہ نہیں رکھ سکتا اور اگر شعور میں آزاد ارادہ مانا جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وُہ مادہ کی مخلوق نہیں ہے اس طرح مارکس سے جو غلطی ہُوئی وہ یہ کہ انہوں نے مادیت کے ساتھ شعور کے آزاد ارادہ کا پیوند لگانا چاہا جو ایک متضاد سی بات ہے۔

علاوہ بریں مارکس کا یہ خیال کہ شعور آزاد ارادہ کا حامل اور ایک مستقل بالذات اکائی ہے ان کے اس خیال سے بھی میل نہیں کھاتا کہ ہر عہد کی فکر اس عہد کے معاشی یعنی مادّی حالات کی پیداوار ہوتی ہے اس لیے آزاد ارادہ اور مادّی عوامل و اثرات کے ماتحت

ہونے کا خیال دُو متضاد خیال ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

جدید حیاتیات نے یہ انکشاف کیا ہے کہ حیات خلیتوں پر مشتمل ہے اور ہر خلیہ خود دُو حصوں میں بٹ کر اپنی اولادیں پیدا کرتا ہے یہ حقیقت اٹھارھویں اور انیسویں صدی کی میکانکی مادیت کے لیے بے حد پریشان کن ثابت ہُوئی اس لیے کہ غیر ذی رُوح دُنیا میں جو مشینی قوانین کے ماتحت چلتی تھی اور جس کے قوانین کو دیکھ کر ساری کائنات کو ایک مشین خیال کر لیا گیا تھا اس طرح کا کوئی حادثہ رونما نہ ہوتا تھا کہ ایک پتھر خود بخود اپنے دُو بچے پیدا کر دے جو بڑھ کر خود باپ جیسے ہو جائیں۔ پتھر آہستہ آہستہ پگھلتا تھا، ٹوٹتا تھا، نشو و نما نہ پاتا تھا جبکہ درخت کچھ مدت تک بڑھتا تھا، نشو و نما پاتا تھا اور یُوں اس کائنات میں دُو مختلف قسم کے قوانین جاری و ساری نظر آئے۔ قوانین کی ایک قسم وُہ تھی جو ذی رُوح دنیا میں چلتی تھی اور دوسری قسم کے قوانین وہ تھے جو غیر ذی رُوح دنیا کی حد تک اطلاق رکھتے تھے بالفاظِ دیگر میکانکی فلسفہ کا دائرہ غیر ذی رُوح کائنات تک محدود ہو کر رہ گیا۔ اس صورتِ حال نے مادیین کو اپنا موقف بدلنے پر مجبور کر دیا جن کی قیادت مارکس اور اینجلز کرتے ہیں۔ انیسویں صدی میں مادیت کے موقف کو بدل کر کہا کہ کائنات کو مشین کے طور پر سمجھنے کا نظریہ تو غلط ہے مگر کائنات کی مادی تعبیر کا نظریہ پھر بھی اپنی جگہ صحیح ہے

نظریۂ رُوحانیت

روحانیین کا خیال یہ ہے کہ یہ ساری دنیا ایک رُوح کے مظاہر ہیں اور مادی دنیا کو محض سراب خیال کرتے ہیں یہ نظریہ وحدت وجود کے حامیوں کا ہے وحدت وجود کے حامی صرف ایک ہی وجود کو مانتے ہیں جو مادہ نہیں ہے بدھ مت، افلاطونیہ جدیدہ اور مسلمانوں کے فلسفہ نواز صوفی اسی نظریہ کے حامی تھے۔ چنانچہ فلاطینوس نے کہا کہ یہ مادہ بھی ذاتِ واحد کی ضیاگستری کا نتیجہ ہے اس کے نزدیک مادہ بھی خداوند تعالیٰ کا ایک جلوہ ہے ویدانت کا فلسفہ جس کے شارحین میں زیادہ مشہور شنکر اچاریہ تھے جس نے ۸۰۰ء کے قریب کا زمانہ پایا۔ ہندوستان کے تعلیم یافتہ ہندوؤں کی اکثریت ویدانتی فلسفہ کی پیروکار رہے ویدانت کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ آتما (یعنی ہمارا نفس) برہمن یا روح کل ہے۔ برہمن کی ذات ابدی اور لامحدود ہے

اس کی طاقت تمام اشیاء میں کام کر رہی ہے اور یہ ہمارا نفس انسانی اور حیوانی کل برہمن ہے نہ کہ اس کا کوئی جز یا مظہر برہمن کے سوا اور کسی ہستی کا دنیا میں وجود نہیں اس لیے اس فلسفہ کو غیر ثنوی کہا جاتا ہے موجودات محض سراب ہیں۔ اس مسئلہ کی وجہ سے غیر مسلم مذاہب میں دو قسم کی خرابیاں پیدا ہو گئیں ہندو مذہب میں معبودوں کو کثرت کا اس ہمہ اوستی فلسفہ سے گہرا تعلق ہے، چونکہ وحدانیت کا تصور ان کے ہاں یہ تھا کہ مختلف دیوتا اور دیویاں ایک ہستی واحد کے مظاہر ہیں۔ اپنشد میں یہی عقیدہ برہمنا کی صورت میں موجود ہے کیونکہ برہمنا کو روح عالم یا ہستی مطلق قرار دیا گیا ہے۔

اور پھر مظاہر فطرت مثلاً ہوا، آگ، پانی، دریا، زلزلے اور وبائیں ایک واحد قوت حیات کے مختلف ظہوروں کا نتیجہ ہیں خود انسان ایک ظرف ہے جس میں یہ قوت حیات رواں دواں ہے فطرت اور خدا ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں اس لیے فطرت ذی حیات یا بے جان فطرت کی پرستش خدا کی پرستش ہے۔

مسلمانوں میں اس مسئلہ وحدت الوجود کو فلسفیانہ طرز پر پیش کرنے والے شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ ہیں جن کی اس فلسفہ پر مشہور کتابیں فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم ہیں۔ شیخ اکبر کی ان کتابوں کے گہرے مطالعہ کے بعد علمائے کرام میں دو مسلک ہو گئے۔ ایک فرقہ تو ان کی کتابوں کی مغلق عبارتوں اور خاص اصطلاحات کو واضح کر کے اور بعض عبارتوں کی صحیح تاویل کے ذریعہ شیخ اکبر کو عارف کامل اور مقتدر ولی اللہ سمجھتے ہیں اور بعض عبارتیں جن کی تاویل نہیں ہو سکتی۔ ان میں سے بعض کو شطحیات پر محمول کرتے ہیں اور بعض عبارتوں کو الحاقی تصور کرتے ہیں اور ایک فرقہ علمائے کرام کا ان کی کتابوں کو تعلیمات نبوت کے خلاف سمجھتا ہے چنانچہ ان مخالفین کے سرخیل علامہ ابن تیمیہ ہیں غالباً ابن تیمیہ کو صوفیوں کے خلاف جس چیز نے آمادہ کیا ہے اس کا محرک یہی مسئلہ وحدت الوجود ہے۔ ابن تیمیہ کی کتاب الرد الاقوم علی ما فی کتاب فصوص الحکم بہت مشہور ہے اس میں لکھتے ہیں: "ابن عربی اور ان کے متبعین کا مسلک یہ ہے کہ وجود ایک ہی ہے وہ کہتے ہیں مخلوق کا وجود خالق کا وجود ہے وہ دو متغائر وجودوں کے قائل نہیں جن میں سے ایک دوسرے کا خالق ہو بلکہ کہتے ہیں کہ خالق ہی مخلوق ہے اور مخلوق ہی خالق ہے

وجود میں رب وعبد کی کوئی تفریق نہیں وہاں نہ کوئی خالق ہے نہ کوئی مخلوق، نہ کوئی داعی ہے نہ کوئی مجیب، وجود کا جب اعیان پر فیضان ہُوا اور اس نے ان کے اندر ظہور کیا تو اعیان کی حیثیت سے اس میں تنوّع اور تفریق پیدا ہُوئی جیسا کہ روشنی مختلف الالوان شیشوں میں مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتی ہے اس بناء پر وُہ کہتے ہیں کہ گوسالہ پرستوں نے درحقیقت خدا ہی کی پرستش کی تھی موسیٰ علیہ السلام نے ہارون کو جو ٹوکا تھا تو اس بات پر کہ انھوں نے اس گوسالہ پرستی کی (جو دراصل خدا پرستی تھی اس لیے کہ موجود تو ایک ہی ہے) مخالفت کیوں کی؟ اُن کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام ان عارفین میں سے تھے جو ہر چیز میں حق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کو ہر چیز کا عین سمجھتے ہیں ان کے نزدیک فرعون اپنے اس دعوٰی میں برسرِ حق تھا کہ انا ربکم الاعلیٰ بلکہ وُہ عین حق تھا۔

صاحبِ فصوص کا کہنا ہے کہ فرعون کو چونکہ تکوینی طور پر منصبِ حکومت حاصل تھا اور وہ صاحبِ قوت تھا تو اس نے بجا طور پر انا ربکم الاعلیٰ کہا اس لیے کہ جب سب کسی نہ کسی نسبت سے ارباب ہیں تو میں ان میں سب سے اعلیٰ ہُوں کیونکہ مجھے ظاہر میں تم پر حکومت کرنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے وُہ کہتے ہیں کہ جادوگروں کو جب فرعون کی صداقت کا علم ہُوا تو انہوں نے اس کی مخالفت نہیں کی بلکہ اس کا اعتراف کیا اور کہا فاقض ما انت قاضٍ انّما تقضی ھٰذہ الحیٰوۃ الدّنیا (جو تمہیں فیصلہ کرنا ہو کرو تم صرف اس دنیا کی زندگی پر حکم چلا سکتے ہو) اس لیے فرعون کا یہ کہنا بالکل بجا تھا کہ انا ربکم الاعلیٰ۔

روحانیین کا ایک موجودہ ترقی یافتہ طبقہ

۱۹۳۱ء میں سر جیمس جینیس کی معرکہ آراء تصنیف "پُراسرار کائنات" چھپی جس نے دنیا کے فکری حلقوں میں ہل چل مچادی اور سائنسی روحانیت کے حامیوں کے موقف کو بے حد مضبوط کر دیا اس لیے اس کتاب کو سائنسی روحانیت کی بائیبل کہا جاتا ہے جس کی اساس پر جدید سائنس کی روشنی میں مذہب کی بنیاد کا تعین ہو سکتا ہے برگساں اور ان کے ساتھیوں کا سارا زور ایک قوت حیات پر تھا جس سے وجدان کا وجود ثابت کرکے روحانیت کی تائید

میں استدلال کیا جاتا تھا۔ سر جیمز جینز اپنی کتاب "پراسرار کائنات" میں لکھتے ہیں: "کائنات کسی مادی تشریح کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ علم طبیعیات کے ماہرین کا تعلق اب اس رائے سے اختلاف تقریباً مفقود ہے کیونکہ علم کا دریا ایک غیر میکانکی حقیقت کی طرف بہہ رہا ہے۔ کائنات ایک بڑی مشین یا کل کی بجائے ایک بڑے تصور کی صورت میں نظر آنے لگی ہے اب ہمیں شعور ہی کو مادہ کی دنیا کا خالق اور حکمران کہنا چاہیے ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات ایک منظم اور مدبر ہستی کا پتہ دیتی ہے جو ہمارے شعور کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت رکھتی ہے جس حد تک ہمیں علم ہو سکا ہے جذبات اخلاق اور احساس کے اوصاف کے لحاظ سے نہیں بلکہ ایک ایسے اندازِ فکر کے لحاظ سے ہم کسی بہتر لفظ سے تعبیر نہ کر سکنے کی وجہ سے ریاضیاتی اندازِ فکر کہتے ہیں۔"

تصوّر اور نو تصوری فلاسفہ کے نظریات اور طبیعیات جدید کی شہادت کے علاوہ جن میں سے ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہر ایک کے اندر اس خیال کی پُر زور تائید موجود ہے کہ کائنات کی حقیقت شعور یا رُوح ہے، حیاتیات کے بعض حقائق بھی اس نتیجہ کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ ان تمام حقائق کی بناء پر بعض منظم فلسفے قائم کیے گئے ہیں جن میں سے ایک ارتقائی تخلیقی فلسفہ ہے جسے برگساں نے مدوّن کیا ہے۔ چنانچہ برگساں لکھتا ہے کہ حیوان کے اندر ایک مدعا یا مقصد کام کرتا ہے جس کی وجہ سے وُہ ایک مناسب شکل و صورت اختیار کرتا ہے مقصد یا مدعا ایک ایسی خود اختیاری تدبیری اور انتظامی قوت شعور ہے جو حیوان کے مجموعی مفاد کے لیے اس کو ڈھالتی اور بناتی ہے اور جو خود اپنے ارادہ کو بھی اس مفاد کے اقتضاء کے مطابق بدلتی ہے ضروری ہے کہ یہ قوت کائنات کے اندر زندگی کی ساری نشوونماء اور ارتقاء سے دلچسپی رکھتی ہو برگساں نے اس قوت کو قوت حیات کا نام دیتا ہے اس کے نزدیک اس قوت میں اور شعور میں کوئی فرق نہیں برگساں نے اپنی کتابوں میں ان حقائق کو ثابت کرنے کے لیے بڑے بڑے دلائل دیئے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شعور مادہ سے پیدا نہیں ہوا بلکہ خود بخود موجود ہے شعور خود ایک بنیادی حقیقت ہے اور مادہ کی خاصیات کا مظہر نہیں اگر شعور اپنی جدا حقیقت رکھتا ہے تو مادہ کے بے حقیقت ثابت ہونے کے بعد ہم آسانی سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ کائنات کی ساری حقیقت بھی یہی ہے اور مادہ اسی سے ظہور پذیر ہوا ہے

جس طرح سے حیوانات کی مختلف قسمیں عملِ ارتقاء سے وجود میں آئی ہیں اسی طرح سے مادہ کی موجودہ حالت بھی عملِ ارتقاء کا نتیجہ ہے جو قوت حیوانات کے ارتقاء کا سبب بنی ہے وہی مادہ کی ارتقاء کا باعث بھی ہے لہٰذا مادہ کی حقیقت بھی شعور ہی ہے اس کائناتی شعور کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے یعنی کامل ذہانت یا کامل ریاضیاتی فکر اور اس کے ساتھ وہ تمام صفات موجود ہیں جو ہمارے علم کے مطابق شعور کا خاصہ ہیں جہاں ذہانت اور ریاضیاتی فکر کے اوصاف بدرجہ کمال ہوں گے وہاں شعور کی باقی صفات کا بحالتِ کمال ہونا بھی ضروری ہے کامل ترین ذہانت کامل ترین شعور کا ہی ایک وصف ہو سکتی ہے اور کامل ترین شعور وہ ہے جو کامل طور پر اپنے آپ سے آگاہ اور خود شناس اور خود شعور ہو اس لیے شعور ایک ریاضیاتی فکر ہی نہیں بلکہ اپنے آپ سے بدرجۂ کمال آگاہ ہونے کی وجہ سے ایک کامل شخصیت یا انا یا ایغو ہے اسی کائناتی خودی یا ایغو کو مذہب کی زبان میں خدا کہا جاتا ہے اسی کے مقصد نے کائنات اور جسم انسانی کو پیدا کیا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا شعور خالق ہے؟ ہمیں جواباً کہنا پڑے گا کہ نہیں بلکہ خالقِ شعور خالق ہے۔ اسلام برملا کہتا ہے کہ کائنات کا خالق مادہ نہیں، قانون نہیں، شعور نہیں، خدا ہے اس لیے کہ وہ علیم خبیر ہے۔

قبل ازیں تین نقطہ نظر پیش کیے گئے ہیں:

۱۔ یہ ساری کائنات جس میں ہم سب شامل ہیں روح و مادہ میں منقسم ہے۔

۲۔ روح صرف نام ہے مادہ کے ایک خاص انداز کا ورنہ رُوح بھی اپنی اصل میں مادہ ہی ہے۔

۳۔ مادہ روح ہی کے ایک خاص پہلو کا نام ہے ورنہ اصل رُوح ہی ہے۔

یہ تینوں تو خاص خاص فلسفیانہ اسکول تھے مگر ان کے ساتھ ہی ایک نقطۂ نظر اور بھی موجود ہے۔ چنانچہ مشہور فلسفی لینبر اپنا خیال پیش کرتا ہے کہ یہ کائنات نہ تو رُوح کی پیداوار ہے اور نہ مادہ کی بلکہ یہ رُوح اور مادہ کے جُدا جُدا عناصر کے ایک درمیانی عنصر کی پیداوار ہے کائنات رُوح اور مادہ پر مشتمل ہے اور ان دونوں کی اصل ایک تیسرا عنصر ہے جو نہ

روح ہے نہ مادہ مگر اس میں دونوں کا کچھ وسطی حصّہ یا مشترک خصوصیت موجود ہے ۔ اس خیال کی تائید میں موجودہ زمانے کے مشہور فلسفی برٹرینڈ رسل سے کافی مواد ملتا ہے چنانچہ اس نے بھی آخری عمر میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ کائنات نہ مکمل مادہ ہے نہ مکمل رُوح بلکہ ان دونوں کے بین بین ہے ۔

اس طلسم ہستی کے معمہ پر غور کیجئے جو خود ہمارے اندر اور ہمارے چاروں طرف پھیلا ہُوا ہے انسان نے جب سے ہوش سنبھالی اس معمہ کا حل ڈھونڈھ رہا ہے لیکن اس پرانی کتاب کا پہلا اور آخری ورق کچھ اس طرح کھو گیا ہے کہ نہ تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ شروع کیسے ہوئی تھی نہ اسی کا کچھ سراغ ملتا ہے کہ ختم کہاں جاکر ہُوئی اور کیونکر ہوگی، زندگی اور حرکت کا یہ کارخانہ کیا ہے اور کیوں ہے اس کی ابتدا بھی ہے یا نہیں ؟ یہ کہیں جاکر ختم بھی ہوگا یا نہیں ؟ خود انسان کیا ہے ؟ یہ جو ہم سوچ رہے ہیں کہ انسان کیا ہے ؟ تو یہ خود سوچ اور سمجھ کیا چیز ہے ؟ اور پھر حیرت و درماندگی کے ان تمام پردوں کے پیچھے کچھ ہے بھی یا نہیں ؟ اس وقت سے جبکہ ابتدائی عہد کا انسان پہاڑوں کے غاروں سے سر نکال کر سورج کو طلوع و غروب ہوتے دیکھتا ہے آج تک جبکہ وہ علم کی تجربہ گاہوں سے سر نکال کر فطرت کے بے شمار چہرے بے نقاب دیکھ رہا ہے انسان کے فکر و عمل کی ہزاروں باتیں بدل گئیں مگر یہ معمہ معمہ ہی رہا ۔

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من
ویں حرف معمہ نہ تو خوانی و نہ من
ہست از پس پردہ گفتگوئے من و تو
چوں پردہ بر افتد نہ تو مانی و نہ من

ہم اس اُلجھاؤ کو نئے نئے سِل نکال کر سلجھانے کی جتنی کوشش کرتے ہیں وُہ اور زیادہ الجھتا جاتا ہے ایک پردہ سامنے دکھائی دیتا ہے اسے ہٹانے میں نسلوں کی نسلیں گزار دیتے ہیں لیکن جب وُہ ہٹتا ہے تو معلوم ہوتا ہے سو پردے اور اس کے پیچھے پڑے تھے اور جو پردہ ہٹتا تھا وہ فی الحقیقت پردے کا ہٹنا نہ تھا بلکہ نئے نئے پردوں کا نکل آنا تھا ایک سوال کا جواب ابھی مل نہیں چکتا کہ دس نئے سوال سامنے آکھڑے ہوتے ہیں ایک راز ابھی حل نہیں ہو چکتا کہ سو نئے راز چشمک

کرنے لگتے ہیں۔

آئن سٹائن نے اپنی کتاب میں سائنس کی جستجوئے حقیقت کی سرگرمیوں کو شرلاک ہومز کی سراغ رسانیوں سے تشبیہ دی ہے اور اس میں شک نہیں کہ نہایت معنی خیز تشبیہ دی ہے علم کی یہ سراغ رسانی فطرت کی غیر معلوم گہرائیوں کا کھوج لگانا چاہتی تھی قدم قدم پر نئے نئے مرحلوں اور نئی نئی دشواریوں سے دوچار ہوتی رہی۔ ڈیمی مقراطیس کے زمانہ سے لے کر جس نے چار سو برس قبل مسیح مادہ کے سالمات کی نقش آرائی کی تھی آج تک جبکہ نظریہ مقادیر عنصری کی رہنمائی میں ہم سالمات کا از سرِ نو تعاقب کر رہے ہیں علم کی ساری کدوکاوش کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ نکلا کہ پچھلی گتھیاں سُلجھتی گئیں نئی نئی گتھیاں پیدا ہوتی گئیں۔ اس ڈھائی ہزار برس کی مسافرت میں ہم نے بہت سی نئی منزلوں کا سراغ پا لیا جو اثناء سفر میں نمودار ہوتی رہیں لیکن حقیقت کی وہ آخری منزل مقصود جس کے سراغ میں علم کا مسافر نکلا تھا آج بھی اسی طرح غیر معلوم ہے جس طرح ڈھائی ہزار برس پہلے تھی۔ ہم جس قدر اس سے قریب ہونا چاہتے ہیں اُتنا ہی وُہ دور ہوتی جاتی ہے۔

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے اندر ایک نہ بجھنے والی پیاس گھول رہی ہے جو اس معمہ کا حل چاہتی ہے ہم کتنا ہی اسے دبانا چاہیں مگر اس کی تپش لبوں پر آ ہی جائے گی ہم بغیر ایک حل کے سکونِ قلب پا نہیں سکتے۔

فلسفہ اور مذہب

جب ہم حقائق و معارف سے بحث کرتے ہیں تو ہمیں دُو راہیں اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ ایک راہ وُہ ہے جس کا مبداو منتہا الہام اور روایات ہیں اس راہ کو ہم عرف عام میں مذہب کے نام سے موسوم کرتے ہیں دُوسری راہ کا دار و مدار عقل و خرد کی کارفرمائیوں پر ہے اور اسے ہم فلسفہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں لفظوں کے ذریعے بیان نہیں کر سکتے لیکن عمل سے اُن کا ثبوت ملتا ہے مثلاً حیات، روح، خودی، ادراک اور زمان ان حقائق کی حقیقت لفظوں میں بیان نہیں کی جا سکتی اب اگر چاہیں کہ ایک بہرا آدمی موسیقی کی لذت سے یا ایک اندھا آدمی

مصوری کی لذت سے بہرہ اندوز ہو سکے تو یہ ممکن نہیں کیونکہ موسیقی کا تعلق سماعت سے ہے اور بہرہ آدمی سماعت سے محروم ہے ٹھیک اسی طرح حیات، روح، خودی، اور اک زمان اور خدا کی حقیقت سے بہرہ اندوز ہونے کے لیے روحانی حس کی ضرورت ہے اور چونکہ عقل کا مدار حواس جسمانی پر ہے اس لیے مجرد عقل ان حقائق کا ادراک نہیں کر سکتی یہ حقائق عقل کی دسترس سے بالاتر ہیں۔ بڑی غلطی یہ ہے کہ ہم روحانی حقائق کا ادراک مادی آلات کے واسطے سے کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا محسوسات جن کے متعلق فلسفہ اور سائنس مدعی ہے کہ وہ ان کے حقائق سے پردہ کشائی کر سکتی ہے ان امور کے لیے تو ہم فلسفیوں کا دروازہ بھی کھٹکھٹا سکتے ہیں اور ان کی دکانوں سے یہ سودا لے سکتے ہیں لیکن وہ غیبی حقائق اور وہ غیر محسوس قوانین جو فلسفیوں کے دائرہ عمل و عقل سے ماوراء ہیں ان کے لیے ہم سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب سے اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے معلوم کرنے کی کوشش کریں گے اگر وہاں سے تسلی بخش جواب نہ مل سکا تو آقائے نامدار کے روحانی فیوض و برکات حاصل کرنے والے عارفین اور کاملین کے پاس جائیں گے جن کے سینے نورِ عرفان سے منور ہیں اور جن کا تعلق ظاہری و باطنی آقائے فخرِ رسل مولائے کل کے مقدس سے ہے جو یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ کے علوم و فنون سے انسانیت کو رفعت لازوال بخشتے ہیں اور جن پر قرآن کریم کے ذریعہ ان حقائق کے دروازے کھل گئے ہوں جس سے فلسفی محروم ہے۔

تخلیقِ انسان

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ولقد خلقنا الانسان من سلالۃٍ من طین ۝ ہم نے انسان کو آغاز میں کیچڑ کے نچوڑ یعنی نچے (ایبا) سے پیدا کیا تھا۔ (القرآن)

کوئی چیز ایسی نہیں جو مٹی سے پیدا نہ ہوتی ہو۔ ہماری خوراک، غلہ، سبزی، پھل، گوشت، سب زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ پوشاک (روئی اور اون) بھی زمین سے ہے۔ اون جانوروں کی ہے جانور وہ خوراک کھاتے ہیں جو زمین سے پیدا ہوتی ہے اس سے ان کا گوشت بنتا ہے اسی سے

اُن کے بدن پر اُون اُگتی ہے ہم گوشت کھاتے ہیں اُن کی اُون سے پوشاک تیار کرتے ہیں۔ رُوئی بھی زمین سے ہی ہے زمین سورج کی کرنوں کو جذب کرتی ہے پانی کو جذب کرتی ہے چاند کی چاندنی کو جذب کرتی ہے گویا زمین کے ذرّوں کو چھان پھٹک کر اس کا سَت نکال کر انسان کا پُتلا تیار کیا گیا۔ انسان کی پیدائش کا دُوسرا مرحلہ یہ ہے کہ قدرت کے فیض کے باعث جو خوراک تیار ہُوئی اُسے انسان نے پکایا اور اس سے اپنے معدے کے تنور کو تپایا کھانا کیلوس کیموس بنتا بنتا خُون بن گیا اور خُون سے نطفہ بن گیا۔ دُوسری جگہ قرآنِ کریم میں ہے:

اناخلقناکم من ذکرٍ و اُنثیٰ۔

یعنی تمہیں مرد اور عورت سے ہم نے پیدا کیا۔ اس کا مطلب یہ ہُوا کہ نطفہ کا انعقاد مرد کے جرثومے (سپرم SPERM) اور عورت کے جرثومہ (اووم) کے الحاق سے ہوتا ہے۔ ہر صحیح و سالم عورت اپنی عمر میں کم سے کم ۳۶۰ اووم پیدا کرتی ہے جن میں سے ہر ایک اووم یا زنانہ بیضہ ایک مہینہ کے اندر اوور ی یعنی بیضہ دانی سے نکل کر فیلو پائین نامی نالی سے ہو کر گزرتا ہے اور اگر اس دوران میں مردانہ جرثومہ یعنی اسپرم سے ملحق ہو جائے تو انعقادِ نطفہ ہو جاتا ہے ورنہ نہیں۔ مرد کے مادۂ تولید کے چند قطروں میں کروڑوں اسپرم ہوتے ہیں جو ضائع ہو جاتے ہیں اور ان میں کوئی ایک ہی اسپرم زنانہ بیضہ سے مل کر نطفہ بن جاتا ہے۔

اناخلقنا الانسان من نطفۃٍ امشاج۔

(ہم نے انسان کو مرکب نطفے سے بنایا ہے)

پھر اس نطفہ کو رحمِ مادر میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں اس کی نشو و نما ہوتی رہتی ہے ثمّ جعلناہُ نطفۃً فی قرارٍ مّکینٍ اور پھر اس کی تولید کا سلسلہ رحمِ مادر سے جاری کر دیا۔ رحم مادر کے تاریک مقام پر خدا تعالیٰ نے ایسی ایسی صورتیں تیار کیں کہ جن کے حسن کا جواب نہیں رکھتا پھر یہ کہ ایک تصویر دوسری سے نہیں ملتی (سائنسدان کہتے ہیں کہ رحمِ مادر میں ایک دفعہ یہ نطفہ چارپائے کی شکل اختیار کر جاتا ہے) ممکن تھا کہ وُہ کسی اور جانور کی شکل اختیار کر کے باہر آ جاتا مگر فرمایا:

ھوالّذی یصوّرکم فی الارحام۔ رحموں میں تصویر کشی قدرت کا کام ہے اس سے معاملہ آگے پہنچا تو یہ نظر آیا کہ نطفہ سے قدرت نے خون بستہ پیدا کر دیا ثمّ خلقنا النّطفۃ علقۃً

اور خون بستہ سے لوتھڑا پیدا کر دیا فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً اور گوشت کے لوتھڑے سے ہڈیاں بنا دیں فخلقنا المضغة عظاماً پھر ہڈیوں پر چمڑا چڑھا دیا فکسونا العظام لحماً پھر یہ کیا کہ اس سے ایک اور چیز پیدا کر دی ثُمَّ انشأناہ خلقاً آخر یعنی رُوح پیدا کر دی۔ اس رُوح سے مراد روح حیوانی ہے قبل ازیں (ابتدا میں بھی) ایک حیات تھی جسے ہم روح جمادی سے تعبیر کریں گے پھر اس میں رُوح نباتی داخل ہو جاتی ہے جس سے جنین بڑھنے لگتا ہے پھر پانچویں یا چھٹے ماہ رُوح حیوانی پیدا کر دی جاتی ہے تو جنین حرکت کرنے لگ جاتا ہے جب ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو تار نفس کے ذریعہ اس کے اندر انسانی رُوح داخل کر دی جاتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اسے نسمہ کے نام سے موسوم کیا ہے یعنی روح ہوائی (نسمہ) درمیانی کڑی ہے جو رُوح حیوانی اور رُوح انسانی کے درمیان ربط قائم رکھے ہوئے ہے۔ اس روحِ الٰہی کا ایک رُخ تو جسم کی طرف ہوتا ہے اور ایک رُخ روحِ الٰہی یا عالمِ قدس کی طرف ہوتا ہے۔

رُوح کی حقیقت وماہیت

دنیا کی ہر چیز میں رُوح موجود ہے خواہ وہ جمادات، نباتات، حیوانات ہیں ہو لیکن رُوح انسانی، رُوح ملکوتی اور رُوح حیوانی اور رُوح نباتی اور رُوح جمادی میں مدارج اور مراتب کے لحاظ سے فرق ہے۔ انسان کا جسم ٹھوس، مائع اور جامد مادی اشیاء کا مجموعہ ہے انسان میں ان مادی اشیاء کے علاوہ کوئی اور چیز موجود ہے جسے ہم رُوح کہتے ہیں۔ یہ عالم امر کی چیز ہے اور خدا تعالیٰ کے حکم سے جسم پر فائز ہوتی ہے۔

رُوح حیوانی حیوانات کا مبدء حیات ہے اسی رُوح سے حیوانات کی زندگی وابستہ ہے۔ رُوح کی مفارقت سے حیوانات مُردہ سمجھے جاتے ہیں اس کے بعد جب غور و تدبر کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جسم میں مختلف قسم کے اخلاط سے قلب کے اندر لطیف ابخرات پیدا ہوتے ہیں جو مختلف قوتوں یعنی قوت حاسہ، قوت محرکہ، قوتِ مدبرہ وغیرہ کو ان کی مناسب غذا کے لیے ابھارتے رہتے ہیں اور احکام طب درحقیقت انہی پر جاری رہتے ہیں اور تجربہ بتلاتا ہے کہ ان ابخرات کے مختلف حالات ہوتے ہیں اور مختلف حالات کے مختلف تاثرات ہُوا کرتے ہیں۔ ابخرات کی

رقت و غلظت اور صفائی و کدورت کو ان کے قویٰ کے افعال میں خاص اثر اور دخل ہے اگر عضو پر یا ان ابخرات کی تولید پر کوئی آفت آتی ہے تو یہ ابخرات فاسد ہو جاتے ہیں اور اس کے تمام افعال اور تاثرات پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ انہی ابخرات کی مناسب تکوین سے زندگی وابستہ ہے اور انہی کی پراگندگی سے موت واقع ہوتی ہے۔ ظاہری طور پر اسی کو لوگ رُوح سمجھتے ہیں حالانکہ یہ رُوح کا ادنیٰ درجہ ہے اور جسم کے اندر یہ رُوح ایسی ہُوا کرتی ہے جیسے گلاب کے پھول میں پانی یا کوئلہ کے اندر آگ لیکن جب مزید غور و تدبر کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ مذکورہ رُوح اصلی اور حقیقی رُوح کے لیے سواری ہے اور اسی رُوح کے ذریعہ حقیقی رُوح جسم سے تعلق و ربط قائم کیے ہوئے ہے۔ صحیح وجدان کے ذریعہ یہ ثابت ہو چکی ہے کہ نسمہ (روح ہوائی) سے روحِ قدسی کی علیحدگی کا نام موت نہیں ہے بلکہ موت نام ہے نسمہ (روح ہوائی) کا جسم سے جُدا ہونے کا۔ چنانچہ جب کسی موذی مرض کی وجہ سے نسمہ (روح ہوائی) تحلیل ہو کر کمزور ہو جاتی ہے اور تحلیل کی ایک حد ہوتی ہے اس کے بعد اس کی تحلیل ممکن ہی نہیں ہوتی تو یہ روح حقیقی اس سے جُدا ہو جاتی ہے۔ اسی روح کے متعلق جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تو باری تعالیٰ نے فرمایا کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کہہ دو کہ روح میرے رب کے عالم امر کی چیز ہے لفظ من سے ارشاد کرنا صاف اس امر پر دال ہے کہ روح عالم امر میں سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ خبردار عالم خلق اور عالم امر دونوں اسی کے ہیں۔ عالم امر اسے کہتے ہیں جس کا اندازہ اور مقدار نہ ہو غرضیکہ روح انسانی جس کو امور اخروی اور حقائق عقلی کا ادراک ہے اور جس کی اصلاح سے قربِ خداوندی حاصل ہوتا ہے اور جو مخاطب اور معاتب ہے جس کو عقل و قلب یعنی لطیفۂ ربانی اور نفس ناطقہ و حقیقت انسانی بھی کہتے ہیں جس کا تزکیہ موجب فلاح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰاهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا یعنی قسم ہے نفس کی اور اس کی ذات کی جس نے اُسے درست کیا پس اس کے اندر نیکی و بدی کا الہام کر دیا تحقیق اس نے فلاح پائی جس نے اسے پاک کیا اور وہ خراب ہُوا جس نے اسے ناپاک کیا اسے روح حیوانی کی ترقی یافتہ شکل و صورت نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ روح

حیوانی کو امور اخروی اور حقائق عقلی کا ادراک حاصل نہیں اور نہ اسے قوت نفسانی یا نباتی یا کسی اور عرض کا نام دے سکتے ہیں کیونکہ عرض مدرک نہیں ہوتی بلکہ اس کی تعریف یُوں کریں گے کہ یہ ایک جوہر غیر منقسم ہے جو بواسطۂ روح حیوانی مدبر بدن و حافظ ترکیب بدن ہے مکان اور جہت سے پاک نہ بدن میں داخل نہ خارج نہ متصل نہ منفصل۔

حکمائے مشائیین اور اشراقیین کا یہی عقیدہ ہے اور اہل تحقیق مثلاً ابوزید وبوسی و امام راغب اور امام غزالیؒ وغیرہ تمام اہل سنّت و جماعت کا یہی قول ہے اور معمر معتزلی اور ایک فرقہ امامیہ اسی کا قائل ہے اور محققین صوفیہ کرام کا یہی عقیدہ ہے اور کامل افراد صوفیہ کا مشاہدہ بھی اسی کی طرف منتہی ہوتا ہے اور بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ رُوح خدا تعالیٰ کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے یہ صریح باطل ہے کیونکہ خدا تعالیٰ مرکب اجزائے نہیں ہے کہ ایک جز یعنی رُوح اس سے الگ ہو کر بدن انسانی سے متعلق ہو گئی ہو نیز بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ رُوح صفت جسم کی نہیں بلکہ ذات باری تعالیٰ کی صفت ہے ارباب عقل پر مخفی نہیں کہ زید کو ایک چیز کا علم ہوتا ہے اور عمرو کو اس کا جہل، پس اگر روح مدرک صفت خداوندی ہوتی تو جہل کا نقص صفت باری تعالیٰ میں لازم آتا ہے جو محال ہے۔

روح کے متعلق موجودہ سائنس کا نظریہ غلط ہے

سائنسی اعتبار سے روح حیات کی ایک ترقی پذیر شکل کا نام ہے اور وہ بذاتہٖ کوئی جداگانہ ہستی نہیں ہے بلکہ حیات کی ارتقاء پذیر شکل کا نام ہے۔ سائنس اور حیاتیات کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جسم اور رُوح کی دوئی کا نظریہ جدید سائنس کی روشنی میں صحیح نہیں ہے۔

یہی وُہ نظریہ ہے کہ اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو حیات بعد الممات کا انکار کرنا پڑے گا کیونکہ جب یہ حیات ختم ہو جائے گی تو رُوح بھی فنا ہو جائے گی تو جنّت و دوزخ، حساب کتاب، حشر و نشر اور دار جزاء آخرت کی ساری عمارت دھڑام سے گر جائے گی اور پھر اس کا اثر دُور تک جا پہنچے گا کہ جب دار آخرت ہی نہیں جہاں نیکی کی جزاء اور بُرائی کی سزا ملے گی تو پھر قانونِ خداوندی کی پابندی کیونکر برداشت کریں اور پھر اس خدا ہی کو کیونکر مانیں کیونکہ اس کے ماننے

سے کیا فائدہ اور اس کے انکار سے کیا نقصان ہوگا ؛

غرضیکہ دہریت کی اساس اسی عقیدہ پر ہے کہ رُوح اور جسم دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں لیکن ہمارا ایمان بھی ہے اور ہمارا مشاہدہ اور تجربہ بھی یہی ہے کہ حیوان اور انسان کی مابہ الامتیاز چیز یہی ہے۔ حیوان خود شناسی اور خود شعوری کے وصف سے محروم ہے اور انسان کا شعور خود شناس ہے ایسے خود شناس شعور کے وجود کا انحصار جسم پر نہیں ہوتا بلکہ اس کی زندگی جسم سے الگ تھلگ اور بے نیاز ہوتی ہے۔ اسی خود شعور یا خود شناس شعور کو ہم انسانی شخصیت یا روح کا نام دیتے ہیں اور یہ صرف انسان کا خاصہ ہے حیوان فقط جانتا محسوس کرتا اور سوچتا ہے لیکن انسان جب جانتا محسوس کرتا اور سوچتا ہے تو وُہ جانتا بھی ہے کہ وہ جانتا محسوس کرتا اور سوچتا ہے اس حقیقت کو ہم مختصر الفاظ میں یُوں ظاہر کرتے ہیں کہ حیوان فقط باشعور ہے اور انسان خود شعور بھی ہے اور اسی خود شعوری کی وجہ سے انسان اپنے وجود کا، اپنی انا کا، اس کی وحدت کا اور اس کے تسلسل کا احساس کرتا ہے، اگر ایک انسان زید سو سال تک بھی زندہ رہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ وہی زید ہے جو چار سال کی عمر میں تھا اس کے حافظہ میں اس کی زندگی کے تمام چھوٹے بڑے واقعات جن سے پُورا ایک دفتر بن سکتا ہے محفوظ ہوتے ہیں۔ اگر وُہ کچھ واقعات بُھول بھی جائے تو پھر بھی وُہ اس کے لاشعور میں محفوظ رہتے ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک تحلیلی ذہن کا ماہر اس پر ہپناٹک نیند طاری کرکے ان کی پوری تفصیلات اس کے مُنہ سے کہلوا سکتا ہے اور بیداری کے وقت اس سے اقرار کروا سکتا ہے کہ وہ فی الواقع ظہور پذیر ہُوئے تھے۔

اعمال کا نہ مٹنے والا ریکارڈ

آج ماہرین تحلیل نفسی کے تجربات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ انسان کا کوئی چھوٹا یا بڑا عمل ایسا نہیں ہوتا جو مٹ جائے بلکہ ہر عمل کا ریکارڈ اس کے لاشعور کے اندر ہمیشہ موجود رہتا ہے واقعات کا یہ حیرت انگیز نہ مٹنے والا ریکارڈ انسان کے جسم کے اندر کہاں رہتا ہے؛ کہیں بھی نہیں، اس کا جسم سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق انسان کی خود شعوری سے ہے جو جسم سے الگ تھلگ اپنی زندگی بسر کرتی ہے اگرچہ جسم پر حکمرانی کرتی ہے اور اپنے مقاصد کے لیے اسے

بطور ایک آلہ کے استعمال کرتی ہے۔ اگر اس کا تعلق جسم سے ہوتا تو ہر تین سال کے بعد یہ فنا ہو جاتا اور انسان کی زندگی کا تسلسل ٹوٹ جاتا کیونکہ یہ امر مسلم ہے کہ کم و بیش ہر تین سال کے بعد دماغ کے تمام مادی ذرات مٹ کر نئے مادی ذرات کے لیے جگہ خالی کر دیتے ہیں چار سال کی عمر سے لے کر سو سال کی عمر تک یہ عمل بتیس ۳۲ دفعہ ہو چکتا ہے نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ شخصیت یا خود شعوری جسم سے بے نیاز ہو کر اپنے وظائف ادا کرتی ہے اور اپنی زندگی قائم رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ روح جسم کی موت سے نہیں مرتی دماغ اور جسم اس کے آلات ہیں جن کی مدد سے وہ اس دنیا میں اپنا کام کرتی ہے اور اپنے اعمال، افعال اور اپنے تجربات کو ترتیب دیتی ہے اس میں شک نہیں کہ اگر دماغ کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو رُوح اپنے وظائف ٹھیک طرح سے یا پُوری طرح سے ادا نہیں کر سکتی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ خود شعوری اور دماغ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یا ایک دُوسرے کے متوازی ہیں کیونکہ جیسا کہ نفسیات دیوانگی کی تازہ تحقیقات سے ظاہر ہے دماغ کے مختل ہونے کے بعد بھی شخصیت لاشعور میں موجود رہتی ہے۔ اس کا مطلب فقط یہ ہے کہ انا کا آلہ شکستہ ہو جانے کی وجہ سے اس کا شعور دنیا میں کام نہیں دے رہا لیکن جب دماغ اور جسم خودی کے آلات کے طور پر صحت مند ہوں تو ان آلات کی مدد سے ہر تجربہ جو خودی کو حاصل ہوتا ہے اور ہر فعل جو اس سے سرزد ہوتا ہے دماغ اور جسم کی وساطت کے بغیر خودی کا جزو بن جاتا ہے اور پھر ہمیشہ بنا رہتا ہے اور جسم کے مر جانے سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ جسم کی زندگی میں بھی یہ تجربہ یا فعل جسم کا نہیں بلکہ انا کا حصہ تھا اور یہ خودی جسم کی زندگی میں اگرچہ جسم کو کام میں لاتی تھی تاہم جسم سے بے نیاز ہو کر اپنی زندگی کو قائم کیے ہوئے تھی۔

انسان اور حیوان کی زندگی

بعض وقت یہ سوال کیا جاتا ہے کہ آیا حیوانات بھی مرنے کے بعد زندہ رہیں گے اور اُن کے اعمال کا بھی محاسبہ ہو گا یہ سوال درحقیقت زندگی اور محاسبۂ اعمال کے متعلق ایک غلط فہمی پر مبنی ہے لہٰذا بعد از مرگ زندگی فقط خود شعوری کے لیے ممکن ہے کیونکہ یہی خود شعوری ہے جو جسم کی زندگی میں بھی جسم سے الگ رہ کر اپنی زندگی بسر کرتی ہے اور یہی خود شعوری ہے جو آزاد اور

با اختصار فیصلوں کی قوت رکھتی ہے یا جس میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ ان فیصلوں سے ظہور پذیر ہونیوالے اعمال کو لاشعور کا جزو بنا کر یہاں تک محفوظ رکھے کہ وہ بعد از مرگ بھی اسی حالت میں رہیں حیوانات چونکہ خود شعور نہیں وہ اپنے فیصلوں اور کاموں میں آزاد نہیں بلکہ اپنی جبلتوں کے شکنجہ میں جکڑے ہوئے ہیں اور چونکہ وہ خود شعور نہیں ان کے بعد از مرگ زندہ رہنے اور اپنے اعمال کو محفوظ رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور محاسبۂ اعمال تو بعد کی چیز ہے۔

حیات بعد الممات کا علم سائنس کے پاس نہیں ہے

ارسطو نے واضح طور پر کہا ہے کہ جسم انعامی کے مرجانے کے بعد رُوح کے زندہ رہنے کا دعویٰ ناقابل قبول ہے[1]۔ ارسطو کی یہ رائے دراصل جواب تھا فیثا غورث کے مقلدین اور افلاطون کا جو تناسخ ارواح یعنی رُوح کے ایک جسم سے نکل کر دُوسرے اجسام میں منتقل ہوتے رہنے کے قائل تھے ارسطو کو آپ جدید سائنس کا بانی کہہ سکتے ہیں اور اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سائنس نے رُوح کے بعد الموت زندہ رہنے کے سلسلہ میں جو رائے دی تھی وُہ یہی تھی انیسویں صدی تک سائنس کسی نہ کسی حد تک اس رائے پر قائم رہی مگر پے در پے تجربات کے بعد سائنسی دائرہ فکر کو محدود کرنا پڑا اور آخر نتیجہ یہ نکلا کہ پروفیسر برٹنڈرسل نے اپنی کتاب تاریخ فلسفۂ مغرب میں لکھا کہ سائنس جن سوالات کا اثبات یا نفی میں جواب دینے سے قاصر ہے ان میں حیات بعد الممات کا سوال بھی شامل ہے اس طرح آج جو صورت ہے وُہ یہ ہے کہ سائنس نے اس نوع کے مباحث کو اپنے دائرہ فکر و نظر سے خارج کر دیا ہے اس لیے سائنس سے اس سوال کا جواب معلوم نہیں ہو سکتا۔

سائنس اور مذہب

جب سائنس کا سارا زور مشاہدات اور محسوسات پر ختم ہو جاتا ہے تو خود اندازہ کریں کہ

---

[1] مابعد الطبیعیات ارسطو ج ۱۲ ترجمہ روز

جن سوالات پر مذہب کی بنیاد قائم ہے مثلاً عالم کا نقطۂ آغاز کیا ہے؛ جیسا کہ ہکسلے نے کہا تھا کہ سائنس کا قدم آغاز اشیاء کی جانب چند قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا تو پھر آخری نقطہ تک اس کی رسائی کیونکر ہو سکتی ہے پس سچ یہ ہے کہ سائنس جہاں اپنی تحقیقات ختم کر دیتی ہے مذہب وہیں سے اپنا درس شروع کر دیتا ہے سائنس صرف عالم شہادت (عالم محسوس) کے چند واقعاتِ محسوسہ کو کلیات کی شکل میں پیش کر کے اپنے بازو ڈال دیتی ہے محسوسات سے آگے قدم رکھتے ہی اس پر رعشہ طاری ہو جاتا ہے وُہ کچھ نہیں کہہ سکتی کہ آگے کیا ہے اور مذہب انسان کا یہیں سے ہاتھ پکڑ لیتا ہے اور غیب (عالم غیر محسوس) کے سارے اسرار کو اس کے سامنے بے نقاب کرتا چلا جاتا ہے۔ سائنس کچھ نہیں بتا سکتی کہ دنیا کی ابتدا کیونکر ہوئی؛ مذہب آتا ہے اور اس حقیقت سے پردہ اٹھا دیتا ہے۔ انسان مرنے کے بعد کہاں جاتا ہے اور اس پر کیا گزرتی ہے؛ سائنس اس کے جواب سے عاجز ہے اور مذہب اس کی تفصیل پیش کرتا ہے دنیا کا آخری انجام کیا ہوگا؟ سائنس متحیر ہے کہ اس کا کیا جواب دے مذہب آتا ہے اور اس حیرت کو مٹا دیتا ہے۔

سائنس یہ تو بتاتی ہے کہ عالم کس کے لیے ہے لیکن خود انسان کس لیے ہے اس مقصد کو متعین کرنے سے وُہ عاجز ہے مذہب آتا ہے اور اس مسئلہ کو بھی صاف کر دیتا ہے الغرض مذہب کا جس عالم سے تعلق ہے سائنس کی ہدایات کا چراغ اس کی حدود تک پہنچتے ہی گل ہو جاتا ہے۔

سائنس اور مذہب بالکل دُو جداگانہ چیزیں ہیں نہ ان دونوں میں اختلاف ہے نہ ہو سکتا ہے ہم سائنس کے ذریعہ آسمان کے تاروں کو گن سکتے ہیں، آفتاب کو ناپ سکتے ہیں، ہوا کو تول سکتے ہیں سمندر کو خشک کر کے بادل بنا کر پانی برسا سکتے ہیں بلکہ ممکن ہے کہ آئندہ مردوں کو زندہ کرنے کی تدبیر بھی معلوم ہو جائے جیسا کہ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "احیاءِ موتیٰ" مُردے کو زندہ کرنے پر بھی آدمی قادر ہو جائے گا بلکہ زندہ کرے گا۔ دُوسرے لفظوں میں اس کو یُوں بھی ادا کر سکتے ہیں کہ "انسان زندگی کے قانون سے بھی واقف ہو جائے گا" اور سائنس والوں کا بھی بیان ہے کہ ہم نے "تخمِ حیات" (پروٹوپلازم) کا پتہ چلا لیا ہے۔ کیمیا والے کہتے ہیں کہ تخمِ حیات کاربن، آکسیجن، نائیٹروجن کی باہمی ترکیب سے تیار ہوتا ہے، تو سائنس یہ سب کچھ کر سکتی ہے اور ہم منتظر ہیں کہ وُہ ایسا کرے کیونکہ ہمارے بہت سے ایمانی دعووں کی توثیق انہی انکشافات پر

موقوف ہے لیکن بااین ہمہ مذہبی سوالات کے حل میں سائنس اسی طرح عاجز رہے گی جس طرح پہلے تھی اور اس وقت تک ہے۔ فرض کیجئے کہ کیمیائی عناصر کی ترکیب سے ہم نے زندگی کو پیدا بھی کر لیا تو اس سے یہ مسئلہ کہاں حل ہوا کہ ان عناصر کی ترکیب سے زندگی کیوں پیدا ہو جاتی ہے ٹھیک اس کی مثال ایسی ہے کہ زندگی کا راز کسی زمانہ میں یُوں حل کیا گیا تھا کہ نر و مادہ کے باہمی اختلاط کا نتیجہ ہے لیکن اس وقت بھی یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس اختلاط سے یہ نتیجہ کیوں پیدا ہوتا ہے اب بھی یہ سوال اسی طرح باقی رہے گا کہ کاربن، آکسیجن، ہائیڈروجن، نائیٹروجن کی باہمی ترکیب سے زندگی کیوں پیدا ہو جاتی ہے؟ کیا جو شخص اس سے واقف ہے کہ تخم کو مٹی میں ملانے اور پانی دینے سے پودا پیدا ہو جاتا ہے کیا اس نے اس سوال کو حل کر لیا کہ پودا کیوں کر پیدا ہوتا ہے؟

انسان اور رحمان

دنیا نے اس پر بہت سوچ بچار کیا ہے اور اپنے عقلی گھوڑے دوڑائے ہیں کہ انسان کی ابتداء کیسے ہُوئی؟ چنانچہ ان میں نظریۂ ارتقاء پر جو تحقیقات کی گئی ہیں وُہ غلط ثابت ہوئیں ڈارون جو ارتقائی مدارج تحریر کرتا ہے اس میں اس نے ثابت کیا ہے کہ اس دنیا میں سب سے پہلے بن مانس تھے جو ارتقاء کی صورت میں انسان بن گئے مغربی مفکرین نے اسے خود ہی غلط ثابت کیا ہے اور تحقیق سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ تقریباً اڑھائی لاکھ سال سے انسان کی وضع قطع میں کوئی تبدیلی نہیں ہُوئی۔ علم الابدان اور حیاتیات کے ماہرین نے آخر کار یہ مان لیا کہ ہماری عقلیں انسان کے ابتدائی مرحلہ تک نہیں پہنچ سکتیں، تو پھر ہمیں مذہب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ چنانچہ بائیبل اور قرآن کریم نے انسان کی ابتدا بتادی ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

(۱) قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (سورہ یٰسین)	(کہہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے)
(۲) اَلَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝	اور جس نے جو چیز بنائی اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔

(۳) ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـئِدَةَ۔ (سورہ سجدہ)

پھر اس کو درست کیا اور پھر اس میں روح پھونکی اور تمہارے کان اور آنکھ اور دل بنائے۔

(۴) وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔ (سورہ بقر)

اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں۔

"پھر خدا نے کہا کہ ہم انسانوں کو اپنی صورت پر اور اپنی شبیہ کی مانند بنائیں اور وہ سمندر کی مچھلیوں اور آسمان کے پرندوں اور چوپاؤں اور تمام زمین پر اور سب جانداروں پر جو زمین پر رینگتے ہیں اختیار رکھیں اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا" (باب پیدائش) بائبل

انسان بڑا ذی شان ہے مگر ہوا، پانی، خوراک اور پوشاک کا محتاج ہے، مکان کا محتاج ہے، اسے بھوک لگتی ہے، پیاس لگتی ہے، وہ آب و غذا کی تلاش کرتا ہے، اسے گرمی اور سردی ستاتی ہے اس لیے وہ ان اسباب کی تلاش کرتا ہے کہ جن کی مدد سے اسے گرمی اور سردی میں آرام ہو وہ دیکھتا ہے کہ زمین سے اسے یہ چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں اگر سورج نہ ہو تو زمین بیکار ہے سورج زمین سے نو کروڑ تیائیس لاکھ میل کے فاصلہ پر ہے سورج کی روشنی زمین تک کم و بیش آٹھ منٹ میں پہنچتی ہے۔ علم ہیئت والے بتاتے ہیں کہ قطب شمالی کے ستارے کی روشنی زمین تک پہنچنے میں دس ہزار برس لگتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زمین سے یہ ستارہ اتنے فاصلے پر ہے کہ گنا نہیں جا سکتا۔ عام حساب یہ لگایا گیا ہے کہ وہ زمین سے قریباً ۹۲،۰۰۰۰×۶۵۹۰۰۰۰۰ میل ہوگا۔ اس کے بعد معلوم نہیں ماننا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ کہا ہے کہ اپنے ان لشکروں کو اللہ ہی جانتا ہے لَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ بالکل صحیح ہے سورج کا حجم زمین کے حجم کا بارہ لاکھ گنا ہے اور جتنا سورج ایک ریت کے ذرے سے بڑا ہے کہکشاں کے ثوابت و سیارہ کا مجموعہ سورج سے اس کی بہ نسبت بہت زیادہ بڑا ہے۔ اس کہکشاں میں اربوں ثوابت و سیارے ہیں۔ ایک طرف یہ حال ہے

دوسری جانب یہ حقیقت ہے کہ سُوئی کی نوک پر جتنا قطرہ اُٹھ آتا ہے اس ننھے مُنّے قطرے میں اتنے ہی چھوٹے چھوٹے کیڑے موجود ہیں جتنے کرہ زمین پر آدمی ہیں یعنی اربوں۔ علم والے کہتے ہیں کہ ان تمام بڑوں اور چھوٹوں کے موجود ہونے، نشوونما پانے، بڑھنے گھٹنے کا طریقہ ایک ہی ہے سب کے سب ایک نظام میں جکڑے ہوئے ہیں، سب ایک ہی مقصد کو پُورا کر رہے ہیں، سب ایک ہی قانون کے تابع ہیں، یہ قانون کس کا ہے؟ ان کے پیدا کرنے اور ان پر تصرف قائم کرنے پر کون قدرت رکھتا ہے؟ قرآن بتاتا ہے:

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَ هُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ — برکت والا ہے وہ جس کے قبضۂ قدرت میں اختیار ہے جو ہر شے پر قادر ہے۔

انسان حیران ہیں کہ یہ کہاں سے ہیں؟ کب سے ہیں؟ وُہ خود کیا ہے؟ کب سے ہے؟ کس سے ہے؟ کیوں ہے؟

آسمان اور زمین کی چیزیں مل کر انسان کی حاجتیں پُوری کر رہی ہیں ان میں سے کوئی بولتا نہیں مگر انسان بولتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب وُہ پیدا ہُوا اُسے کیونکر معلوم ہُوا کہ فلاں شے سورج ہے فلاں زمین ہے، وُہ پانی ہے، وُہ آگ ہے۔ ان چیزوں کے بغیر اس کا گزارہ نہیں اور ابتداء میں اسے ان کا پتہ کیوں کر ہوا آخر یہ آپ نے سنا ہی ہو گا کہ کبھی نہ کبھی انسان پیدا ہوا ہو گا کیا محض مرد پیدا ہُوئے تو ان کا آگے سلسلہ کیونکر چلا؟ اس نے کیونکر جانا کہ اس کے لیے عورت کا ہونا لابدی ہے؟ انہوں نے ایک دوسرے کو کیونکر پہچانا؟ ان پر یہ کیسے ظاہر ہُوا کہ وہ ایک دوسرے کے رفیقِ حیات ہیں؟ یہ کیا بات ہے کہ انگریز کا بچّہ پانی کو واٹر کہتا ہے، ایرانی آب، بھارتی جل، عربی ماء، اور پاکستانی پانی۔ کیا عرب، انگریز، بھارت، ایران اور پاکستان کے ذرّوں نے یہ الفاظ بتائے؟ کیا یہ الجھنیں سُلجھ سکتی ہیں؟ دراصل مسئلہ امر وہی ہے جس کی طرف قرآن عزیز نے اشارہ کیا ہے:

خَلَقَ الْإِنسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔ انسان کو اللہ نے پیدا کیا اور اسے بولنا اللہ نے سکھایا۔ اس نے واضح کیا کہ خدا نے ایک آدم بنایا اور اس کی جنس سے اس نے حوّا بنائی۔ ارشاد ہے: خَلَقَكُمْ مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (تمہیں ایک جان سے بنایا) وخلق منها زوجها (اور اس کی

رفیقۂ حیات کو اس کے مادہ سے بنایا) فرمایا۔ خدا نے آدم کو تمام ضروری چیزوں کے نام بتائے۔ عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا۔ (قرآن نے بتایا) زمین اور آسمان کا خالق وہی ہے ان گنت عالموں کا رب وہی ہے اور اس نے سب کے لیے ضروری سامان پیدا کیے اور سب کے لیے ضروری سامان پیدا کرتا رہتا ہے وہ رب العالمین ہے رحمان ہے رحیم ہے۔

قرآن نے واضح کیا کہ نظام کونی، نظام قمری اور نظام شمسی پر تصرف خدا کو ہے۔ یہ نظام اسی کا قائم کردہ ہے اور موت و حیات بھی اسی کے تصرف میں ہے اگر مادہ میں حیات ہے، مادہ حیات کا مرکز ہے تو وہ ممات کا مرکز نہیں ہو سکتا جب اس سے زندگی اُبھرتی ہے کیا اسی وقت ہی اس میں موت کی قدرت نہیں ہوتی؟ ظاہر ہُوا کہ یہ نظریہ ہی لغو ہے، خلافِ دانش ہے، ازلی، ابدی از خود زندہ اللہ ہی ہے وہی زندگی عطا کرتا ہے وہی دنیا سے اٹھا لیتا ہے وہی جنت میں حیاتِ ابدی عطا کرے گا۔

موت اور حیات

جب سے یہ دُنیا بنی ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی انسان کا دل نہیں چاہتا تھا کہ مرے مگر اس کے بغیر چارہ نہیں یہ زمانہ بڑے علم کا ہے زمین اور آسمان کے قلابے ملائے جا رہے ہیں سب یہی کہتے ہیں کہ مرنا سب کو ہے سب چاہتے ہیں کہ زندہ رہیں سب کی کوشش ہے کہ زندہ رہیں، موت سے کسی کو مفر نہیں۔ آخر ایسا کیوں؟ عقل یہی کہتی ہے کہ موت اور حیات کسی ایسے کے قبضے میں ہے کہ جو مر نہیں سکتا بلکہ زندہ ہے، زندہ تھا اور زندہ رہے گا، سمجھ میں نہیں آتا کہ وُہ کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ ان پر اللہ کی طرف سے کتاب نازل ہُوئی اس کا نام قرآن ہے اس میں لکھا ہے: تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ بڑی برکت والی ہے وُہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں ملک ہے وھو علیٰ کل شیٍ قدیر وُہ اپنی ہر چاہی ہُوئی شے پر قادر ہے خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ اس نے ہی موت کو پیدا کیا اس نے ہی زندگی کو زندگی بخشی۔ (پارہ ۲۹)

رُوح کی پہچان

خدا نظر نہیں آتا ہم اُسے دیکھ نہیں سکتے مگر ہمارا ایمان ہے، عقیدہ ہے اور یقین ہے کہ وہ ضرور موجود ہے کیسے پہچانا، اس کی قدرتوں، طاقتوں اور کائنات کے ہر منظم و مربوط انتظام سے ہمیں اس کی شکل وصورت معلوم نہیں، ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وُہ کب سے ہے اور اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے لیکن ہمیں اس کے ہونے پر مکمل ایمان ویقین ہے اسی طرح رُوح کی اگر صحیح حقیقت وماہیت سے ہم اگر پُوری واقفیت حاصل نہ بھی کرسکیں اور اس کی ابتداء و انتہاء ہماری نظروں سے اوجھل بھی رہے تب بھی ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ ہمارے اندر ایک ایسی مخفی قوت وطاقت موجود ہے جوذی شعور ہے ہمارے جسم کی چھوٹی سی کائنات اس کے زیرِ تصرف ہے وُہ مدبّرِ بدن ہے اور محافظ بھی وُہ بے شمار فوتوں کا خزانہ ہے اگر اس کی صحیح طاقت کو حاصل کرلیں تو اس سے بے شمار عجائب وغرائب ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ وہ جسم لطیف میں پرواز کرتا ہے۔

۲۔ وُہ اثیر سے ارواح کو بلا سکتا ہے۔

۳۔ وُہ صرف توجہ سے بعض امراض کو دُور کرسکتا ہے۔

۴۔ کسی ظاہری سلسلے کے بغیر وُہ اپنا پیغام دُوسروں تک پہنچا سکتا ہے۔

۵۔ وہ غیبی آوازیں سُن سکتا ہے۔

۶۔ وُہ حدِ نظر سے پرے دیکھ سکتا ہے۔

۷۔ اور بعض آنے والے واقعات کی خبر دے سکتا ہے۔

۸۔ وہ ہر شکل میں متشکل ہو کر کائنات میں اپنی قوت سے تاثیر کرتا ہے۔

۹۔ وہ اپنے پیارے دوستوں کی مدد کرتا ہے اور دشمنوں کی سرزنش۔

۱۰۔ وہ موت کے بعد بھی مکمّل طور پر اپنی خداداد قوتوں کا مظاہرہ کرتا ہے بلکہ دنیوی زندگی سے برزخی زندگی میں اور زیادہ قوی ہوجاتا ہے۔

اگر رُوح کے سمجھنے میں یا اس کی حقیقت وماہیت معلوم کرنے میں ہم قاصر بھی رہ جائیں

تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہم نے تو اس سے کام لینا ہے اور اس کی خداداد قوتوں سے فائدہ اٹھانا ہے خواہ وہ کچھ بھی ہو جیسا کہ ایک ماہر طبیب آپ کو معجون تیار کر کے دیتا ہے آپ کو اس کے اجزاء کا علم نہیں کہ وہ کس کس دوا سے مرکب ہے۔ اس عدم علم کا اس کی تاثیر پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ آپ کھائیں تو آپ کی بیماری دُور ہو جائے گی آپ مکمل شفایاب ہوں گے اور اگر آپ نے اس کے اجزائے ترکیبی کو معلوم کر لیا ہے تب بھی وہی اثر ہو گا۔ اور اگر آپ غلطی سے اسے ایسے اجزاء سے مرکب سمجھ بیٹھیں جو اس کے اجزائے ترکیبی کے سراسر منافی ہے تو اس غلط فہمی کی بنا پر اس کی تاثیر پر کوئی اثر نہیں پڑے گا بعینہٖ یُوں سمجھیں کہ آپ کی فہم و فراست رُوح کو سمجھنے میں کامیاب ہو گئی ہے تب بھی روح سے وہی کام لے سکتے ہیں جو اتفاق سے اس کے غلط سمجھنے میں لیں گے روح کی تاثیر روح کی قوت اور رُوح کے مرتبہ و مقام اور اس کی افادیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا لہٰذا بقول امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ یہ سمجھ لیں کہ رُوح نہ جسم ہے نہ عرض ہے بلکہ ایک جوہر ہے اور قائم بنفسہٖ ہے اور غیر منقسم ہے اور نہ وہ داخل نہ خارج نہ متصل نہ منفصل کیونکہ یہ صفات جسم کی ہیں اور رُوح کے لیے ان کی نفی ہے یا بقول علامہ ابن قیم یہ ایک جسم ہے جو ماہیت میں اس جسم محسوس سے الگ ہے اور وُہ ایک علوی، نورانی لطیف جسم ہے جو زندہ اور متحرک ہے اور جو ہر اعضاء میں ساری ہے جیسے گلاب میں عرق، زیتون میں روغن اور کوئلہ میں آگ ساری ہوتی ہے پھر جب تک ان اعضاء میں اس جسم لطیف سے پیدا شدہ آثار کی قبولیت کی صلاحیت رہتی ہے یہ جسم لطیف ان اعضاء میں گھسا رہتا ہے اور جب یہ اعضاء غلیظ اخلاط کے غلبہ کی وجہ سے خراب ہو جاتے ہیں اور رُوح کے آثار قبول کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں تو رُوح بدن سے جُدا ہو کر عالمِ ارواح میں چلی جاتی ہے۔

روح کی پہچان سے خدا کی پہچان

من عرف نفسہٗ فقد عرف ربّہٗ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو یا کسی بزرگ کا قول اس کے متعلق اپنی اپنی فہم و فراست کے مطابق صوفیاء کرام نے اس کی مختلف تشریحیں کی ہیں یہاں میں صرف ان چار تشریحات کو پیش کرتا ہوں جو میرے قلب پر منکشف ہوئیں[1]:

---

[1] مکشوفات

(۱) اپنے نفس کو پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اس بات پر غور کرے کہ انسان کس چیز کا نام ہے کیا بدن کا نام انسان ہے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ آدمی جب یہ کہتا ہے کہ میں ایسا ہوں یا میں یہ کرسکتا ہوں یا مَیں نے یہ کام کیا ہے اس سے اس کے بدن کا کوئی حصہ مراد نہیں ہوتا بلکہ دوسری چیز مراد ہوتی ہے جو اس بدن کے اندر حکومت کر رہی ہے چنانچہ آدمی پہلے کسی کام کا ارادہ کرتا ہے پھر بدن کو اس کام کے لیے حرکت دیتا ہے یہ ارادہ کرنے والا کون ہے؟ یقیناً بدن نہیں بلکہ دُوسری چیز ہے مضاف، مضاف الیہ میں اور مسند، مسند الیہ میں مغایرت ہوتی ہے مثلاً کوئی شخص کہے کہ یہ رومال میرا ہے، یہ پگڑی میری ہے، یہ قمیص میری ہے، یہ تہبند میرا ہے۔ معلوم ہُوا کہ رومال، پگڑی، قمیص، تہبند الگ شے ہے اور میں الگ ہے۔ یہ چیزیں سب میری ہیں تو میں مالک ہُوں اور یہ سب مملوک ہیں۔ یہ اشیاء مسند اور میں مسند الیہ ہُوں۔ یہ چیزیں مضاف اور میں مضاف الیہ۔ یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں ان دونوں میں کلی مغایرت ہے۔

اب ہم اَنا کی تلاش کریں کہ وہ کیا چیز ہے؛ کیا بدن مَیں کہہ رہا ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ ہم روزمرہ کہتے ہیں کہ سر میرا ہے، یہ منہ میرا ہے، یہ ہاتھ میرے ہیں، یہ پیٹ میرا ہے، یہ ران میری ہے، یہ پاؤں میرا ہے، یہ بدن میرا ہے غرضیکہ جسم کے ہر حصے کو ہم اَنا اور مَیں کی طرف منسوب کرتے ہیں معلوم ہوا کہ بدن الگ ہے اور مَیں الگ ہے یہ سب بدن اَنا کا ہے، مَیں کا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ اگر اس اَنا کا مصداق جسم نہیں تو کیا اَنا روحِ حیوانی کا نام ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ ہم روزمرہ یہ کہتے ہیں کہ میری روح کو آج بہت تکلیف ہے۔ عرب کا مقولہ ہے رُوحی فداك میری روح تم پر قربان ہے روح مضاف اور یائی مضاف الیہ، رُوح مسند اور یائے مسند الیہ۔ معلوم ہوا کہ رُوح الگ شے ہے اور مَیں الگ شے ہے کیونکہ مضاف، مضاف الیہ میں مغایرت ہوتی ہے اس سے ثابت ہُوا کہ یہ اَنا (میں) نہ بدن کا نام ہے نہ رُوح کا۔ اسی بات کو علامہ اقبالؒ ایک شعر میں یُوں بیان فرماتے ہیں: ؎

اگر نہ ہو تجھے اُلجھن تو کھول کر کہہ دُوں
وجودِ حضرتِ انسان نہ روح ہے نہ بدن

بلکہ یہ دونوں رُوح اور بدن مَیں کے ہیں۔ اب وُہ اَنا کیا شے ہے؟ یہی اَنا رُوحِ انسانی ہے۔

اسی کو صوفیائے کرام رُوحِ اعظم سے تعبیر کرتے ہیں اسی کو فلسفی نفس ناطقہ کا نام دیتے ہیں۔ اسی کو بعض لوگ عقل، خود شعوری یا خودی سے تعبیر کرتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس کی پہچان کو خدا کی پہچان کا ذریعہ کیونکر قرار دیا گیا ہے تو بات یہ ہے کہ یہی رُوح سوچتی ہے، غور و تدبر کرتی ہے، یہی رُوح بڑے بڑے حیرت انگیز کام سرانجام دیتی ہے اسی رُوح کے بدن سے متعلق ہونے کا نام زندگی ہے اگر یہ رُوح بدن سے الگ ہو جائے تو اس بدن میں اور بے جان پتھر میں کچھ فرق نہیں رہتا۔ اب انسان غور کرے کہ کیا وہ اپنی رُوح کی حقیقت و ماہیت سے واقف ہے؟ کیا اس نے کبھی اپنی رُوح کو دیکھا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؛ ؎

تن ز جان و جاں ز تن مستور نیست
لیک جاں را دیدن دستور نیست

حالاں کہ رُوح ہر وقت آپ کے پاس ہے اور آپ کی اپنی چیز ہے سب سے زیادہ قریب اور سب سے پیاری شے یہی رُوح ہے لیکن کیا نظر نہ آنے سے آپ اس کا انکار کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اسی پر قیاس کریں کہ اللہ تعالیٰ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے نحن اقرب الیہ من حبل الورید ہے۔ اسی سے ہماری زندگی ہے وہی ہمارا متصرف اور مدبّر ہے۔ وہی ہمارا خالق و مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا محبوب ہے اس سے پیاری شے کوئی نہیں لیکن نظر نہیں آتا تو کیا نظر نہ آنے سے ہم اس کا انکار کر دیں گے؟ ہرگز نہیں۔ تو رُوح کی پہچان سے خدا کی پہچان یوں ہوگی کہ جب رُوح کو بغیر دیکھے مانتے ہیں تو خدا کو بھی بغیر دیکھے ماننا ہوگا۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تو ایسی چیز کو مانوں گا جو آنکھوں سے یا حواس سے معلوم ہوتی ہو تو اس سے یہ کہا جائے گا کہ تم نے رُوح کے وجود کو کیسے مانا؟ کیا رُوح کو تُو نے آنکھوں سے دیکھا ہے یا حواس سے پہچانا ہے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ آنکھوں کی یا تیرے حواس کی وہاں تک رسائی نہیں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جسم کے اندر اس کے آثار موجود ہیں جن کا میں ہر وقت مشاہدہ کرتا ہوں جن کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح سمجھ لیں کہ یہ تمام عالم تغیر و انقلاب سے ایک دوسرے وجود کو بتا رہا ہے جو عالم میں تصرف و تدبیر کر رہا ہے کسی چیز میں بھی اپنا ذاتی وجود نہیں بلکہ کوئی اور طاقت کام کر رہی ہے لیکن وہ نظر نہیں آتا وہاں تک ہمارے حواس کی رسائی نہیں ہے۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اس عالم میں جب انسان خود اپنے رُوح کے دیدار سے محروم ہے تو خالق کے دیدار کی جرأت کیونکر کر سکتا ہے ؟ ہاں دیدارِ الٰہی کے لیے دوسری آنکھیں چاہئیں ۔ اسی طرح رُوح کو دیکھنے کے لیے بھی دوسری آنکھیں چاہئیں ۔

تو اب ہمارا نفس ہی خدا کی پہچان کی دلیل بن گیا ۔ من عرف نفسہ، فقد عرف ربہ، ۔

(۲) روح باقی ہے جسم فانی ہے جسم کا بقا روح سے ہے اگر رُوح نہ ہو تو جسم بے کار ہے نہ جسم میں حرکت ہوگی نہ نشوونما ، نہ اس کی خوب صورتی نہ کارکردگی ، تمام کیفیات وحالات کا ظہور اسی روح کے وجود پر موقوف ہے اسی طرح خدا تعالیٰ باقی ہے اور یہ عالم فانی ہے ۔ اس عالم کی بقا خدا تعالیٰ کے وجود سے ہے اگر خدا تعالیٰ نہ ہو تو یہ تمام عالم فنا ہو جائے ۔ خدا تعالیٰ اپنے وجود کی تجلّی سے ہر شئے کو وجود بخشتا ہے اگر وہ اپنی تجلّی روک لے تو ہر چیز فنا ہو جائے ، اور اسی طرح روح اگر تدبیر و تصرّف کا تعلق جسم سے توڑ لے تو جسم فنا ہو جائے گا ۔ اب اس سے ہمیں یہ بات سمجھ میں آگئی مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ ۔

(۳) ان دو امور سے یہ ثابت ہوگیا کہ رُوح جسم نہیں جسم سے الگ دوسری چیز ہے ۔ جسم اس کو کہتے ہیں جو دو جوہروں سے یا زیادہ سے مرکّب ہو چونکہ رُوح ایسا نہیں ہے لہٰذا جسم نہیں تو اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ روح فلسفیوں کی تعریف کے مطابق جوہر مجرد ہے ؟ رُوح جوہرِ مجرد بھی نہیں ہے کیونکہ تجرد صفاتِ خاصہ واجب الوجود ہے اس لحاظ سے رُوح کو جوہرِ مجرد بھی نہیں کہیں گے جب وہ جوہر اور جسم نہیں تو عرض ہونا یقیناً محال ہے کیونکہ اعراض کا وجود بغیر اجسام وجواہر کے نہیں ہو سکتا دُوسری بات یہ بھی ہے کہ رُوح جسم پر حاکم ہے اس میں تدبیر و تصرف کرتی ہے اور حاکم محکوم سے افضل ہونا چاہئے اور عرض جسم سے افضل نہیں بلکہ جسم سے کم تر ہے ۔

اب جبکہ رُوح نہ جسم ہے نہ جوہر ہے نہ عرض تو اس کا مرکب ہونا اور جسم کو چھُونا جسم سے قریب یا متصل یا منفصل ہونا بھی باطل ہوگیا کیونکہ یہ تمام صفات جسم کے لیے ہُوا کرتی ہیں جو چیز جسم نہ ہو وہ قرب وبعد ، اتصال وانفصال سے موصوف نہیں ہُوا کرتی ۔ اب اگر کبھی یُوں کہا جائے کہ زندگی میں رُوح بدن سے ملی ہُوئی ہے اور موت سے جُدا ہو جاتی ہے تو یہ کہنا اس طرح پر صحیح ہوگا کہ زندگی میں رُوح کی تدبیر اور تصرف بدن سے مِلا ہُوا ہے اور موت کے وقت رُوح کے

جُدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اعضاءِ جسمانی رُوح کی تدبیر و تصرف کو قبول نہیں کرتے یعنی بدن میں اس کی قابلیت نہیں رہتی۔

جب رُوح کا جسم ہونا عرض ہونا باطل ہو گیا تو عقلاً لازم ہے کہ جسم و جوہر و عرض کی تمام صفات اس سے منتفی اور الگ ہوں جیسے اوپر ہونا نیچے ہونا، کسی کے پاس ہونا یا متحرک و ساکن ہونا، ظاہر و مخفی ہونا، پیمائش یا مقدار سے موصوف ہونا، کیفیت اور مکان سے مقید ہونا ان کے علاوہ جس قدر اوصاف اجسام و جواہر کے لیے ثابت کیے جاتے ہیں وُہ رُوح کے لیے ثابت نہیں ہو سکتے اور اگر کسی وقت کوئی بات سمجھانے کے لیے ان اوصاف کو رُوح کے لیے بیان کیا جائے تو اس میں "تاویل کی ضرورت ہو گی۔ انسانی جسم عالم صغیر ہے اس میں تقریباً ہر وہ چیز پائی جاتی ہے جو عالم کبیر میں ہے۔ عالم صغیر میں رُوح مدبّر و متصرف بدن ہے۔ اس کا جو تعلق عالم صغیر سے ہے تقریباً وہی اللہ تعالیٰ کو اس عالم کبیر سے ہے۔ تمام عالم میں مدبّر و متصرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس عالم اجسام سے وہی نسبت ہے جو رُوح کو جسم انسانی سے ہے یعنی اللہ تعالےٰ نہ جسم ہے نہ جوہر نہ عرض، پھر باوجود اس کے شہ رگ سے زیادہ قریب ہے نحن اقرب الیہ من حبل الورید وُہ ہر شے کو گھیرے ہُوئے ہے وُہ وھو بکل شیءٍ محیط وہ ہر طرف موجود ہے اینما تولوا فثم وجہ اللہ وُہ ہر شے سے اوّل ہے اور ہر شے سے آخر ہے وُہ ہر شے سے ظاہر ہے اور ہر چیز کا باطن ہے ھو الاوّل والاٰخر والظاھر والباطن لیکن باوجود اس کے اس کا ہمارے ساتھ نہ اتصال ہے نہ انفصال نہ قرب ہے نہ بعد نہ وصال ہے نہ جُدائی نہ حلول ہے نہ انتقال نہ حرکت ہے نہ سکون۔ نہ چھونا ہے نہ پاس ہونا نہ جسم ہے نہ تصوّر نہ اثر قبول کرنا نہ تغیّر و تبدل، حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان تمام کیفیات و صفات سے منزّہ ہے اور وُہ ان تمام شکلوں اور صورتوں اور معنوں سے پاک اور وراء الوراء ہے نہ وہ ان میں چھپا ہوا ہے نہ ان سے ظاہر ہُوا، نہ کسی کا فکر اس تک پہنچا نہ کسی کی نظر نے اس کو گھیرا۔ گفتگو کا دائرہ اس کی حقیقت بیان کرنے سے قاصر ہے۔

لہٰذا ہم صحیح حقیقتِ حال سے واقف نہیں ہو سکتے صرف یہ کہیں گے کہ وُہ رب ہے ہم مربوب ہیں، وہ حاکم ہے ہم محکوم ہیں، وُہ مالک ہے ہم مملوک ہیں، ہم عابد ہیں وُہ معبود، وہی

ہمارا مقصود ہے محبوب ہے۔ رُوح کا جسم کے ساتھ جو تعلق ہے اس کی حقیقی کیفیت و ماہیت کو معلوم کرنے سے بھی ہم قاصر ہیں صرف اتنا کہیں گے کہ وُہ رُوح جسم کا مدبّر ہے۔ اسی سے جسم کی بقا ہے وہ رُوح حاکم ہے اور جسم محکوم وہ رُوح مالک ہے جسم مملوک وُہ رُوح جسم کو نہایت ہی محبوب اور پیاری ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ انسان پہلے اپنی ذات کی حقیقت اور اپنی صفات کی ماہیت اور ذات وصفات کے درمیانی تعلق کو سب سے پہلے معلوم کرے پھر خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کی حقیقت مجھلانے کی جُرأت کرے لیکن واقعہ یہ ہے کہ انسان کو اب تک خود اپنی حقیقت کی بھی خبر نہیں بقول جگر مراد آبادی ؎

واہ کمال آگہی ، ہائے اے پستیِ بشر
سارے جہاں کا جائزہ اپنے جہاں سے بیخبر

تو پھر ایسے عاجز وناقص کا کیا مُنہ کہ وُہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی حقیقت میں کلام کرے۔
من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ۔

(۴) صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ کائنات کے لیے ایک رُوح کلیہ ہے اور یہ رُوح کلیہ تمام جہان میں جاری وساری ہے اسی کو روح الارواح بھی کہتے ہیں۔ انسانی رُوح خلوت ، ریاضت اور عبادت کے ذریعہ بشری علائق سے آزاد ہو کر اپنے اصل عالم کے قریب ہو جاتی ہے اور وُہ عالم ملکوت اور عالمِ لاہُوت کی منازل کو طے کرتی ہُوئی غیب الغیب اور رُوح الارواح تک جا پہنچتی ہے۔ پھر سالک کی یہ رُوح اس روح کلیہ میں فنا اور وصل حاصل کرتی ہے پھر اس فنائیت کے بعد بقا حاصل کر کے عبدیت کے مقام پر واپس آجاتی ہے۔ اسی کا حدیث قدسی میں ذکر ہے :

"جب میرا بندہ نوافل (یعنی وہ امور جو اس پر فرض نہ تھے) کی ادائیگی سے میرے قریب ہو جاتا ہے تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوُں جس سے وہ سُنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہُوں جس سے وُہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وُہ پکڑتا ہے اور پاؤں ہو جاتا ہُوں جس سے وُہ چلتا ہے۔"

ریاضت ، عبادت اور مجاہدہ کا یہ ثمرہ ہے کہ وُہ رُوح اور قسم قسم کی خوارق عادت امور کا

اظہار کرتا ہے۔ وہ عالم غیب کی تمام چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے وُہ کئی شکلوں میں متشکل ہو کر کئی مقامات میں ایک ہی وقت میں حاضر ہو سکتا ہے وہ کائنات میں قوتِ روحانی سے ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے اور وہ ایسے ایسے عجائبات دکھاتا ہے کہ جس کے ادراک سے بڑی بڑی عقلیں قاصر ہو جاتی ہیں۔ وہ خلیفۃ اللہ فی الارض ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

نائب حق ہمچو جان عالم است
صورتِ او ظلّ اسم اعظم است
از رموز جزو و کل آگہ بود
در جہاں قائم بامر اللہ بود

اس قسم کے روحانی شخص کو اپنی رُوح کی حیرت انگیز طاقتوں اور باطنی فتح کو دیکھ کر خدا کی عظیم الشان طاقتوں اور غیبی فتوحات اور ما فوق البشر قوتوں کا مکمل یقین ہو جاتا ہے من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ۔ پھر اس رُوحِ کامل جو انسانِ کامل میں ہوتی ہے وُہ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کا مظہر کامل ہوتی ہے وُہ خدا تعالیٰ کے جلال و جمال، سطوت و کمال کا آئینہ ہوتی ہے اس انسان کامل کی قدرت، علم، شان و شوکت، حلم و کرم، رحمت و سخاوت کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی قدرت و علم اور شان و شوکت اور رحمت و سخاوت کا علم ہو جاتا ہے پھر وہ انسان کامل کہہ سکتا ہے من رانی فقد رای الحق (جس نے مجھے دیکھا گویا اس نے خدا کو دیکھ لیا) من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ پھر اس کا معنی یُوں ہوگا کہ جس نے نفسِ کامل اور رُوحِ مکمل اور انسانِ کامل کو دیکھ لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا کیونکہ وُہ رب تعالیٰ کی ذات و صفات کا مظہر ہوتا ہے اس کے کمالات خدا کے کمالات، اس کی طاقت خدا کی طاقت، اس کا علم خدا کے علم کا آئینہ ہوتا ہے جس میں اس کی ذات وصفات منعکس ہو رہی ہوتی ہیں۔ اس کا دیکھنا خدا کا دیکھنا ہوگا، اس کا پہچاننا خدا کا پہچاننا ہوگا۔

حقیقتِ رُوح کیا ہے؟

رُوح کی حقیقت اور ماہیت کا معلوم کرنا ایک مشکل اور دشوار مسئلہ ہے اسی لئے

بعض محققین نے اس کے سمجھنے سے اپنی کمزوری اور عاجزی کا اعتراف کر لیا خصوصاً جنہوں نے عالمِ ارواح پر غور و خوض کرنے اور اس پر بحث و تمحیص کرنے پر اپنے آپ کو محنت و مشقت اور جدّ و جہد میں نہیں ڈالا۔ اس عقدۂ لاینحل کی گرہ کشائی سے مایوس ہو کر اللہ تعالیٰ کے قول کی دلیل پیش کر دی قولہٗ تعالیٰ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (لوگ آپ سے روح کی نسبت سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ رُوح میرے اللہ کے امر سے ہے اور تمہیں تھوڑا علم دیا گیا ہے)

یہ لوگ اس آیت کو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھتے ہوئے اس بات پر قائم ہو گئے کہ رُوح کی حقیقت ماہیت میں غور و خوض نہ کیا جائے چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی حقیقت روح کے متعلق کوئی نص وارد نہیں ہوئی اس لیے اس پر غور و خوض کرنا مناسب نہیں وہ صرف اس اعتقاد پر قائم ہیں کہ قرآن و حدیث سے وجودِ رُوح کا پا لینا ہی کافی ہے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور اس کے مان لینے میں کوئی امر منافی عقل لازم نہیں آتا اور نہ اس کے غیر محسوس ہونے سے اس کا عدم لازم آتا ہے کیونکہ کئی ایک امور ایسے ہیں کہ وہ بذریعہ حواس محسوس نہیں ہوتے مگر ان کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

دہریہ اور مادہ پرست لوگوں کا خیال ہے کہ انسان صرف اس جسم عنصری کا نام ہے جو ایک خاص ترکیب اعضا اور نظام معین کے ساتھ قائم ہے اور طبعی طور پر اس کے قویٰ اور اعضاء خاص خاص اعمال سر انجام دیتے رہتے ہیں جس سے اس کا سلسلۂ زندگی قائم رہتا ہے اور اس سے زیادہ انسان کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ وہ خیال ہے جس سے نہ صرف انسان کا اشرف المخلوقات ہونا باطل ہو جاتا ہے بلکہ حکمتِ خداوندی کا بطلان لازم آتا ہے یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر یہ لوگ حقیقی اور صانعِ ازلی کے وجود کو معہ اس کی صفاتِ کاملہ کے تسلیم کر لیتے تو حقیقت روح کو تسلیم کرنے میں اُن کو مغالطہ نہ ہوتا۔

دو گروہ ایسے ہیں جو رُوح کی حقیقت کو ماہیت کو سمجھنے کے مدعی ہیں ایک گروہ سمجھنے میں کامیاب ہو چکا ہے اور دوسرا ابھی زیادہ کامیاب نہیں ہوا۔

ایک گروہ وہ ہے جو آسمانی کتابوں اور مذہب حقّہ کا پیروکار ہے جو انبیاء و مرسلین اور

صوفیائے کرام کے راستے پر چل کر عالمِ ارواح کی حقیقت کو پہنچا ہے۔

دوسرا گروہ وُہ ہے جس نے ناقص تصور اور محدود عقل کے ساتھ قدرے کھوج لگانے کی کوشش کی ہے اگرچہ یہ گروہ حقیقت تک نہیں پہنچ سکا لیکن پھر بھی انکار کرنے والے گروہ سے روح کو سمجھنے میں زیادہ کامیاب ہے جیسا کہ یورپ کے سپرچولسٹ (SPIRITUALISTS) وغیرہ۔

بڑے بڑے مفکرین، حکماء اور فلسفیوں نے اس کی تعریف کرنے میں بہت ٹھوکریں کھائی ہیں جن کا ذکر علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں کیا ہے لیکن جس تعریف کی علامہ ابن قیم نے تصدیق کی ہے وہ بھی غلط ہے کیونکہ وہ تعریف بھی روحِ حیوانی اور روحِ انسانی کی ملی جلی تعریف ہے اس میں حقیقت روحیہ کو خلط ملط کر دیا گیا ہے اس لیے کہ علامہ ابن قیم بھی صوفی نہیں ہیں کہ حقیقتِ حال سے آگاہ ہو کر اور رُوح کی حقیقت کو پاکر مشاہدہ کے بعد بتا رہے ہوں بلکہ وُہ اپنی علمی اور عقلی تحقیق سے روح کی حقیقت کو سمجھنے کے مدعی ہیں اس لیے اس معاملہ میں وُہ بھی سخت ٹھوکر کھا گئے ہیں۔

بعض دیگر محققین نے بھی رُوح کے متعلق غور و خوض کیا ہے جیسے کہ امام عبدالملک جوینی جو اکابر علماءِ اسلام میں شمار ہوتے ہیں حقیقتِ روح کے متعلق لکھتے ہیں:

اِنَّهَا جِسْمٌ لَطِيفٌ شَفَّافٌ حَيٌّ لِذَاتِهٖ مُشْتَبِكٌ بِالْاَجْسَامِ الْكَثِيفَةِ اشْتِبَاكَ الْمَاءِ بِالْعُوْدِ الْاَخْضَرِ[1] یعنی نفسِ انسانی (روح) ایک جسم ہے جو لطیف اور شفاف اور لذاتہٖ زندہ ہے اور مادی جسموں کے ساتھ اس طرح ملا ہُوا ہے جس طرح سرسبز شاخ میں پانی ملا ہُوا ہو۔

یہ تعریف بھی دراصل روح حیوانی کی تعریف ہوسکتی ہے روحِ انسانی کی تعریف نہیں گزشتہ صفحات میں روح حیوانی کی تعریف میں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ وُہ جسم میں ایسی ہُوا کرتی ہے جیسے گلاب کے پھول میں پانی یا جیسے کوئلہ کے اندر آگ بعض اسی کو رُوح انسانی قرار دے دیتے ہیں حالانکہ یہ رُوح حیوانی ہے جو جسم کے اندر گھسی ہوئی ہے، جس کا قلبِ انسانی کے ساتھ تعلق ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے انسان کا سلسلۂ حیات ہے دورانِ خون اور بخارات اس کے زیرِ تصرف ہیں یہ خود روحِ حیوانی روحِ انسانی کے لیے بمنزلہ آلہ کے ہے اور ادراک اشیاء اور معرفت حقائق

---

[1] بحوالہ کتاب البرزخ ص ۳ ایضاً مشارق الانوار ص ۵۱

روح حیوانی کا کام نہیں کیونکہ یہ سب امور مادیہ ہیں اور مادہ علم ومعرفت سے عاری ہے ۔

یہ امر قابلِ غور ہے کہ مادہ امورِ کلیہ کا ادراک نہیں کرسکتا کیونکہ امورِ کلیہ کا کوئی وجود خارج میں نہیں ہوتا مثلاً اس امر کا ادراک کرنا کہ زید ناطق ہے قوت سامع کا کام ہے مگر اس امر کا ادراک کہ تمام انسان ناطق ہیں قوت سامع کا کام نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ادراک کسی دوسری چیز کا کام ہے اور وہ چیز وہی ہے کہ جس کو نفس یا رُوح بولتے ہیں ۔غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انسانی جسم کی ترکیب میں جو قویٰ واعضاء کام کرتے ہیں وہ بذاتہا کسی فعل کا سبب نہیں ہوسکتے بلکہ وہ بمنزلہ آلات کے ہیں اور ان کو استعمال میں لانے والی کوئی اور حقیقت ہے جو ٹھوس مادہ سے علیحدہ ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے طریقِ عمل کے متعلق پہلے ارادہ کرتے ہیں پھر اسباب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسباب کے عمل میں لانے اور عمل کے غلط یا صحیح نتیجہ کی پہلے سے توقع رکھتے ہیں ہمارا یہ طریقِ عمل اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہمارے قویٰ واعضاء کو مناسب طریق پر عمل میں لانے کے لیے ان سے علیحدہ کوئی اور حقیقت موجود ہے جو متصرف ہوتی ہے اور یہ تصرف جو ایک خاص سلسلہ نظامِ عمل میں دیکھا جاتا ہے ٹھوس مادہ کا کام نہیں اگر کوئی شخص انسان کا ایک ہیکل عنصری دھات یا مٹی یا لکڑی سے تیار کرے اور اس کے اندرون و بیرون میں تمام اعضاء کو قائم کرے جو علم تشریح الابدان سے آج تک پایۂ تحقیق تک پہنچ چکے ہیں اور جسم کے مختلف حصّوں میں تمام رگیں اور پٹھے اور وریدیں جو دورانِ خون اور حرکت کا کام دیتی ہیں اپنی اپنی جگہ پر مکمل کردے اور کسی آلہ کے ذریعہ جسم کے اندر دورانِ خون اور تنفس بھی پیدا کردے ۔

الغرض جسم انسانی کو کوئی بناوٹ جو کسی عضو کے لیے مخصوص ہے مہمل نہ رہ جائے اور وُہ انسان کی ہی طرح بولنے لگے اور نقل وحرکت بھی انسان ہی کی طرح کرنے لگے تو کیا کوئی عقلمند آدمی یہ یقین کرلے گا کہ وُہ ایک حقیقی انسان ہے اور اس میں علم وادراک اور معرفتِ اشیاء اور نیک و بد اور مفید ومضر میں امتیاز کی قوت بھی پائی جاتی ہے ۔ وُہ ہیکل ایک ٹھوس مادہ سے زیادہ کچھ وقعت نہیں رکھتا اور نہ اس سے انسان کی طرح علوم وفنون کے حاصل کرنے کی توقع ہوسکتی ہے ۔

اہلِ یورپ نے مسئلہ تحقیقِ روح میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور لگارہے ہیں مگر تا حال انہیں کسی صحیح مرکز تک رسائی نصیب نہیں ہوئی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی تحقیق کا دار ومدار

سائنس کے اصولوں پر ہے جو مادیات سے گزر کر کسی قسم کی کائنات پر حاوی نہیں ہو سکتی لہٰذا وہ ناکام رہیں گے۔ اور جن مغربی علمائے روحانیات نے رُوح کی حقیقت کو پا لینے کا دعوٰی کیا ہے وُہ ہمزاد کو رُوح سمجھ رہے ہیں۔ اہلِ مغرب پہلے تو رُوح کے قائل ہی نہ تھے اور اب جو لوگ روح کے قائل ہو چکے ہیں وُہ ایک اور مغالطے میں پھنس کر رہ گئے ہیں وہ ایک ناری چیز اور جناتی حقیقت کو رُوح سمجھ بیٹھے ہیں یہ اور بھُول بھلیّوں میں گھِرے ہیں۔

اگر یہ لوگ آج بھی قرآنی تعلیمات کا اتباع کرلیں تو وہ بسہولت اس مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں تعلیم قرآن نے انسان کو روحانی ترقی کا ایک ایسا وسیع میدان دکھایا ہے جس کے منازل طے ہونے پر انسان رُوح کی حقیقتِ کاملہ کا نہ صرف قائل ہو جاتا ہے بلکہ وُہ اس کا مشاہدہ بھی کر لیتا ہے۔

رُوحِ انسانی اور روحِ حیوانی کے الگ الگ ہونے کا مشاہدہ

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جب ماں کے رحم میں نطفہ داخل ہوتا ہے تو دو جڑواں بچّوں کا حمل ٹھہر جاتا ہے اگر دونوں کی تھیلی ایک ہو تو اس کا حکم ایک ہی جسم کا ہوتا ہے یعنی ایک پر اثر دوسرے پر بھی ظاہر ہو جاتا ہے اور اگر دونوں کی تھیلی علیحدہ ہو تو ایک دُوسرے کا ذرّہ بھر بھی اثر قبول نہیں کرتا اور جڑواں بچے جن کی تھیلی ایک ہوتی ہے اگر بظاہر دو جسم ہوتے ہیں اور ان کی رُوحِ حیوانی بھی الگ الگ ہوتی ہے کیونکہ دورانِ خون دونوں کا الگ الگ ہے لیکن دونوں کی رُوحِ انسانی ایک ہی ہوتی ہے اس لیے ایک کا اثر دُوسرے پر ظاہر ہوتا ہے اس کے واقعات آپ اکثر اخباروں میں پڑھ چکے ہونگے اور کئی دفعہ مشاہدہ بھی کر چکے ہوں گے چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بس لاہور آ رہی تھی راستہ میں حادثہ ہُوا اس میں ایک جڑواں عیسائی لڑکا تھا وُہ حادثہ میں مر گیا دُوسرا لڑکا لاہور میں تھا وُہ اسی وقت تندرستی کی حالت میں لاہور مر گیا۔ اور ایک جڑواں بچّے کو بھی دیکھا ہے اگر ایک کو استاد سزا کے طور پر مارتا تو دوسرے کو بھی تکلیف ہوتی۔ یہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ جڑواں بچّوں میں رُوحِ انسانی ایک ہوتی ہے جو ہر طرح کا اثر قبول کرتی ہے[1]۔

---

[1] فلسفۂ روحانیت اسلام معہ تحقیقاتِ جدیدہ ص ۱۱۰

صوفیائے کے نزدیک رُوح کی حقیقت

جن صوفیائے کرام نے روح کی حقیقت میں غور و خوض کیا ہے وُہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ کا مفہوم اور معنی یہ ہے کہ فرما دیجئے کہ رُوح میرے رب کے عالمِ امر کی چیز ہے اور اس کے سمجھنے کے لئے تمہارا علم بہت تھوڑا ہے یا تم میں سے بہت کم کو اس کو سمجھنے کا علم دیا گیا ہے۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ رُوح کی حقیقت تو خدا تعالیٰ نے بیان فرمادی ہے کہ یہ عالمِ امر کی چیز ہے۔ اے یہودیو! تمہاری عقل ناقص اور فہم کم، ور ہیں جو عالمِ خلق کی چیزوں کو بھی نہیں سمجھ سکتے تو عالمِ امر کی حقیقت تم پر کیسے واضح کی جائے؟ اس کو حضور علیہ السلام کے غلام جنھوں نے مجاہدوں اور ریاضتوں سے روحانی باطنی فتح حاصل کی اور ان پر عالمِ ملکوت منکشف ہو چکا ہو وُہ اسے سمجھ سکتے ہیں اور تم اپنی بشری کثیف اجسام میں مقید ہو اور مزید برآں شہواتِ نفسانی اور لذاتِ دنیوی میں دن رات مشغول رہنے کی وجہ سے پردہ میں ہو اور محجوب الانسان ملکوت کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان دونوں عالموں کا ذکر فرمایا ہے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ خبردار! عالمِ خلق اور عالمِ امر ہر دو اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں عالمِ خلق کی حدود کا احاطہ عرش تک ہے اور عالمِ امر اس سے اوپر ہے اور عالمِ امر وُہ عالم ہے جس سے ہر طرح کے ارواح کی تخلیق کی گئی ہے۔ عقلِ انسانی کو صرف عالمِ خلق کے متعلق ہر طرح کی دریافت کی قوت دی گئی ہے اور عالمِ امر اتنا لطیف عالم ہے کہ عقل بشری اس کی حقیقت کو پہنچ نہیں سکتی یہ ایتھر اور اس قسم کی دوسری سائنس کی دریافتیں تمام عالمِ خلق سے متعلق ہیں جن کو ابھی تک مکمل طور پر دریافت نہیں کیا جا سکا اور عالمِ امر تو بے انتہا لطیف ہے ہماری عقلیں اس کی لطافت کو نہیں پہنچ سکتیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے رُوح کے سمجھنے کا علم عالمِ امر کے سمجھنے پر منحصر کر دیا ہے اس لیے وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا سے خدا تعالیٰ نے ان کے علم اور فہم کو قصور وار ٹھہرایا جدید علوم والے ابھی ایتھر تک پہنچے ہیں اس کے آگے عالمِ ارواح یا عالمِ غیب یا امر کی حد شروع ہوتی ہے۔

یہی صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ بچہ جب ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو تارِ نفس کے ذریعہ

اس کے اندر انسانی رُوح داخل کر دی جاتی ہے جس کی وجہ سے انسان باہر آ کر سانس لے کر زندہ ہو جاتا ہے چونکہ یہ رُوح عالمِ امر اور غیب کی چیز ہے۔ یہ اپنے اصل کی طرف جانے کے لیے بے قرار رہتی ہے۔ اگر یہ رُوح کسی ملکوتی شخص سے میل جول پیدا کر لے تو یہ رُوحانی شخصیت بن جاتی ہے اور روحانی قوتوں کی حامل ہو کر روحانی کمالات کا اظہار کرتی ہے وُہ اپنے اندر ایک نئی قسم کی روح محسوس کرتی ہے اور جب یہ رُوح کسی نفسانی اور سفلی قوتوں کے حامل لوگوں سے جا ملتی ہے تو اس کے اندر ناقص اور قبیح جذبات اُبھرنے لگتے ہیں۔

روح انسانی قدرت خداوندی کا شاہکار ہے اسے صرف حیوانی روح کی ترقی یافتہ شکل قرار دینا بے شعوری کی دلیل ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسانی روح مادہ کی بندھنوں سے آزاد ایک خارجی شے ہے اور وہ مادہ کی مطیع نہیں ہے اور رُوح حیوانی روح انسانی کا مرکب ہے۔ وُہ جب چاہتی ہے اس پر سوار ہو جاتی ہے اور جب چاہتی ہے اس سواری سے اتر کر الگ ہو جاتی ہے لیکن اس روحِ انسانی کو الگ کرنے کی مشق کرنا پڑتی ہے اس کے دُو طریقے ہیں:

ایک تو قدیم طریقہ ہے وُہ صوفیائے کرام کا ہے جس میں انسان کو خلوت، ریاضت اور عبادت کرنی ضروری ہوتی ہے یہاں تک کہ رُوح بشریت کے علائق سے آزاد ہو کر اپنے اصل عالم کے قریب ہو جائے اور وُہ عالمِ ملکوت اور عالمِ لاہُوت کی منازل طے کرتے ہوئے غیب الغیب اور روح الارواح تک جا پہنچے اور پھر اپنے آپ کو ذاتِ واجب الوجود میں فنا کر دے۔ اس طریقہ سے اسے باطنی فتح حاصل ہو جائے گی۔ پھر وہ اس فنائیت کے بعد بقائیت کی صورت میں اس مرتبہ پر پہنچ جائے گی جس کا حدیثِ قدسی میں ذکر ہے:

> "جب میرا بندہ نوافل (یعنی وُہ امور جو اس پر فرض نہیں) کی ادائیگی سے میرے قریب ہو جاتا ہے تو میں اس کے کان ہو جاتا ہُوں جس سے وُہ سنتا ہے اور اسکی آنکھ ہو جاتا ہُوں جس سے وُہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وُہ چلتا ہے۔"

ریاضت و عبادت اور مجاہدہ کا یہ ثمرہ ہے کہ وُہ رُوح قسم قسم کی خوارق عادات امور کا اظہار کرتی ہے وہ عالمِ غیب کی تمام چیزوں کا مشاہدہ کرتی ہے وُہ کئی شکلوں میں متشکل ہو کر کئی مقامات

میں ایک ہی وقت میں حاضر ہو سکتی ہے۔ وہ تھوڑے سے وقت میں طی الارض اور طی اسماء کرتی ہے وُہ کائنات میں قوتِ روحانی سے ہر قسم کا تصرف کر سکتی ہے وُہ ایسے ایسے عجائبات دکھاتی ہے کہ جس کے اوراک سے بڑی بڑی عقلیں قاصر ہو جاتی ہیں۔

دُوسرا طریقہ جدید ہے اہلِ مغرب مقناطیسی مصنوعی نیند سے رُوح کو آزاد کر لیتے ہیں جس سے وُہ وقتی طور پر نئی نئی باتیں بتلاتی ہے، اور اگر کوئی مریض ہو تو باطنی امراض کی وضاحت کرتی ہے اور لوگوں کے افعال، اقوال کو بتا دیتی ہے خواہ درمیان میں کتنا ہی فاصلہ کیوں نہ ہو اور مستقبل میں ہونیوالے واقعات کی خبریں بھی دیتی ہے اور مختلف زبانوں میں باتیں کرتی ہے اور اثیری جسم کے ساتھ بعض مردوں کو بھی دیکھتی ہے اور اس کی ہیئت اور شکل کو بھی بیان کرتی ہے۔

کبھی عامل مقناطیسی قوت سے کسی بیمار کو دیکھتا ہے اور اسے مقناطیسی مصنوعی نیند سُلا دیتا ہے اور پھر اس بیمار کی طرف آنکھوں سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہتا ہے پھر اس سے بیماری کو نکالنے کا تصور باندھ کر انگلیوں کے اشاروں سے اُسے باہر پھینکتا ہے اس طریقہ سے جو عامل کے جسم سے رقیق پتلی سیال قوت جسے حیوانی مقناطیس یا سیال حیوی یا نظری سے منسُوب کرتے ہیں معمول کے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے جس سے بیمار کو افاقہ ہو جاتا ہے عصبی بیماریوں، جنون اور وہمی امراض کیلیے یہ طریقہ بہت مفید ثابت ہُوا ہے۔

ایتھر اور تنویم مقناطیسی کا صوفیائے کرام کے احوال سے تقابل

صوفیائے کرام کے نزدیک جو چیز ایتھر کے بالمقابل ہے وُہ ان کی فتح باطنی ہے جسے باطن کا کھل جانا بھی کہتے ہیں اور یہ چیز ایتھر سے اعلیٰ اور اعظم ہے۔

صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ کائنات کے لیے ایک رُوح کلیہ ہے فتح باطنی کے بعد روح کا اتصال روح کلیہ سے ہو جاتا ہے اور یہ رُوح کلیہ تمام جہان میں جاری و ساری ہے اور یہ امر الٰہی کے امر سے ہے اسی کو جدید رُوحانیت والے جسم اثیری کہتے ہیں صوفیائے کرام اس روح کلیہ سے وصل حاصل کرنے کے بعد کشف کو نی حاصل کرتے ہیں جس سے مادی موانعات کسی طرح کا حجاب اور پردہ نہیں کر سکتے اور زمان و مکان کو ان پر کوئی عمل و دخل نہیں ہوتا بلکہ ان کے لیے ماضی و مستقبل حال کا

حکم رکھتے ہیں۔

فتح باطنی کا یہ ایک کرشمہ ہے صوفیائے کرام کے نزدیک اس کشف کی کوئی قیمت نہیں اور نہ ہی یہ ان صوفیائے کرام کا مقصود ہوتا ہے یہ ایک حالت ہے جو ہر سالک پر آتی ہے اگر کوئی سالک اسی مقام پر ٹھہر جائے اور لوگوں کو غیب کی خبریں سنانے لگ جائے تو مرشدِ کامل اس مرید کے کشف کونی کو بند کر دیتا ہے اور اُسے آگے کی منزل طے کرنے پر لگا دیتا ہے اور اگر کوئی مرید کشف کونی پر اڑا رہے تو اس کی باقی سیر و سلوک اور علم باطنی کی مزید ترقی رُک جاتی ہے۔

جدید علم روحانیات والے اسی کشف کونی کو ایک کمال سمجھ کر لوگوں کے سامنے مخفی حالات بیان کرتے ہیں اور اپنی تشہیر اور دنیا کی دولت کو اکٹھا کرنے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔

کسی دُوسرے کو مقناطیسی نیند سُلا کر اس سے لوگوں کی بیماریوں کا پتہ چلانا اور آنے والے واقعات کی خبریں دینا اور مختلف زبانوں میں باتیں کرنا اور حاضرین کے قول و فعل کو نقل کرنا اور بعض رُوحوں کو دیکھ کر ان کی ہیئت و شکل بیان کرنا یہ سب شعبدہ بازی اور کھیل ہیں بلکہ اس کو مجذوب صوفیائ سے تشبیہ دی جائے تو مناسب ہوگی۔ مجذوب صوفی اسے کہتے ہیں جو پہلی تجلی سے ایک قسم کی گہری نیند میں چلے جاتے ہیں اور اچانک فتح باطنی سے قوتِ برداشت نہ ہونے کی صورت میں ان کی عقل جاتی رہتی ہے اور وُہ دنیا کے کاروبار سے معطل ہو جاتے ہیں۔ ان کو قرب و بُعد اور اپنے پرائے کی تمیز نہیں رہتی جو لوگ ان کے معتقد ہو کر ان کے پاس بیٹھتے ہیں ان کو وُہ غیر منظم طور پر کشف جنونی کی وجہ سے مختلف غیب کی خبریں دیتے رہتے ہیں اور کئی گزرے ہُوئے اور آنے والے واقعات سے مطلع کرتے رہتے ہیں سلوک میں یہ ناقص اور نامکمل رہ جاتے ہیں اس لیے صوفیائے کرام کے نزدیک یہ اطفال ہیں یعنی بچّوں کی مانند ہیں اس لیے عوام کو فائدہ پہنچانے کی بجائے بعض اوقات سخت نقصان بھی پہنچا دیتے ہیں کیونکہ ان کی فتح باطنی غیر منتظم ہوتی ہے اس لیے ان کو مجذوب اور مغلوب الحال کہتے ہیں اور جو سالک ہوتے ہیں وہ باقاعدہ انتظام کے تحت ریاضت کرنے سے فتح حاصل کرتے ہیں اس لیے سالک محبوب اور مجذوب مجوب ہوتے ہیں بعینہٖ اسی طرح صوفیائے کرام عبادت اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی وجہ سے جو فتح باطنی حاصل کرتے ہیں وہ محبوب ہیں اور جدید روحانیات والے ریاضت کرنے سے

جو معمولی سا کمال حاصل کر لیتے ہیں یہ محجوب ہیں۔ کسی دُوسرے کو مقناطیسی نیند سُلا کر اس میں عاملِ حیوانی مقناطیسی رَو کو داخل کر کے اس سے لاعلاج بیماریوں کا علاج کرتے ہیں جسے ہپناٹزم کہتے ہیں۔ یہ بھی جدید روحانیات والوں کی دریافت ہے حیوانی مقناطیسی قوت عامل اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے جس سے وہ ہاتھ کے چھُونے یا آنکھ سے دیکھنے یا دَم کرنے سے مریضوں کا علاج کرتے ہیں اسے مسمریزم کہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں صوفیائے کرام میں یہ طریقہ رائج ہے کہ وہ ہر قسم کے بیمار کا علاج پانی دم کر کے پلانے یا اپنے منہ کا لعاب کھلانے یا لگانے یا ہاتھ سے مَس کرنے یا مریض کی طرف دیکھنے یا دُعا مانگنے سے مریضوں کو شفایاب کرتے ہیں بلکہ بعض مریض سامنے نہ بھی ہوں تو پھر بھی علاج کر دیتے ہیں اور یہ عجیب و غریب خاصیت اکثر صوفیاء کے دم میں ہوتی ہے اور اس شان میں ان کا کوئی مقابل نہیں ہے۔

دین کے مخالف اور غیر شرع لوگ جو ریاضت سے کچھ اس کا حصہ حاصل کر لیتے ہیں ان کو فتح باطنی سے کوئی ذرہ بھر بھی نصیب نہیں ہوتا کیونکہ غیر شرع اور دیگر مذاہب والے اس سے محروم ہیں یہ فتح باطنی صرف جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب شرع امت کیلیے مخصوص ہے۔

طی الارض یا نقلِ مکانی

جدید روحانیات والوں سے یہ ثابت ہے اور ان کی کتابوں میں اس کا ذکر ہے کہ وُہ قوت روحی کی ایک مشق کرتے ہیں جس سے وُہ جسم ایتھری کو اپنے وجود سے الگ کر لیتے ہیں آجکل یورپ میں اس قسم کے کئی لوگ موجود ہیں جو اپنی مرضی سے اپنے وجود کو جہاں چاہیں پہنچا سکتے ہیں ابتداء میں وہ لوگ رات کو سوتے وقت کرتے ہیں یعنی ان کا جسم بستر پر رہتا ہے اور جسم اثیری کو جہاں چاہیں پہنچا لیتے ہیں اور پھر مزید ترقی کر کے جاگتے ہوئے بشری جسم سے اثیری جسم کو علیحدہ کر کے مطلوبہ جگہ پر بھیج دیتے ہیں اور مادی جسم لوگوں کے ساتھ کاروبار میں بات چیت میں مصروف ہو جاتا ہے۔

اس کی حقیقت بھی یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ہمزاد یا قرین ہوتا ہے اس سے یہ کام لیا جاتا ہے اس کو تابع کرنے اور اس کو جسم سے الگ کر کے اس سے عجیب و غریب کام

لینے کی مشق ہر شخص کر سکتا ہے اس میں مذہب کی کوئی قید نہیں عموماً انسان چالیس دن کی مشق سے اثیری وجود کو اپنی مرضی سے ہر جگہ منتقل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اس کی مشق اپنے نام سے خطاب کرنے سے شروع کی جاتی ہے رات کو سوتے وقت اپنا نام لے کر حکم دیا جاتا ہے کہ آج تو مجھے فلاں وقت بیدار کرنا اگلے ہفتہ اور کام اگلے ہفتہ اور کام اسی طرح مسلسل چالیس دن میں اس دُوسرے وجود سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور اپنی مرضی سے انسان اس سے کام لے سکتا ہے۔ اس کے اور بھی طریقے ہوں گے جس سے میں بھی کسی وقت کام لیتا ہُوں اور یہ میرے تجربہ میں ہے۔

لیکن صوفیائے کرام کے نزدیک طی الارض کا مسئلہ مشہور اور عام ہے۔ فتح باطنی حاصل ہونے کے بعد یا تو انسان صاحبِ ارشاد ہو کر مخلوقات کی تبلیغ پر مامور ہوتا ہے تو وُہ اپنی فتح باطنی سے حقیقی جسم کو جہاں چاہے لے جاتا ہے اور اس میں ان کو جدید روحانیات والوں کی طرح غشی یا گہری نیند کی ضرورت پیدا نہیں ہوتی۔ ہوش و حواس میں اپنے جسم کو جہاں چاہیں لے جاتے ہیں یا خود وہیں رہتے ہیں اور اپنے باطنی لطیف نوری جثہ کو جہاں چاہیں بھیج دیتے ہیں یا فتح باطنی حاصل ہونے کے بعد باطنی روحانی محکمہ میں کسی عہدہ پر متعین ہو جاتا ہے اپنے وجودوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا اور وہاں جا کر عوام مخلوقات کی امداد اور دوسرے کام سرانجام دینا اس کی ڈیوٹی میں داخل ہوتا ہے جس سے ان کے ظاہری عنصری وجود تو انسان کے سامنے کام کرتے ہیں اور باطنی وجود دوسرے شہروں میں پہنچ کر اپنی ڈیوٹی دیتے ہیں جیسے غوث، قطب، ابدال وغیرہ۔

ٹیلی پیتھی یا قرأت الافکار

جدید روحانیات والوں نے دوسرے انسان کے خیالات معلوم کرنے کا بھی ایک طریقہ ایجاد کیا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ جب انسان اپنے آپ کو مادی خیالات اور مشاغل سے خالی کر لیتا ہے تو اپنی قوتِ فکریہ سے سیال حیوی کو دوسرے شخص کی طرف پہنچاتا ہے تو اس حالت میں دوسرے شخص کے خیالات میں جو چیز گردش کر رہی ہوتی ہے وہ معلوم ہو جاتی ہے۔ جدید روحانیات والوں نے اس کی باقاعدہ مشق کی ہے اور اس کی تعلیم اور باقاعدہ مشق کرنے کے طریقے وضع کر لئے ہیں اور اس موضوع پر بہت کتابیں لکھی ہیں اور اس کو سکھانے والے استاد بھی موجود ہیں لیکن

اس کے باوجود اس بات کے نتائج گمراہ کن ہیں اور بعض اوقات اس میں شدید غلطی بھی کھا جاتے ہیں کیونکہ یہ چیز مادی جسم کی کثافت کے باوجود تکلیف سے حاصل کی جاتی ہے اور جسم کی تمام کثافتیں، کدورتیں اور نفسانی خواہشات اسی طرح موجود رہتی ہیں جس کی وجہ سے کوئی مفید نتائج برآمد نہیں کر سکے۔

لیکن صوفیائے کرام کے نزدیک لوگوں کے دلوں کے حالات معلوم کر لینا جسے وہ کشف القلوب کہتے ہیں۔ ایک معمولی بات سمجھی جاتی ہے فتح باطنی کے بعد لوگوں کے دلوں کے خیالات اور ان کے روزمرہ کے اعمال، کاروبار ان کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح موجود ہوتے ہیں اور جو لوگ گھروں میں مفید باتیں کرتے ہیں وہ بھی ان کو معلوم ہو جاتی ہیں صوفیائے کرام کو درجات کے لحاظ سے کشف ہوتا ہے بعض چہرے دیکھ کر اس کے اعمال کا پتہ دے دیتے ہیں اور بعض سانس کے ذریعہ ان کی دلی باتیں سن لیتے ہیں بعض ان کے اعمال کے مطابق ان کے باطنی چہرہ کو حیوانوں کی شکلوں میں دیکھتے ہیں مثلاً جس شخص میں غباوت ہے اس کا چہرہ گدھے کی مانند ہوگا اگر کوئی خائن ہے تو اس کا چہرہ بھیڑیئے کا سا ہوگا، فریب اور مکر کرنے والا لومڑی کی شکل میں اور چوری اور زنا کرنے والا خنزیر یا چیتے کی طرح نظر آئے گا اس کی تفصیل صوفیائے کرام کی کتابوں میں بالتفصیل موجود ہے۔ لیکن یہ ان کو کسی مشق سے نہیں بلکہ ان کے اعمال صالحہ کی وجہ سے ہے جس سے ان کے اندر ایک باطنی نور پیدا ہو جاتا ہے اور ذکر و فکر کرنے سے نفس کی کدورتوں سے پاک و صاف ہو کر کثرتِ انوار سے متجلی ہو جاتا ہے جس سے اسے کشف القلوب ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی مقصود نہیں بلکہ ایک اعلیٰ مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح جدید روحانیات والے دور سے ایک آدمی کے ساتھ اتحاد روحی پیدا کر لیتے ہیں اور ایک وقت مقرر کر کے اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر ایک دوسرے کے افکار و خیالات سے مطلع ہو جاتے ہیں جس کو ٹیلی پیتھی کہتے ہیں اور اس سے آجکل سنا ہے کہ وہ جاسوسی کا کام لے رہے ہیں وائرلیس اور دیگر آلات جن سے خبریں پہنچائی جاتی ہیں وہ تو پکڑی جا سکتی ہیں لیکن اتحاد روحی پیدا کرنے سے یہ احتمال بھی ختم ہو جاتا ہے۔

صوفیائے کرام بھی اس قوت کو حاصل کرتے ہیں جسے وہ فنا فی الشیخ کہتے ہیں اور اس سے بہت سے مفید اور روحانی تکمیل کے لیے نہایت اعلیٰ کام لیتے ہیں جو فرطِ محبت کی وجہ سے حاصل

ہوتی ہے یعنی ہر حال میں اور تمام کاموں میں خواطر میں اتحاد حاصل ہو جاتا ہے اور تقریباً یہ اتحاد ہر سالک مرید کو اپنے شیخ سے حاصل ہوتا ہے اور اس اتحاد روحی کو فنافی الشیخ کہتے ہیں جس سے مرید اپنے شیخ کے کمالات اور خوبیوں کو اپنے اندر منتقل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

مغربی علمائے روحانیات کے دعوے

(سر ولیم کروکس کی رپورٹ)

انجمن حامیان یا محافظان بقائے روح کی بنیاد ۱۸۷۲ء میں لندن میں پڑی تھی اور اس کے مقاصد میں زندگی بعد از مرگ یعنی موت کے بعد زندگی کے اثبات اور وجود نوجوانوں میں خدا پر ایمان کا احساس اور نادار والدین کی امداد، بے سہارا بچوں کے لیے نئے کپڑوں کے انتظام اور اسی قسم کے دوسرے امدادی کام شامل تھے۔ یہ انجمن ۱۹۰۵ء سے ایک کمپنی کی شکل میں مصروفِ عمل ہے اس میں مختلف حصہ دار اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں اس میں انجمن کی طرف سے کئی اخبار و رسائل شائع ہوتے ہیں جن میں سے ایک کا نام "سروس" ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا جیبی رسالہ ہے اس میں انجمن کی ہفتہ وار کارروائی اور میڈیمز کی کیفیت اور کارکردگی کے متعلق اطلاعات اور پروگرام شائع ہوتے ہیں۔ انجمن کے دیگر نشریوں میں "حیوانوں کی دنیا"، "دونوں جہان"، "دنیائے فانی"، "علم و افکار" وغیرہ شامل ہیں لیکن سب سے اہم روزنامہ "سائیکک نیوز" ہے جو دنیا کے بیشتر حصوں میں پہنچ جاتا ہے اس انجمن کا پتہ یہ ہے: انجمن حامیانِ بقائے ارواح بلگراؤ سکوٹر لندن - بلگراؤ گراؤنڈ جہاں انجمن کی عمارت ہے ملکہ الزبتھ کے محل کے قریب تین سو میٹر مغرب میں واقع ہے۔ اس گراؤنڈ میں بہت سے ملکوں کے سفارت خانے بھی ہیں انجمن کا مرکز اس گراؤنڈ میں بلڈنگ نمبر ۳۳ میں واقع ہے انجمن کی پانچ منزلہ عمارت میں ایک لائبریری ہے جس میں رُوح کی بقا روحوں کو حاضر کرنے اور ان کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے کے طریقوں سے متعلق دنیا کے عالموں، فاضلوں اور فلسفہ دانوں کی لکھی ہوئی تقریباً ایک لاکھ کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔

انجمن کا کام صرف روحوں کی حاضری تک محدود نہیں رہتا، ہفتہ میں پانچسو کے قریب مریض اس انجمن سے رجوع کر کے روحانی شفا پاتے ہیں علاج معالجہ کا طریقہ بھی بڑا عجیب وغریب ہے،

یہ کام "ہیلرز" یا درماں کرنے والوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے ایسے مریضوں کا علاج مفت اور کسی معاوضے کے بغیر کیا جاتا ہے بیمار کو متواتر کئی ہفتوں تک اس ہیلر کے پاس جانا پڑتا ہے۔

عامل کو بارہ سال فرائض انجام دینے کے بعد رُوح حاضر کرنے کی اجازت ملتی ہے بعض میڈیم روحوں کی باتوں کو حسِ سامعہ کے طریقے سے معلوم کر لیتے ہیں یعنی وُہ صوتی ارتعاشات جو روحیں خارجی یا داخلی طور پر ان کے کانوں میں پیدا کرتی ہیں وُہ ان کو ضبط یا حاصل کر لیتے ہیں - یہ میڈیم الہامی کہلاتے ہیں کچھ میڈیم حلولی کہلاتے ہیں جب وقت یہ غنودگی کی حالت اختیار کرتے ہیں تو ان کی مطلوبہ رُوح اُن کے بدن میں حلول کر جاتی ہے۔ یہ روح اس کے گلے اور زبان سے کام لے کر اپنا مطلب براہِ راست بیان کرتی ہے۔

بعض میڈیم روحوں کی فراہم کردہ معلومات اور باتوں کو لکھ لیتے ہیں ان کے ہاتھ پوری طرح روحوں کے تصرف واختیار میں ہوتے ہیں اور انہی کی مرضی کے مطابق لکھتے جاتے ہیں۔ وُہ لوگ تمام باتوں کو لکھنے کے بعد ہی ان کے مطالعہ کے مجاز ہوتے ہیں کچھ میڈیم ایسے ہیں کہ جب وہ نیند میں ہوتے ہیں تو رُوح ان میں حلول کر کے ان کے ہاتھوں سے اپنا مقصد لکھ لیتی ہے بعض اوقات تو حاضرین واضح طور پر کاغذ پر پنسل کی حرکت کو دیکھ سکتے ہیں اکثر ایسا بھی ہُوا ہے کہ میڈیم غیر مانوس زبانوں بلکہ یہاں تک کہ قدیم اور متروک زبانوں میں لکھتے اور گفتگو کرتے ہیں اور ایسے میڈیم بھی ہیں جو سونے یا جاگنے کی حالت میں رُوحوں کی آواز کو اس انداز سے منعکس کرتے ہیں گویا روح کسی لاؤڈ سپیکر سے کام لے رہی ہو اس قسم کے میڈیم بھی ہیں جو روحوں کو کمرے کو کمرے کی اشیاء کو حرکت میں لانے، چھت یا میز کو کھٹکھٹانے، مختلف آوازیں پیدا کرنے، روشنی پھیلانے اور بعض بھاری چیزوں کو فضا میں معلق کرنے پر وارد کرتے ہیں کچھ دُوسرے میڈیم گہری نیند میں نقاش یا پینٹر بن کر روحوں کی شکلیں بنا لیتے ہیں ایسے میڈیم بھی ہیں جو ایک غیر مرئی طاقت کے اثر سے حرکت میں آکر ہلنے لگتے ہیں اور اس اثناء میں وُہ اپنی انگلی سے ایک بٹن دبا کر اچانک روح کی تصویر لے لیتے ہیں مزید ایسے میڈیم ہیں جو رُوح کو اس کی حیات کے آخری ایام جو اس نے دنیا میں گزارے ہوتے ہیں حاضرین کی آنکھوں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں۔ یہ بھی مشاہدہ میں آیا ہے کہ متجسم رُوحیں حرکتِ قلب اور دیگر کیمیائی خواص کے اعتبار سے زندہ انسانوں سے کوئی فرق یا تفاوت ظاھر

نہیں کرتیں وُہ ہاتھ ملا سکتی ہیں اور بات چیت کر سکتی ہیں۔

ہٹلر کی موت کی تصدیق سب سے پہلے ادارۂ رُوح نے کی، چنانچہ ہٹلر کی رُوح کو حاضر کیا اور اس کے متعلق صحیح اور دقیق علامات بتائے تو دنیا کو یقین ہو گیا کہ ہٹلر مر چکا ہے اور اس کی زندگی سے متعلق تمام شکوک رفع ہو گئے۔

پچھلے دنوں شیکسپیئر کے چار سو سالہ یومِ پیدائش کی مناسبت سے اس کی رُوح کو حاضر کرنے کی غرض سے محفل کا انعقاد کیا گیا اس محفل میں انگلستان کی اہم ادبی شخصیتیں شامل تھیں شیکسپیئر کی رُوح کچھ فکر مند نظر آتی تھی میڈیم نے جو سوالات کیے ان میں یہ بھی تھے "کیا رومیو جیولیٹ کا قصہ محض خیالات کی پیداوار تھا؛ یا اس کی کوئی حقیقت بھی تھی"؟ رُوح کا جواب یہ تھا" ہاں! وُہ حقیقت سے متشابہ امر تھا جس کا تعلق خود میری زندگی سے تھا"۔ اس رابطہ میں شیکسپیئر کی رُوح اپنی روایاتی ادیبانہ اور شاعرانہ طرزِ گفتگو میں بات کر رہی تھی۔

کچھ عرصہ پیشتر ایک میڈیم نے ایک ۲۴ سالہ انگریز نوجوان کو اس کی فرانسیسی منگیتر کے بارے میں اطلاع بہم پہنچائی جو اس سے بچھڑ چکی تھی اور جب اس اطلاع کی حقیقت سامنے آ گئی تو اس نے اہلِ انگلستان کو حیرت اور تعجب میں ڈال دیا اس نوجوان کی منگیتر فرانسیسی تھی اور اس کو یقین نہ تھا کہ وُہ مر چکی ہے۔ تین سال سے جب وُہ تنہا کانگو کے سفر پر روانہ ہُوئی اس کا کوئی نام و نشان نہ مل رہا تھا اس کا خیال تھا کہ ممکن ہے وُہ مر گئی ہو تاہم اپنے اطمینان کی خاطر اس نے چھ شلنگ کا ایک ٹکٹ خریدا اور احضارِ ارواح کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے میڈیم سے درخواست کی کہ اگر اس کی منگیتر کی علامات کی حامل کوئی رُوح مشاہدہ میں آ گئی تو اس کے متعلق اسے اطلاع دی جائے۔ میڈیم نے لڑکی کی رُوح جس کا نام "ژانت" تھا حاضر کیا اس نے کہا کہ وُہ اپنے حالات بیان کرے رُوح نے بتایا کہ جس وقت وہ لیوپولڈویل (کانگو) کے ایک علاقے سے دریا کو عبور کر رہی تھی تو چار آدم خور سیاہ فام افراد نے اُسے گرفتار کر لیا اور انہوں نے اس کے ٹکڑے کر کے مار دیا۔

یہ اطلاع ملتے ہی نوجوان تحقیقاتی محکمہ کی وساطت سے تحقیقات کے لیے لیوپولڈویل روانہ ہُوا، تین ہفتہ کے بعد اطلاع ملی کہ ژانت نامی ایک لڑکی تنہا مذکورہ علاقہ میں گھوم رہی تھی،

تین وحشی آدم خوروں نے اس پر حملہ کر کے اُسے ختم کر دیا[۱]

میرے مرشد حضرت فقیر نور محمد صاحب کلاچوی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں[۲] کہ آج کل اہل مغرب بھی رُوح اور رُوحانی دنیا کے قائل اور روحانی علم کی طرف مائل ہو گئے ہیں اگرچہ یہ لوگ ہمارے علمائے سلف صالحین اور اولیائے کاملین کے مقابلے میں ابھی محض طفلِ مکتب اور ابجد خوان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اب وہ وحی آسمانی، رُوح کی باطنی شخصیت اور اس کے عجیب مافوق الفطرت اوراکات اور روحانی کمالات کے بالکل قائل ہو گئے ہیں ــــ اہل مغرب تمام مذہبی قوموں کی طرح سولھویں صدی تک وحی آسمانی کے تقلیدی طور پر قائل رہے ــــ لیکن جب سائنس کا دور شروع ہوا تو اس جدید فلسفے نے مابعد الطبیعی حقائق سے انکار کر دیا یہاں تک کہ سرے سے خدا اور روح کا ہی انکار کر دیا لیکن ۱۸۴۶ء میں امریکہ کے اندر وجود روح کے ایسے آثار نمودار ہوئے جنہوں نے امریکہ سے گزر کر تمام یورپ کے خیالات میں ایک تموج اور ہیجان پیدا کر دیا۔ ۱۸۸۲ء میں بمقام لنڈن ایک کمیٹی بنی جس کا مقصد روح اور اس کے متعلقات پر بحث کرنا اور ان کی تحقیق و تفتیش کرنا تھا اس کمیٹی میں یورپ کے مشہور علماء شامل رہے یہ کمیٹی تینتس سال تک قائم رہی۔ اس مدت میں اس نے ہزاروں روحانی واقعات و حوادثات کی تحقیق کی اور روح انسانی، اس کے قویٰ اور قوتِ اوراک کے متعلق بار بار تجربے کیے جو چالیس ضخیم جلدوں میں مدوّن و محفوظ ہیں۔

کمیٹی کے نزدیک یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ انسان کی اس ظاہری شخصیت کے علاوہ ایک اور شخصیت ہے جو پہلی مادی اور جسمانی شخصیت سے کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع ہے اور وہ شخصیت موت کے بعد زندہ رہتی ہے اور فنا پذیر نہیں ہوتی۔

یورپ کے ہر بڑے شہر میں اس کی رُوحانی سوسائٹیاں اور باقاعدہ کمیٹیاں مقرر ہو گئی ہیں اور اس روحانی علم یعنی سپرچولزم (SPIRITUALISM) کے باقاعدہ کالج اور اس کے بے شمار مدرسے کھل گئے ہیں اور بے شمار کتابیں اس فن پر لکھی جا چکی ہیں اس سلسلے میں کیمبرج یونیورسٹی کے

---

[۱] ماخوذ روزنامہ کوہستان لاہور مورخہ ۱۵ر جولائی ۱۹۶۴ء

[۲] عرفان حصہ اوّل تصنیف فقیر نور محمد کلاچوی

مشہور ماہر علم النفس پروفیسر ڈاکٹر مائیرس نے جو اس انجمن کے بھی رکن خصوصی تھے انسانی شخصیت (HUMAN PERSONALITY) پر ایک نہایت قابلِ قدر کتاب لکھی ہے جس میں لکھتے ہیں کہ اب میں پورے وثوق اور جزم کے ساتھ کہتا ہوں کہ انسان میں ایک رُوح کا وجود یقینی ہے جو اپنے لیے قوت وجمال کا اکتساب عالمِ روحانی سے کرتی ہے اور ساتھ ہی میں اس بات کا یقین کرتا ہوں کہ تمام عالم میں ایک رُوحِ اعظم ہے اور نورِ محیط سرایت کیے ہوئے ہے جس کے ساتھ انسانی رُوح کو اتصال حاصل ہوسکتا ہے"۔

یورپ میں یہ روحانی مذہب گھر گھر رائج ہے اور دن رات رُوحوں کو حاضر کرکے اُن کے ساتھ کھُلم کھُلا بات چیت کی جاتی ہے گھر گھر حاضراتِ ارواح کے حلقے قائم ہیں جنھیں یہ لوگ خانگی حلقے (HOME - CIRCLES) کہتے ہیں۔ ہر حلقہ میں ایک وسیط یعنی میڈیم (MEDIUM) کا وجود لازمی ہوتا ہے۔ میڈیم ایسا شخص ہوتا ہے جس پر فطری طور پر کوئی رُوح مسلط ہوتی ہے گویا ایسا شخص عالمِ ارواح اور عالمِ اجسام کے درمیان بطور واسطہ اور وسیلہ کے ہوتا ہے ارواح میڈیم کے وجود میں سے ہوکر حلقے میں آتی ہیں بات چیت کرتی ہیں، کمروں کی چیزوں کو الٹ پلٹ کرتی ہیں۔ بغیر کسی کے ہاتھ لگائے باجے بجاتی ہیں، باہر کی چیزیں مقفل بند کمروں میں لاکر ڈال دیتی ہیں اور بند کمروں میں سے چیزیں باہر لے جاتی ہیں رُوحیں اعلانیہ لکچر دیتی ہیں ان کے ریکارڈ بھرے جاتے ہیں اور ان کی تصویریں لی جاتی ہیں غرض اس قسم کے بے شمار عجیب وغریب کرشمے دکھاتی ہیں کہ سائنس اور مادی عقل سے ان کی کوئی توجیہ نہیں بن آئی۔

تقریباً سو سال سے اہل یورپ میں حاضراتِ ارواح کا علم یعنی سپر چولزم (SPIRITUALISM) شائع اور رائج ہے جس کا وہاں بڑا چرچا ہے اور یہ علم وہاں ایک عالمگیر مذہب کی صورت اختیار کیے ہوئے ہے امریکہ میں کروڑہا آدمی اس نئے مذہب کے معتقد اور پیروکار ہیں اور یہ مذہب تمام یورپ میں پھیلا ہوا ہے۔ یورپ کا کوئی ملک ایسا نہیں جس میں اس نئے مذہب کی بے شمار روحانی مجلسیں، بڑی بڑی انجمنیں، وسیع پیمانے پر سوسائٹیاں، ہزارہا لکچرار اور سینکڑوں عامل یعنی میڈیم موجود نہ ہوں، بڑے بڑے ڈاکٹر، سائنس دان، فلاسفر اور لارڈ حتّٰی کہ پارلیمنٹ کے ممبر تک اس نئے مذہب کی انجمنوں اور سوسائٹیوں کے خاص ممبر اور جوشیلے کارکن ہیں واشنگٹن

کی پارلیمینٹ نے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی جس نے تحقیق و تفتیش کے بعد اس کی صحت کا اعلان کر دیا۔
اس کے بعد یہ علم تمام ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں پھیل گیا یہاں تک کہ ۱۸۹۸ء میں امریکہ کے اندر اس مذہب کے متبعین دو کروڑ کی تعداد تک پہنچ گئے۔ ۱۸۷۰ء میں عام روحانی مجلسیں ہیں اور خاص انجمنیں ایک سو پچاس اور دو سو سات لیکچرار اور عام میڈیم یعنی وسیط بائیس[۲] تھے۔

امریکہ اور انگلینڈ کی طرح فرانس کے اربابِ علم و فن کو بھی اس سے دلچسپی پیدا ہوئی اور اسی طرح یہ علم روحانیت جرمنی، روس، اٹلی، بلجیم، اسپین، پرتگال، ہالینڈ اور سویڈن وغیرہ میں پھیل گیا۔

ان ارواح کی نوعیت، اصلیت اور حقیقت اور ان کی حاضرات کی کیفیت کیا ہے یورپ کے علمائے مادیین اور مغرب کے اہل سائنس و اہل فلسفہ محققین نے سالہا سال کی تلاش و جستجو اور عرصۂ دراز کے غور و فکر کے بعد جس ادنیٰ اور قریب کی ناسوتی باطنی شخصیت کا ابھی صرف پتہ لگایا ہے اور اسے معلوم اور محسوس کیا ہے ہمارے سلف صالحین اور فقرائے کاملین نے ان لطیف معنوی شخصیتوں کا ایک باقاعدہ سلسلہ قائم کیا ہوا ہے اور ایک سے ایک اعلیٰ اور ارفع سات شخصیتوں کو اپنے وجود میں زندہ اور بیدار کر کے ان کے ذریعے وہ حیرت انگیز روحانی کشف و کرامات ظاہر کئے ہیں کہ اگر اہل سائنس اور اہلِ فلسفۂ جدید کو اس کا شمہ بھی معلوم ہو جائے تو وہ مادے کی تمام خاکرانی کو خیر باد کہہ کر روحانیت کی طرف دوڑ پڑیں اور دنیا کے تمام کام کاج چھوڑ کر اس حضوری، نوری، حضوری علم میں دن رات محو اور شریک ہو جائیں۔

گو سپرچولزم کی بدولت یورپ کے سائنس زدہ مادہ پرستوں کا سابق نیچری اور دہری نظریہ اب بالکل بدل گیا ہے اور وہ سب کے سب حیات بعد الموت کے قائل ہو گئے ہیں لیکن شیطان نے انہیں ایک نئی قسم کی بے دینی اور گمراہی میں ڈال دیا ہے غرض 'آسمان سے گرے اور کھجور میں اٹکے' والی مثال ان پر صادق آتی ہے۔

یورپ کے روحانیین کا ماخذ

جس ادنیٰ باطنی شخصیت کا پتہ حال ہی میں یورپ کو لگا ہے تصوف اور اہلِ سلوک کی

اصطلاح میں اسے لطیفۂ نفس کہتے ہیں یہ لطیفہ ہر انسان کے اندر خام ناتمام حالت میں موجود رہتا ہے اس ابتدائی جُھٹکے کے ذریعے انسان خواب کی دنیا میں داخل ہوتا ہے نفس کا یہ لطیفہ جسدِ عنصری کو لباس کی طرح اوڑھے ہوئے ہے اس جُھٹکے کا عالم ناسوت ہے، جن، شیاطین اور سفلی ارواح اس مقام میں رہتی ہیں پُرانے زمانے کے جادوگر اور کاہن اس ادنیٰ شخصیتِ نفس کے طفیل جادو اور کہانت کے کرشمے دکھایا کرتے تھے اور لوگوں کو غیب کی باتیں سنایا کرتے تھے یورپ میں آجکل مسمریزم، ہپناٹزم اور سپر چولزم کے تمام حیرت انگیز کرشموں اور عجیب کارناموں کا سرچشمہ بھی یہی لطیفۂ نفس ہے اس لطیفہ کے زندہ اور بیدار کرنے کے دو مختلف طریقے ہیں: ایک نوری اور دوئم ناری، نیک عمل، اللہ تعالیٰ کا ذکر و فکر، عبادات، نماز، روزہ اور تصور اسم اللہ ذات وغیرہ اشتغال نوری طریقہ ہے اور خالی نفس کی مخالفت، مجاہدے، ریاضت اور یکسوئی سے ناری صورت میں یہ لطیفہ زندہ اور بیدار ہوجاتا ہے اور یہ نوری اور ناری صورت میں لطافت اختیار کرتا ہے اور وہ زندہ و بیدار ہوکر نفس کے لطیف عالمِ ناسوت میں داخل ہوجاتا ہے ناری نفس کے ہمراہ جن، شیاطین اور سفلی ارواح باطن میں ملاقی اور رفیق بن جاتے ہیں جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض لہٗ شیطاناً فھو لہٗ قرین ؕ[1] یعنی جو جان بوجھ کر خدا کے ذکر سے اندھا ہوجائے تو ہم شیطان کو اس پر مسلّط کر دیتے ہیں اور وہ اس کا ساتھی ہوجاتا ہے۔ یورپ کے سپر چولسٹ (SPIRITUALIST) اس مقام میں جن، شیاطین اور سفلی ارواح کی حاضرات کرتے ہیں۔ اسی مقام میں کاہنوں کی کہانت اور ساحروں کے سحر کا عمل ہوتا ہے اور اسی مقام میں ہپناٹسٹ (HYPNOTIST) اپنے معمول کو مقناطیسی نیند سُلاکر اس سے کام لیتا ہے۔ یہ لطیفۂ خام اور خوابیدہ حالت میں ہر شخص کے اندر موجود ہوتا ہے اسی کے ذریعے انسان خواب دیکھتا ہے اسی کو نفس تحت الشعور (SUB-CONSCIOUS MIND) بھی کہتے ہیں جس کے ذریعہ مسمرسٹ مسمرازم کے عمل کرتا ہے۔ اس لطیفے کے عجائبات بے شمار ہیں[2] اور اہل مسمریزم جو مختلف شعبدے

---

[1] قرآن مجید

[2] عرفان حصہ اوّل ص ۹۸ - ۱۱۰

دکھاتے ہیں دنیا کے تمام ساحر و جادوگر اور جملہ سفلی عاملین کی دوڑ دھوپ اسی ادنیٰ لطیفۂ نفس تک محدود ہوتی ہے۔ سچ پوچھو تو یورپ کی سپر چولزم، ہپناٹزم اور مسمرازم والے سب اسلامی باغِ تصوّف کے ابتدائی خام میوے کے خوشہ چین ہیں۔

ہپناٹزم کا پیشرو ڈاکٹر مسمر ہے۔ ڈاکٹر مسمر آسٹریا کے تخت ویانا کا رہنے والا تھا یورپ کے اندر اس علم کو فروغ سب سے زیادہ ہنگری اور اس کے بعد آسٹریا میں ہُوا۔ یورپ میں ہنگری وہ ملک ہے جسے ٹرکی کے مشہور بگتاشی صوفیوں نے اپنا سب سے بڑا روحانی مرکز بنایا تھا بوڈاپسٹ میں حضرت بابا گلشن بگتاشیؒ کا مزار آج بھی مرجع انام ہے یہاں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ عیسائی بھی اپنی مرادیں مانگنے کے لیے بکثرت جاتے ہیں۔ حضرت بابا گلشنؒ کے متعلق مشہور ہے کہ یہ بزرگ مریضوں پر ہاتھ پھیر کر اُن کے مرض دُور کر دیتے تھے ان کے مزار کے قریب ایک چھوٹا سا چشمہ ہے جس کے پانی کو آج تک دفعِ امراض کے لیے اکسیر سمجھا جاتا ہے۔ اٹھارھویں صدی کے وسط میں حاجی قندش بگتاشی ہنگری کے مشہور ترین صاحبِ کرامت بزرگ ہو گزرے ہیں ان کی خانقاہ ہنگری کے قصبہ ناغی کنزسا (NAGHI KANTZSA) تھی ابی سینیا وغیرہ کے ہزاروں مسلمانوں کے علاوہ بہت سے عیسائی بھی ان کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے یورپ کے مشہور مستشرق ڈاکٹر زویمر نے حاجی قندش بگتاشی کے حالات قلمبند کرتے ہُوئے لکھا ہے کہ جب حاجی صاحب کے سامنے کوئی مریض لایا جاتا تھا تو آپ چند دعائیں پڑھ کر اُس پر دم کرتے تھے اور اُسے چت لِٹا کر دونوں ہاتھ اس پر پھیرتے تھے تو مریض چند ہی منٹوں میں صحت یاب ہو جاتا تھا ان کے متعلق یہ بھی مشہور تھا کہ اُن کا عطا کردہ تعویذ جس شخص کے بازو سے بندھا ہوتا اس پر تلوار، سنگین اور بندوق کی گولی اثر نہیں کرتی تھی اور حاجی صاحب تلواروں، سنگینوں اور گولیوں کے گہرے زخموں کو ہاتھ پھیر کر اور اپنا لعابِ دہن لگا کر اچھا کرتے تھے اور یہ بات بھی آپ کی نسبت مشہور تھی کہ آپ جس شخص کی طرف گھُور کر دیکھتے تھے وہ شخص بے ہوش اور بیخود ہو جاتا تھا اس لیے حاجی صاحب اکثر اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رہتے تھے۔

ڈاکٹر مسمر کی شہرت کا آغاز اٹھارھویں صدی کے آخری حصّے میں ہُوا جس طرح سے اور بہت سے عیسائی حضرت حاجی صاحب کے سلسلہ بگتاشی میں داخل تھے اس طرح ڈاکٹر مسمر کو بھی

حضرت حاجی صاحب یا ان کے کسی خلیفہ سے ارادت تھی ڈاکٹر مسمر نے اُن سے اسلامی تصوّف کا طریقۂ توجہ معلوم کیا اور سیکھا اور بعدہٗ اس کو مادیت کا رنگ دے کر حیوانی مقناطیسیت کے نام سے موسوم کر کے سلبِ امراض میں استعمال کیا۔ علم تنویم یا مسمریزم اور ہپناٹزم کے دامن میں جو کچھ بھی ہے وہ صوفیوں کے ابتدائی لطیفۂ نفس کے اشتغال کا دھویا ہوا خاکہ اور چربہ ہے فرق اگر کچھ ہے تو یہ ہے کہ تصوف کامل ہے اور مسمریزم ناقص، تصوف نور ہے اور مسمریزم نار ہے تصوف کا رُخ دین کی طرف ہے اور مسمریزم کا رُخ دنیا کی جانب ہے۔ تصوف کا مرجع خدا ہے اور مسمریزم کا مرجع دنیا و مافیہا ہے۔[1]

علمائے روحانیات (SPIRITUALISTS) کے دعوے کی حقیقت

یورپ کے سپرچولسٹ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم متوفی کی رُوح کو بلا کر اس سے بات چیت کرا سکتے ہیں یہ درست ہے کہ وہ میڈیم کے ذریعہ کسی چیز کو بلاتے ہیں جو یہ دعویٰ کرتی ہے کہ میں فلاں آدمی کی رُوح ہوں جب اس فوت شدہ آدمی کے لواحقین اس روح سے اپنے خانگی مخفی حالات پُوچھتے ہیں تو وہ سب کچھ صحیح بتا دیتی ہے جس سے انہیں کامل یقین ہو جاتا ہے کہ واقعی یہ ہمارے متوفی باپ یا دادا کی رُوح ہے پھر یورپ کے وُہ عیسائی سپرچولسٹ اس روح کی زبان سے اسلام کے مسلّم عقائد کے خلاف کہلواتے ہیں اور عیسائیت کی حقانیت اور ان کے عقائد پر نجات یافتہ ہونے کا پروپیگنڈا روح کی زبان سے کرواتے ہیں تو اس موقع پر بڑے بڑے پختہ ایمان والے بھی شک اور وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں چہ جائیکہ ایک عام آدمی جس کو اسلام سے لگاؤ کم ہو وہ متاثر ہوئے بغیر کب رہ سکتا ہے اس میں مسلمانوں کے عیسائی ہو جانے کا شدید خطرہ لاحق ہو گیا علمائے کرام جو تثلیث، کفّارہ اور دیگر عیسائیوں کے عقائد باطلہ کے خلاف تقریر و تحریر سے تردید کر کے اپنا حق ادا کر رہے تھے مگر اس سازش کا جو اسلام کے خلاف ایک نئی چیز تھی اس کا رد کرنا اُن کے بس کی بات نہیں تھی یہ کسی کامل ولی اللہ کا کام تھا کہ وہ اس فریب کاری اور دھوکہ دہی کا پردہ چاک کرتا۔ چنانچہ حضرت فقیر نور محمد صاحب کلاچویؒ جو عربی و فارسی زبان کے علاوہ انگریزی بھی

---

[1] عرفان حصہ اول ص ۱۰۹

پوری طرح جانتے تھے انہوں نے سپر چولسٹوں کے اس دعویٰ پر غور کیا ان کے رسائل ، لٹریچر اور اخبار منگوا کر اس کی پوری حقیقت سے آگاہی حاصل کی اور باطنی طور پر آپ نے روحوں سے مل کر اس فریب دہی کا کھوج لگایا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ سپر چولسٹ جس چیز کو بلاتے ہیں وہ رُوح نہیں بلکہ اس کا ہمزاد ہوتا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں سو اصل بات یہ ہے کہ اسلامی عقائد کے مطابق جس وقت انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایک شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس بارے میں سوال کیا گیا کہ آیا آپ پر بھی مسلط کر دیا گیا ہے ؟ تو آپ نے فرمایا ہاں! میرے ساتھ بھی ایک شیطان لگا دیا گیا ہے لیکن مجھے اس پر غلبہ عطا کیا گیا ہے اور وہ مسلمان ہوگیا ہے۔" یہ ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے جسے ہمزاد ، قرین یا ڈپلیکیٹ بھی کہتے ہیں۔ جب آدمی مر جاتا ہے تو وہ لطیف معنوی جسم اولاد کی طرح پیچھے رہ جاتا ہے۔ یہ سپر چولسٹ متوفی انسان کے کسی ایسے علمی جُثّہ کو حاضر کر لیتے ہیں اور وُہ اپنے آپ کو اسی مردہ متوفی کا جسم اور جون یا رُوح بتاتا ہے [1]

ہمزاد کے کہنے سے اسلامی عقائد پر کوئی حرف نہیں آتا

جب وُہ رُوحیں آتی ہیں تو گھر والوں کے نام لے لے کر ان کو پکارتی ہیں ان کے آپس میں جو خفیہ راز ہوتے ہیں وُہ بتا دیتی ہیں۔ صحیح صحیح حالات کے بتانے سے ملاقات کرنے والے کو یہ یقین آجاتا ہے کہ واقعی یہ ہمارے ہی آباؤ اجداد ہیں چونکہ یہ ہمزاد زندگی بھر اس انسان کے ساتھ رہتا ہے وُہ انسان کے تمام حالات و معاملات سے واقف ہوتا ہے یہاں تک کہ وُہ علوم جو انسان دنیا میں حاصل کرتا ہے یا کوئی کتاب لکھتا ہے اس کا بھی وُہ عالم ہوتا ہے اس کے تمام رشتہ داروں ، دوستوں اور اس کی تمام زندگی کے ہر نشیب و فراز سے آگاہ ہوتا ہے۔ جب انسان مر جاتا ہے تو وہ فضائے ایتھر میں کافی عرصہ تک زندہ رہتا ہے کیونکہ اس کی عمر بہت لمبی ہوتی ہے اس لیے کہ وُہ جن کی قسم سے ہوتا ہے اگرچہ بعض صفات میں منفرد بھی ہے

---

[1] عرفان تصنیف فقیر نور محمد کلاچوی

لیکن وُہ اسلامی عقائد کا پابند نہیں ہوتا جس طرح عامل اس کو کہے وہ اسی طرح کہتا جاتا ہے ۔ چنانچہ ان رُوحوں کی زبان سے بعض ایسی باتیں بھی سُننے میں آئیں جن سے تمام مذاہب پر زد پڑتی ہے، خصوصاً اسلامی عقائد پر، مثلاً یومِ حساب، یومِ آخرت، عذابِ قبر، حشر و نشر، منکر نکیر، سزا و جزا، جنّت و دوزخ وغیرہ کا انکار اگر اُن آنے والی رُوحوں کو صحیح مان لیا جائے تو وُہ ان سب چیزوں کا انکار کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ان میں سے کوئی چیز بھی یہاں نہیں ہے نہ جنت نہ دوزخ نہ خدا۔

ابتداء میں یورپ والے روحوں کو نہیں مانتے تھے لیکن جب سے روحوں کو ماننے لگے ہیں اب خدا سے بھی منکر ہو بیٹھے ہیں اس قسم کی دہریت اور بے دینی نے اُن کو ایسی دلدل میں پھنسا دیا ہے جس سے ان کا نکلنا مشکل ہو گیا ہے اس کے اثرات مسلمانوں تک بھی پہنچ چکے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا سانحہ ہے اور چونکہ اسلامی عقائد کے خلاف اِک کُھلا چیلنج تھا اس لیے حضرت فقیر صاحبؒ نے اس چیلنج کو قبول کیا اور اس کے خلاف آواز اٹھائی اور ان کی فریب دہی کی قلعی کھول دی اور فرمایا کہ ایک شیطان کے کہنے سے جسے مرنے کے بعد عالمِ ناسُوت میں ہی رکھا جاتا ہے اور اسے حساب کتاب، منکر نکیر اور عذابِ قبر اور سوال و جواب سے واسطہ نہیں پڑتا مختلف آسمانی مذاہب اور خصوصاً اسلام پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ انسان کی اصلی رُوح ہی ان حقائق کو بتا سکتی ہے جسے برزخ میں یہ حالات پیش آتے ہیں اور پھر ہمزاد جھوٹ بھی بول سکتا ہے لیکن اصلی روح جھُوٹ نہیں بولتی لہٰذا عذاب جانکندن، قبر کے سوال و جواب اور دیگر اسلامی عقائد اپنی جگہ مسلّم اور قائم ہیں۔

جو شخص تمام عالمِ باطنی کو طے کر چکا ہو اور عالمِ ارواح کے سیر کرنے کی قوت رکھتا ہو وہی ان باتوں کو سمجھ سکتا ہے عالمِ ناسوت میں پھنسے ہُوئے سپر چولسٹ صرف ہمزاد جو عالمِ ناسُوت یعنی عالمِ سفلی کی چیز ہے اسے حاضر کر کے بہت بڑا کمال سمجھتے ہیں حالانکہ ایک عالمِ علمِ دعوت القبور جو باطن میں ایسی ایسی نورانی مجالس میں حاضر ہوتا ہے اور کئی مرتبہ تمام ارواح سے ملاقات کرتا ہے جس سے اس کے قلب میں ایک نُور پیدا ہوتا ہے جس سے وُہ تمام دنیا کو روشن و منوّر کر دیتا ہے باطن میں ایک اولیاء اللہ کی رُوح سے ملنے سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اسے باطن سے واقفیت رکھنے والا شخص ہی بتا سکتا ہے کہ اس میں کیا کیا لُطف و سرور پیدا ہوتے ہیں صاحبِ دعوت

کئی کئی دن تک اس نشہ میں مست و مخمور رہتا ہے۔

سید محمد الحریری البیومی نے ہمزاد اور وسیط کا یوں تجزیہ کیا ہے:

مِنَ الْمَعْلُوْمِ فِيْ كُلِّ الْاَدْيَانِ قَدِيْمًا
وَحَدِيْثًا وَخُصُوْصًا فِي الدِّيْنِ الْاِسْلَامِيِّ
اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ مَعَ كُلِّ اِنْسَانٍ قَرِيْنًا
يُوْلَدُ مَعَهٗ مِنْ عَالَمِ الرُّوْحَانِيَّةِ
وَهِيَ مَسْئَلَةٌ مَعْلُوْمَةٌ اَخْبَرَ بِهَا
النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالُوْا وَاَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
لَكَ قَرِيْنٌ قَالَ نَعَمْ اِلٰى قَرِيْنٌ
اَسْلَمَ وَلَا يَاْمُرُنِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ[1]

تمام نئے اور پرانے ادیان میں یہ بات مشہور ہے خاص طور پر اسلامی عقائد میں کہ اللہ تعالیٰ جب انسان کو پیدا کرتا ہے تو اس کے ساتھ ایک ہمزاد بھی مسلط کر دیا جاتا ہے چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اس بات کی خبر دی تو صحابہ کرام نے حضور سے دریافت کیا کہ کیا یا رسول اللہ آپ کے ساتھ بھی ہے فرمایا" ہاں میرے ساتھ بھی ہے لیکن وہ مسلمان ہو چکا ہے اور مجھے بھلائی کا حکم دیتا ہے۔

آگے بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ قرین انسان کے ساتھ ہر وقت رہنے کی وجہ سے اس کی پوری زندگی سے واقف ہوتا ہے اور انسان کے مرنے کے بعد وہ ایتھری جسم سے اسی عالمِ ناسوت میں پھرتا رہتا ہے۔ یہ لکھ کر اب سپر چولسٹوں کے حاضر کرنے کے متعلق لکھتے ہیں:

فَاِذَا اجْتَمَعَتْ جَمَاعَةٌ لِاِسْتِحْضَارِ
رُوْحِ شَخْصٍ مُتَوَفّٰى وَطَلَبَتْهُ بِاَيِّ
وَسِيْلَةٍ مِّنْ وَسَائِلِهِمْ قَدْ يَحْضُرُ
هٰذَا الْقَرِيْنُ بِالْجَاذِبِيَّةِ الرُّوْحِيَّةِ
اَوِ التَّوَجُّهُ الْفِكْرِيُّ اِلٰى هٰؤُلَاءِ الْجَمَاعَةِ

جس وقت ان (سپر چولسٹوں) کی جماعت کسی متوفی کی روح کو بلانے کے لیے حلقہ بناتی ہے تو وہ ہمزاد ان کی قوت جاذبہ اور توجہ سے میڈیم یعنی وسیط کے اندر آ کر کہتی ہے کہ میں فلاں متوفی کی روح ہوں اس کا

---

[1] الروح وماتیہا ص ٣٣ مطبوعہ مصر

وَيُمْلِي إِلَى وَسِيطِهِمْ أَنَّهُ فُلَانٌ الْمُتَوَفّٰى وَهُوَ صَادِقٌ فِي تَعْبِيرِهِ وَ مُخْطِيٌ فِي الْحَقِيقَةِ وَنَفْسِ الْاَمْرِ فَيُخْبِرُهُمْ بِحَوَادِثِ شَخْصِهِ الْمُتَوَفّٰى وَأَطْوَارِهِ وَأَحْوَالِهِ وَمَاضِيهِ بِالضَّبْطِ فَيَعْتَقِدُ الْحَاضِرُوْنَ أَنَّهُمْ أَحْضَرُوْا رُوْحَ فُلَانٍ وَّهُمْ مُخْدَعُوْنَ هٰذَا۔

ہمزاد ہونے کی وجہ سے تو وہ سچا ہوتا ہے لیکن روح کہنے کی وجہ سے جھوٹا ہوتا ہے۔ ان کو متوفّٰی کے تمام حالات و واقعات گزشتہ بتا دیتا ہے حاضرین کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ اسی متوفی کی رُوح ہے حالانکہ ان کو دھوکا دیا جاتا ہے اگر یہ ایسا ہی ہو جیسے وہ آکر کہتی ہے کہ میں فلاں کی رُوح ہوں)

آگے لکھتے ہیں؛

وَلَوْ كَانَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ وَاَنَّ الْاَرْوَاحَ تُسَبِّحُ فِي الْفَضَاءِ بَعْدَ الْمَوْتِ بِدُوْنِ رَابِطٍ لَبَطَلَ مَا جَاءَتْ بِهِ الْكُتُبُ السَّمَاوِيَّةُ مِنْ اَنَّ هُنَاكَ بَرْزَخٌ لِلْاَرْوَاحِ تَمْكُثُ فِيْهِ لِحِيْنِ يَوْمِ الْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ مِنْ جَنَّةٍ اَوْ نَارٍ حَسْبَ اَعْمَالِهَا۔ [1]

اور مرنے کے بعد روح بھی بغیر کسی قید و بند کے ہر جگہ پھرتی رہتی ہو تو وہ مسئلہ جو تمام آسمانی کتابوں میں ہے کہ جنت و دوزخ میں جانے سے پہلے روح برزخ میں رہتی ہے غلط ہو جائے گا۔

کیونکہ عام لوگوں کی رُوحیں برزخ میں ایک خاص قانون کے تحت بند ہوتی ہیں اور خبیث رُوحیں کچھ قید میں محبوس ہوتی ہیں اور کچھ مکمل آزاد لیکن ان خبیث آزاد روحوں کو بھی بُلانے کے قواعد و ضوابط ہوتے ہیں جن سے ان کو بلایا جا سکتا ہے جس طرح جادوگر اور سفلی عملیات کے ماہر لوگ بلا کر ان سے کام لیتے ہیں۔

روح صرف اولیاء اللہ اور بزرگوں کی مرنے کے بعد مکمل طور پر آزاد ہوتی ہے خصوصاً انبیاء علیہم السلام کی لیکن ان کی ملاقات صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے ریاضت سے

---

[1] الروح وماہیتہا ص ۳۴ تا ۳۵

حجاباتِ نفسانی کو دُور کر لیا ہو اور ان پر عالم ملکوت منکشف ہو چکا ہو وہ سوتے جاگتے ہر حالت میں ان سے ملتے ہیں ان سے فیض حاصل کرتے ہیں یہاں تک کہ جو بڑے اولیاء اللہ ہیں اور انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بیداری کی حالت میں مل کر خاص خاص باتیں کرتے ہیں۔ اس کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ایک رسالہ تنویر الحلک فی رویۃ الجن والملک اور دیگر رسائل لکھے ہیں اور اس سلسلے میں بہت سے رسائل اور کتابیں لکھی جا چکی ہیں ان کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ لوگ جو بیداری کی حالت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کرتے ہیں وہ ابراہیم متبولیؒ، ابوالحسن شاذلیؒ، ابراہیم دسوقی، سید احمد بدویؒ، حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانی قدس سرہٗ اور حضرت احمد رفاعیؒ وغیرہم ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ امام شعرانیؒ نے طبقات الکبریٰ میں ان واقعات کو تحریر کیا ہے اور اسی طرح کے واقعات مناوی اور طبقات اہل یمن میں بھی درج ہیں۔

سپرچولسٹوں اور اولیاء اللہ کی رُوحانی طاقتوں کا بیّن فرق

ابھی پچھلے صفحوں میں بتایا گیا ہے کہ ڈاکٹر مسمر اور دیگر عیسائی لوگ مسلمان صوفیاء کی خدمت میں جاتے اور اُن سے باطنی روحانی پاور پیدا کرنے کے طریقے سیکھتے رہے خاص طور پر توجہ اور یکسوئی پیدا کرنے اور قوت ارادی کے بڑھانے کے پُراسرار رموز و نکات سے واقفیت حاصل کی پھر انہیں قوتوں کو حاصل کر کے ان کو سطحی، مادی اور طلسماتی رنگ دے کر مسمرازم، ہپناٹزم اور سپرچولزم کے موجدِ اعلیٰ بننے کی تشہیر کی۔ صوفیائے کرام ابتداء میں تصوّر اسم اللہ ذات کی مشق کراتے ہیں جس سے قلب و رُوح میں ایک نور پیدا ہوتا ہے اسی نوری رشتے کا تعلق اپنے مسمّٰی خالق کائنات حضرت واجب الوجود کے ساتھ ہے اس لیے جب صاحبِ تصوّر کی توجہ، تفکّر اور تصرّف نقش اسم اللہ ذات پر مجتمع ہو جاتے ہیں تو یک دم طالب عالمِ ناسوت سے پرواز کر کے برقِ براق کی طرح عالم ملکوت، جبروت اور لاہوت میں جا داخل ہوتا ہے۔

یورپ میں مسمرازم، ہپناٹزم اور سپرچولزم والوں نے تصوّر اسم اللہ ذات کا چربہ اور نقل اتاری ہے یاد رہے کہ بظاہر مسمرازم اور تصور اسم اللہ ذات کا اصول تقریباً ایک ہی ہے چنانچہ مسمرازم والے اپنی نگاہ کو کسی خاص نقطے پر مثلاً شیشے کے گولے یا چراغ یا بتی کی لو یا بجلی کے قمقمے غرض کسی

خاص روشن چیز پر جمانے کی مشق کرتے ہیں جسے ان کی اصطلاح میں کنسنٹریشن (CONCENTRATION) کہتے ہیں۔اسی طرح تصور اور خیال کی مشق سے وہ لوگ ایک برقی طاقت حاصل کر لیتے ہیں جس کے ذریعے عامل اپنے معمول پر توجہ ڈال کر اُسے بیخود اور بے ہوش کر دیتا ہے اور اُسے مقناطیسی نیند سُلا دیتا ہے اور اس کے ضمیرِ اعلیٰ (UN-CONSCIOUS MIND) لاشعور میں اپنی قوت اور قوتِ خیال سے کام لیتا ہے اور معمول کو جو امر کرتا ہے وہی امر بجا لاتا ہے مگر یہ طاقت چونکہ وجود عنصری کی پیداوار ہوتی ہے اور نفسِ ناسوتی کا ایک کرشمہ ہے لہٰذا اس علم کا عامل محض مقامِ ناسوت میں سفلی معاملے اور محض مادی شعبدے اور ظاہری تماشے دکھا کر کم علم لوگوں کو حیران کر دیتا ہے اور اسی قوت سے دماغی اور عصبی امراض کا ازالہ بھی ہو سکتا ہے لیکن اس سے کوئی پائیدار اور اصلی رُوحانی فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مسمرائیزر اور ہپناٹائیزر کا معاملہ محض ناسوت تک محدود ہے اور اس سے آگے تجاوز نہیں کرتا مقامِ ملکوت میں اس کو کوئی دخل نہیں لیکن برخلاف اس کے اگر کوئی شخص بجائے مفروضہ مادی نقطے کے اسم اللہ ذات کے نقشِ مکرم پر اپنے خیالات، حواس اور تصوّر و تفکر و توجہ مجتمع کرے تو وہ اس سے ایک زبردست غیر مخلوق لازوال باطنی برقی قوت حاصل کر لیتا ہے جس کا تعلق اس ذاتِ بے مثل اور لایزال کے بحرِ انوار کے ساتھ ہو جاتا ہے جو تمام کائنات کا مبداء و معاد ہے اور جس کا یہ نوری نقطہ باعث موجب ہر ایجاد ہے اسی وسیلہ کے ذریعے سے انسان کے اندر عالمِ غیب اور باطنی دنیا کی طرف نوری روزن اور باطنی راستہ کُھل جاتا ہے یہی اسم اللہ ذات تمام ظاہری و باطنی علوم و معارف و اسرار اور جملہ ذاتی، صفاتی و افعالی و اسمائی انوار اور کل عالم ناسوت، ملکوت، جبروت اور لاہوت اور سارے مقاماتِ شریعت، طریقت اور معرفت اور جمیع اذکار و لطائف نفسی، قلبی، رُوحی، سرّی، خفی، اخفیٰ، انا اور کل درجاتِ اسلام، ایمان، ایقان، عرفان، قرب، محبّت، مشاہدہ اور وصال تک پہنچنے کا واحد ذریعہ اور ان باطنی خزائن کے کھولنے کی واحد کنجی ہے۔

اوّل جوہرِ حیات اور لطیفۂ نفس

وہ ادنیٰ باطنی شخصیت یا اوّل جوہرِ حیات جس کا پتہ ابھی حال ہی میں یورپ کو لگا ہے۔ ہمارے سلف صالحین اسے صوفیائے کرام کی اصطلاح میں لطیفۂ نفس کہتے ہیں۔ یہ لطیفہ ہر انسان کے اندر

خام ناتمام حالت میں موجود ہے۔ اسی وجود کے ذریعہ انسان خواب کے اندر داخل ہوتا ہے نفس کا یہ لطیفہ جسدِ عنصری کو لباس کی طرح اوڑھے ہوئے ہے ہمارے اہل سلف کاملین اور سچے عارفین کے نزدیک سب سے ادنیٰ باطنی شخصیت نفس کی ہے اس سے بڑھ کر اعلیٰ اور ارفع شخصیتیں انسان کے اندر بتدریج سلکِ سلوک باطنی سے پیدا ہوتی ہیں جنہیں لطیفۂ قلب، لطیفۂ رُوح، لطیفۂ سِر، لطیفۂ خفی، لطیفۂ اخفیٰ اور لطیفۂ انا کہتے ہیں اہلِ یورپ کو ان دیگر اعلیٰ اور ارفع شخصیتوں کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں انہیں صرف لطیفۂ نفس کا ادراک حاصل ہُوا ہے جو جسدِ عنصری کو لباس کی طرح اوڑھے ہوئے ہے اور جس وقت وُہ خواب کی دنیا میں جا داخل ہوتا ہے تو وہاں وُہ ایک لطیف مثالی صورت اختیار کر لیتا ہے اس کا جہاں عالمِ ناسوت ہے اس عالم میں نفس، سفلی ارواح، جن اور شیاطین سے بھی دوچار ہوتا ہے کیونکہ عالمِ غیب کی یہ سفلی ارواح بھی اسی عالم میں رہتی ہیں شریعت کی پابندی اور مرشدِ کامل کی توجہ اور نظرِ التفات اور ذکر و فکر میں ریاضت اور مجاہدے سے سالک کے نفس کا تزکیہ ہوتا رہتا ہے تو نفس امارہ سے لوامہ اور لوامہ سے ملہمہ اور ملہمہ سے مطمئنہ ہو جاتا ہے اگر اس کی اصلاح اور تربیت نہ کی جائے تو یہ اپنی سرکشی، تمرد اور طغیان میں ترقی کرتا ہے اور انسان سے حیوان، حیوان سے درندہ بلکہ مطلق شیطان بن جاتا ہے اسے امارہ کہتے ہیں یہ نفس کفّار، مشرکین، منافقین اور فاسقین و فاجر لوگوں کا ہوتا ہے۔ لطائف کی مکمل تشریح اور ان کی طیر، سیر اور مقام و حال اور ان کے رنگ اور ذکر اور ان کی قوتوں کے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں[1]

علم استحضار الارواح، دعوت القبور اور کشف القبور یہ کوئی نئی دریافت نہیں صوفیاءِ کرام اس کا صدیوں پہلے اظہار کر چکے ہیں یورپ، امریکہ اور فرانس کے روحانیوں نے جو اس کے متعلق تھوڑی سی کامیابی حاصل کی ہے یہ صوفیائے کرام کی روحانیت کا چھلکا ہے اصل علم اور مغز صوفیائے کرام کے پاس ہے۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سپر چولسٹ ارواح کو حاضر کرنے کی طاقت سے محروم ہیں اور یہ صرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے اولیاء اللہ ہی بُلا سکتے ہیں، وہ صرف ہمزاد یا

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں 'عرفان' تصنیف حضرت فقیر نور محمد کلاچوی رح

جنّات کو بلاتے ہیں۔

لیکن خالی زبانی دعویٰ سے اس کی تردید نہیں کی جاسکتی کیونکہ جو شخص ان کی اس شعبدہ بازی سے متاثر ہوچکا ہو وُہ تو یہ کہے گا کہ اگر آپ کے پاس کوئی طاقت ہے تو آپ روح کو بلائیں وُہ مجھے اسی طرح اپنے متوفّی باپ، دادا کی رُوح ہونے کا یقین دلائے اور کہے کہ جس سے آپ پہلے مل کر بات چیت کرچکے ہیں وُہ میں نہیں تھا بلکہ میرا ہمزاد تھا اس نے تمھیں مغالطہ دیا ہے اور پھر وُہ شخص یہ بھی سوال کرسکتا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ بھی کوئی ہمزاد ہو تو مجھے کیسے یقین آئے کہ وُہ ہمزاد تھا یا یہ ہمزاد ہے اور رُوح نہ وہاں تھی اور نہ ہی یہاں ہے۔

جن لوگوں کی نگاہِ بصیرت کُھل چکی ہو اور وہ خاص باطنی روحانی جُثّہ سے ملاقات کرے اُسے فوراً معلوم ہوجائے گا کہ یہ رُوح ہے اور یہ ہمزاد، اسے تو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا البتہ جو لوگ بے بصیرت ہیں اُن کے لیے بزرگانِ دین نے کافی تجربوں کے بعد چند ظاہری علامات و نشانات مقرر کر دیئے ہیں جن سے اس حقیقت کا پتہ لگایا جا سکتا ہے مثلاً:

۱۔ جنّات کی تجلّی ناری سُرخی مائل ہوتی ہے اور ان کی تجلّی اور آواز بائیں طرف سے ہوتی ہے۔

۲۔ حاضرات کے وقت گندھک کے جلنے یا بالوں کے جلنے کی بُو اور دیگر قسم کی بدبو ملی جُلی ہوتی ہے۔

۳۔ شیاطین اور ارواحِ خبیثہ کا شعلہ پیٹھ پیچھے یا بائیں طرف سے بمع تعفن ظاہر ہوتا ہے۔

۴۔ ان کی حاضرات کے وقت دل میں گھبراہٹ، تنگی، تشویش، دنیاوی اور نفسانی وساوس کا ہجوم ہوتا ہے۔

برخلاف اس کے ملائکہ اور ارواح طیبہ کے علامات ان کے برعکس ہیں:

۱۔ ارواحِ طیبہ اور ملائکہ کی تجلّی سفید اور نور روشن ہوتا ہے اور یہ تجلیات و الہامات اُوپر سے یا بائیں طرف سے ہوتے ہیں۔

۲۔ حاضرات کے وقت دائیں طرف سے خوشبُو کے ہمراہ آئیں گے ان کی حاضری کے وقت خاص بھینی بھینی خوشبُو آنے لگتی ہے۔

۳۔ حاضری کے وقت عبادت، ذکر و فکر، تلاوت، نماز میں لذّت و فرحت آنے لگتی ہے۔

گاہے رقّت طاری ہو جاتی ہے وجود بھاری اور ثقیل ہو جاتا ہے اور اس ثقل پن میں بھی ایک سرور پیدا ہو جاتا ہے۔

ہر حال میں قلبی صفائی اور مہارت تامہ کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ اس میں اچھے اچھے عقلمند آدمی بہک گئے ہیں اور بڑے بڑے ذہین سپر چولسٹ اسی دھوکہ میں مبتلا ہیں۔

رُوح کے اوصاف

سیّد عبدالعزیز دباغ مغربی رحمتہ اللہ علیہ نے رُوح کے جو اوصاف بیان کیے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں[1]:

۱۔ ذوقِ انوار رُوح کا پہلا وصف ذوقِ انوار ہے اور یہ نور کے اندر جاری و ساری ہے جس کی وجہ سے رُوح اللہ تعالیٰ کے نور کو کائنات میں اور ان انوار کو چکھتی ہے جو عالمِ علوی میں ہوتے ہیں اس اندازے کے مطابق کہ جتنا خدا تعالیٰ نے اس کے حصّہ میں لکھ دیا ہے۔

ذوقِ روح اور ذوقِ جسم میں فرق ہے۔ یہ ذوق کئی لحاظ سے مختلف ہے:

ا۔ ذوقِ روح نورانی ہوتا ہے اس لیے اس کا تعلق بھی نُور سے ہوتا ہے برخلاف جسمانی ذوق کے کہ اس کا تعلق اجسام سے ہوتا ہے لہٰذا جب شہد کا جسم ہماری زبان سے لگتا ہے تو جسم کو شہد کی مٹھاس محسوس ہوتی ہے لیکن رُوح شہد کی مٹھاس کو شہد کے جسم سے محسوس نہیں کرتا بلکہ اس نورِ عقل سے محسوس کرتا ہے جس کی وجہ سے اس مٹھاس کی حقیقت قائم ہے یہی حال دیگر ذائقہ دار اشیاء کا ہے۔

ب۔ ذوقِ روح میں اتصال شرط نہیں ہے یعنی شہد کا ذائقہ جسم کو صرف اسی صورت میں حاصل ہوگا جب شہد زبان کے ساتھ لگے لیکن رُوح کے لیے یہ ضروری نہیں۔

ج۔ روح میں یہ ذوق کسی خاص حصّہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ ذوق تمام ظاہری اور باطنی جواہر میں سرایت کیے ہوئے ہے برخلاف جسم کے کہ ذوق وہاں صرف زبان کے ساتھ

---

[1] خزینۂ معارف اردو ترجمہ الابریز مرتبہ علامہ احمد بن مبارک سلجماسیؒ مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن

مخصوص ہے۔

د۔ ذوق روح تمام حواس میں پایا جاتا ہے مثلاً رُوح کسی ذائقہ دار چیز کو دیکھے گی تو پھر بھی اسے وُہ ذائقہ حاصل ہو جائے گا یا جب رُوح شہد کا لفظ سُنے گی تب بھی اپنے نور سے اس کا ذوق حاصل کر لے گی۔

اسی طرح رُوح جب جنّت یا رضوان یا رحمت کا لفظ سُنے گی تو ان کا صحیح حظ اُسے حاصل ہو جائے گا اسی طرح رُوح قرآن مجید کو سُنے گی تو سب سے پہلے اُسے ذوق حاصل ہوگا پھر اس کے بعد اسے اور مزے آئیں گے جن کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ الغرض رُوح اپنے تمام جسم اور جواہر سے مزہ لیتی ہے جو اسے تمام حواس کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ طہارت رُوح کا دُوسرا وصف طہارت ہے، طہارت سے مراد وہ صفائی ہے جس پر وُہ رُوح پیدا کی گئی ہے اور اس کی دُو قسمیں ہیں ایک معنوی اور دوسری حِسّی، حسّی طہارت تو اس لیے ہے کہ رُوح ایک نور ہے اور نور ایک انتہائی درجہ کا پاک اور صاف ہوتا ہے، اب رہی معنوی، اس سے مراد معرفتِ باطنی، اور معرفت ظاہری کا امتزاج ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ تمام مخلوقات خواہ وہ زبان دار ہو یا بے زبان، ذی حیات ہو یا جامد اپنے خالق کو پہچانتی ہے اور کوئی ایسی مخلوق نہیں جس کے تمام جواہر میں یہ معرفت باطنیہ نہ ہو پھر جس پر اللہ تعالیٰ کی عنایت ہو جائے تو اس کے لیے باطن بھی ظاہر کی طرح ہو جاتا ہے چنانچہ وہ تمام جواہر معرفتِ الٰہیہ کو محسوس کرنے لگ جاتا ہے اور باطن کی طرح ظاہر کے تمام اجزاء بھی عارف بن جاتے ہیں اور یہی معرفت الٰہیہ کا اعلیٰ درجہ ہے جو حق تعالیٰ نے تمام ارواح کو بخشا ہے لیکن باوجود اس کے وُہ صفائی میں برابر نہیں ہوتے کیونکہ بعض ارواح کا حجم چھوٹا ہوتا اور بعض کا بڑا اور اس میں شک نہیں کہ جس کا حجم بڑا ہوگا اس کے جواہر بھی زیادہ ہوں گے اسی وجہ سے اسے معرفتِ الٰہی بھی زیادہ ہوگی۔

۳۔ تمیز تیسرا وصف تمیز ہے اور یہ رُوح میں ایک قسم کا نُور ہے جس کی مدد سے روح اشیاء کی حقیقت کو کامل طور پہچان لیتی ہے لیکن اس پہچان کے لیے روح کسی تعلیم کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ محض دیکھ یا سُن کر ہی پہچان لیتی ہے کہ یہ کیا ہے اس کے حالات کیا ہیں

اس کا مبداء اور منتہیٰ کیا ہے اس کا انجام کیا ہوگا اور اسے کیوں پیدا کیا گیا ہے پھر اپنی اطلاع کے مطابق رُوحیں اس پر کھنے میں مختلف ہوتی ہیں۔ بعض ارواح کی اطلاع قوی ہوتی ہے اور بعض کی ضعیف۔

۴۔ بصیرت چوتھا وصف بصیرت ہے۔ اس سے مراد تمام اجزاء رُوح میں فہم اس طرح سرایت کرتا ہے جس طرح تمام حواس یعنی بصارت وسماعت و قوت شامہ اور لمس اجزاءِ رُوح میں سرایت کیے ہوئے ہیں چنانچہ علم تمام اجزاء میں موجود ہے اور بصر بھی تمام اجزاء میں موجود ہے یہی حال شم، ذوق اور لمس کا ہے چنانچہ رُوح ہر جہت سے دیکھتی ہے اور یہی حال باقی حواس کا ہے لہٰذا جب رُوح ذاتِ جسم سے محبت رکھتی ہے اور ان دونوں کے درمیان سے حجاب اُٹھ جاتے ہیں تو وُہ اسے اس بصیرت سے مدد دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذات کے سامنے اور پیچھے، اُوپر اور نیچے، دائیں اور بائیں اپنے تمام اجزاء کے ذریعہ دیکھتی ہے اور اسی طرح سُنتی ہے اور سُونگھتی ہے وغیرہ الغرض جو شان رُوح کی ہوتی ہے وہی جسم کی ہو جاتی ہے اسی مقام پر اولیائے کرام کہتے ہیں: ارواحنا اجسادنا و اجسادنا ارواحنا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا:

اَقِیْمُوْا رُکُوْعَکُمْ وَسُجُوْدَکُمْ	اپنے رکوع اور سجود کو ٹھیک ادا کیا کرو
فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرَاکُمْ مِنْ اَمَامِیْ[1]	کیونکہ میں تم کو اپنے پیچھے سے ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسا سامنے سے۔

۵۔ عدمِ غفلت پانچواں وصف عدمِ غفلت کا ہے یعنی جس قدر روح کا مبلغ علم ہے اور جہاں تک رُوح کی نظر پہنچتی ہے اس سے علم کی ضد اور جہل کی تمام کیفیات ایسی منتفی ہوں کہ اس معلوم مقدار میں نہ سہو پیش آئے نہ غفلت نہ نسیان اور روح کے لیے حصولِ معلومات تدریجی نہیں ہوتے بلکہ یہ اُسے ایک ہی نظر میں حاصل ہو جاتا ہے اور نہ اس کا علم ایسا ہوتا ہے کہ اگر ایک چیز کی طرف متوجہ ہو تو دُوسرے سے غافل ہو جائے بلکہ یُوں ہوتا ہے

---

[1] مشکوٰۃ شریف: باب الرکوع

کہ جب ایک چیز کی طرف متوجہ ہو تو دوسری چیز بھی اس کے ساتھ حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ رُوح میں علوم فطری ہوتے ہیں اور ابتداءِ فطرت میں دفعتہً اسے حاصل ہو چکے ہوتے ہیں پھر یہ علوم اس کے لیے قائم رہتے ہیں جیسے اس کی ذات قائم ہے عدمِ غفلت سے مراد یہی ہے اور یہ وصف ہر رُوح میں موجود ہے صرف مقدارِ علم میں فرق ہوتا ہے بعض کے علوم قلیل ہوتے ہیں بعض کے کثیر۔

۶۔ سریان

چھٹا وصف قوت سریان ہے اور یہ اس طرح کہ حق تعالیٰ نے روح کو طاقت دی ہے کہ وُہ اجرام کو پھاڑ کر اُن میں داخل ہو جائے چنانچہ یہ پہاڑوں، پتھروں، چٹانوں اور دیواروں کی پھاڑ کر اُن میں گھس جاتی ہے اور ان کے اندر جہاں چاہتی ہے چلتی پھرتی ہے اور رُوح جب ذاتِ جسم سے محبت کرنے لگے اور اسے اپنا ساتھی بنانا چاہے تو روح اس قوت کی مدد سے جسم کی مدد کرتی ہے اور وُہ جسم بھی وہی کام کرنے لگ جاتا ہے جو رُوح کرتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے واقعات موجود ہیں جن کے اجسام میں بھی یہ وصف پایا جاتا ہے چنانچہ یحییٰ علیہ السلام کا قصہ مشہور ہے کہ آپ کی قوم نے آپ کو گرفتار کرنا چاہا تو آپ ان سے بھاگ کر ایک درخت کے اندر گھس گئے اور کئی اولیاء اللہ کو دیکھا گیا ہے کہ وہ بند دروازوں سے مکان کے اندر داخل ہو گئے اور مکان کے اندر پائے گئے اور ایک قدم اٹھایا مشرق میں رکھا اور دوسرا مغرب میں کیونکہ رُوح نے قوت سریان سے جسم کی مدد کر کے اسے اس فعل کے قابل بنا دیا۔

۷۔ مولمات اجرام کا عدمِ احساس

ساتواں وصف اجسام کو دکھ دینے والی اشیاء کا احساس نہ کرنا مثلاً بھوک، پیاس، گرمی اور سردی وغیرہ کیونکہ روح تو ان میں سے کسی چیز کو محسوس نہیں کرتی اسی طرح جب رُوح تیز چیز میں نفوذ کرتی ہے تو اسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رُوح اکمل اور اتم ہے آپ کی روح سلطان الارواح ہے اور یہ رُوح آپ کے جسم میں رضا، محبت اور قبول کی طرح ساکن ہو چکی ہے اور دونوں کے درمیان سے حجاب اٹھ چکے ہیں اس لیے آپ کی رُوح مقدس کا ذوق آپ کے کمال کے مطابق ہے اور آپ کے ظاہر ترابی جسم کا عوالم کو چیر کر نکل جانا ثابت ہے اور یہی وہ کمال ہے جس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں۔

چنانچہ آپ کی رُوح سب سے قوی اور سب ارواح سے بڑی قدر والی اور حجم کے لحاظ سے عظیم ترین رُوح ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح تمام زمینوں اور آسمانوں کو پُر کیے ہوئے ہے حضور کی اطلاع قوی ترین ہے کیونکہ دنیا کی کوئی شے آپ سے محجوب نہیں ہے اس لیے آپ کو عرش وفرش، علو وسفل، دنیا وآخرت اور دوزخ وجنّت سب کی خبر ہے آپ کو ہر آسمان کے فرشتوں کا پتہ ہے کہ کون فرشتہ کس فلک پر پیدا ہوا اور کب پیدا ہوا اور کیوں پیدا کیا گیا اور ان کا انجام کیا ہوگا اور آپ کو ان اختلافِ مراتب اور منتہائے درجات کا بھی علم ہے اور اسی طرح آپ کو ستّر حجابوں اور ہر حجاب کے فرشتوں کا بھی علم ہے اسی طرح آپ کو عالمِ علوی کے اجرام نیرہ کا بھی علم ہے مثلاً ستارے، سُورج، چاند، لوح، قلم، برزخ اور وہ رُوحیں جو برزخ میں ہیں، اسی طرح آپ کو ساتوں زمینوں اور ہر زمین کی مخلوقات اور بر و بحر کی تمام اشیاء کا علم ہے اسی طرح آپ کو جنت، اس کے درجات، اس کے رہنے والوں کی تعداد اور ان کے مقامات کی پوری واقفیت ہے علیٰ ہذا القیاس دیگر عوالم کے متعلق بھی آپ کے علم کا یہی حال ہے سب سے زیادہ علم والی اور سب سے قوی نظر والی رُوح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

یہ اوصاف آپ کی روح میں مکمل طور پر پائے جاتے ہیں اور جو رُوح میں اوصاف ہیں وہ جسم میں پائے جاتے ہیں۔

روح لامکانی ہے

امام رازی رحؒ نے روح کی تعریف میں جو بیان فرمایا ہے وہی اہل حق کا مذہب ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ الْقَائِلِیْنَ فِیْ اِثْبَاتِ[1]	خُوب جان لیں کہ روح کے اثبات کے
النَّفْسِ فَرِیْقَانِ الْاَوَّلُ مِنْهُمْ	قائلین کے دو فریق ہیں اوّل جو محققین ہیں
وَهُمُ الْمُتَّقُوْنَ مِنْهُمْ قَالَ الْاِنْسَانُ	ان میں سے بعض کا قول ہے کہ روح نہ
غَیْرُ مَوْجُوْدٍ فِیْ دَاخِلِ الْعَالَمِ وَ	عالم میں داخل ہے نہ خارج، نہ داخل
لَا فِیْ خَارِجِهٖ وَغَیْرُ مُتَّصِلٍ فِیْ	میں متصل نہ خارج میں، نہ متصل ہے
دَاخِلِ الْعَالَمِ وَلَا فِیْ خَارِجِهٖ	نہ اس سے منفصل لیکن انسانی بدن سے

[1] تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۴۴۴ تالیف امام فخر الدین رازیؒ

وَغَیْرُ مُتَّصِلٍ وَّلَا مُنْفَصِلٍ عَنْہُ   اس کا تعلق تدبیر و تصرف کا ہے۔
لٰکِنَّہٗ بِالْبَدَنِ تَعَلُّقُ التَّدْبِیْرِ وَالتَّصَرُّفِ۔

معلوم ہُوا کہ رُوح ایک جوہر مجرد ہے بہت لطیف ہے لامکانی ہے اس کے لیے مکان نہیں مکان مادیات کے لیے ہوتا ہے نہ مجردات کے لیے یہ بدن سے پہلے موجود تھا اور اس کے بعد بھی موجود رہتا ہے سنتا ہے دیکھتا ہے اس کی لامکانی کیفیت حدیث میں لفظ عماء سے بیان کی گئی ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا این کان ربنا تو آپ نے فرمایا "فی عماءٍ" یعنی لامکان میں تھا۔ لامکان کے لیے عماء کا لفظ اس لیے بولا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں عدم بینائی کے اور چونکہ ہماری عقل لامکان کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے اندھی ہے اس لیے اس کو عماء سے تعبیر کیا گیا۔

سوال : متکلمین کے نزدیک تجرد اخص صفات باری تعالیٰ سے ہے اگر یہ صفت رُوح کے لیے تسلیم کر لی جائے تو شرک فی الذات لازم آئے گا۔

جواب : اخص صفاتِ باری تعالیٰ سے وجوب اور قدمِ مطلق ہے نہ وہ تجرد جو مسبوق بالعدم ہو اور ممکن اور حادث بھی ہو۔

امام رازیؒ نے خوب جواب دیا ہے :

واعلم ان الجماعۃ من الجہال یظنون انہ لما کان الروح موجوداً لیس بمتحیّز ولا حال فی المتحیز وجب ان یکون مثلاً للّٰہ وذٰلک جہل فاحش وغلط قبیح وتحقیقہ ما ذکرنا ان المساواۃ فی انّہ لیس بمتحیز ولا حال فی متحیز مساواۃٌ فی صفۃ سلبیۃ لا توجب المماثلۃ[1]

"خوب جان لیں کہ جہاں کی ایک جماعت گمان کرتی ہے کہ جب روح موجود ہے کسی چیز میں متحیز نہیں ہے اور متحیز میں حال ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ خدا کی مثیل ہو یہ کہنا صریح جہالت اور بدترین غلطی ہے حقیقت یہ ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ وہ "غیر متحیز اور نہ متحیز میں حال ہے" یہ اوصاف سلبیہ میں مساوات ہے

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۴۴۵

جس سے مماثلت لازم نہیں آتی۔"

ثابت ہوا کہ باری تعالیٰ کے اوصاف سلبیہ اور اضافیہ میں غیر کا شریک ہونا شرک نہ ہوگا۔

شیخ الاسلام تقی الدین سبکی، امام اشعری، باقلانی، علامہ ابن قیم اور اکثر متکلمین بھی روح کی جسمانیت کے قائل ہیں۔

لیکن اہل سنت وجماعت کے امام غزالیؒ اور امام ابو منصور ماتریدی، امام فخر رازی اور بعض متکلمین روح کو جوہر مجرد کہتے ہیں۔

روح کے جوہر مجرد ہونے کا قول ہی صحیح ہے۔

عالم امر کی تعریف

پچھلے صفحات میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ رُوح کی پیدائش عالمِ امر سے ہے چنانچہ اس کی تعریف میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ یوں رقمطراز ہیں:

وَعَالَمُ الْاَمْرِ عِبَارَةٌ مِّنَ الْمَوْجُوْدَاتِ الْخَارِجِيَّةِ مِنَ الْحِسِّ وَالْخَيَالِ وَالْجِهَةِ وَالْمَكَانِ وَالتَّحَيُّزِ وَالْمَكَانِ وَهُوَ مَا لَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْمَسَاحَةِ وَالتَّقْدِيْرِ لِانْتِفَاءِ اللِّمِّيَّةِ عَنْهُ۔[1]	عالم امر عبارت ہے موجودات سے جو حس، خیال، جہت، مکان اور حیز سے خارج ہے عالم امر انتفائے لمیت کی وجہ سے مساحت و تقدیر کے تحت نہیں آ سکتا۔[2]

کون سی چیزیں عالم امر سے ہیں

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے الا لہ الخلق والامر کی تفسیر میں عالمِ امر کی تفصیل یوں

---

[1] رسالہ روح اور اس کی حقیقت عربی ص ۱۶

[2] حقیقت روح انسانی (اردو ترجمہ) ص ۲۹

بیان فرمائی ہے :

قَالَتِ الصُّوفِيَّةُ الْمُرَادُ بِالْخَلْقِ وَالْاَمْرِ عَالَمُ الْخَلْقِ يَعْنِي جِسْمَانِيَّةُ الْعَرْشِ وَمَا تَحْتَهُ وَمَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاُصُوْلُهَا الْاَرْبَعَةُ الْعَنَاصِرُ النَّارُ وَالْمَاءُ وَالْهَوَاءُ وَالتُّرَابُ وَمَا يَتَوَلَّدُ مِنْهَا مِنَ النُّفُوْسِ الْحَيَوَانِيَّةِ وَالنَّبَاتِيَّةِ وَالْمَعْدِنِيَّةِ وَهِيَ اَجْسَامٌ لَطِيْفَةٌ سَارِيَةٌ فِي اَجْسَامٍ كَثِيْفَةٍ وَعَالَمُ الْاَمْرِ يَعْنِي الْمُجَرَّدَاتِ عَنِ الْقَلْبِ وَالرُّوْحِ وَالسِّرِّيِّ وَالْخَفِيِّ وَالْاَخْفٰى الَّتِي هِيَ فَوْقَ الْعَرْشِ سَارِيَةٌ فِي النُّفُوْسِ الْاِنْسَانِيَّةِ وَالْمَلَكِيَّةِ وَالشَّيْطَانِيَّةِ سَرَيَانَ الشَّمْسِ فِي الْمِرْآةِ سُمِّيَتْ بِعَالَمِ الْاَمْرِ لِاَنَّ اللّٰهَ خَلَقَهَا بِلَا مَادَّةٍ بِاَمْرِهٖ كُنْ فَيَكُوْنُ قَالَ الْبَغَوِيُّ قَالَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ فَرَّقَ بَيْنَ الْخَلْقِ وَالْاَمْرِ مَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ كَفَرَ [1]

صوفیائے کرام نے کہا کہ مراد عالم خلق اور عالم امر سے یہ ہے کہ عالم خلق میں عرش اور جو ما تحت عرش ہے اور چیز آسمان اور زمین اور ان کے ما بین ہے شامل ہے اور اس کے اصول عناصر اربعہ آگ، پانی، ہوا اور مٹی اور جو چیزیں ان سے پیدا ہوتی ہیں۔ یعنی نفوس حیوانی ، نباتاتی اور معدنی ہیں اور یہ اجسام لطیفہ ان اجسام کثیفہ میں ساری ہیں سب عالم خلق سے ہیں اور عالم امر سے مراد مجردات ہیں یعنی (لطائف خمسہ) قلب و روح ، سری ، خفی ، اخفا یہ فوق العرش ہیں اور یہ نفس انسانیہ ، ملکیہ اور شیطانیہ میں یوں ساری ہیں جیسے سورج کی شعاعیں آئینہ میں ہوتی ہیں لطائف کو عالم امر اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کسی مادہ سے نہیں بلکہ "امر کن" سے پیدا کیا اور بغویؒ فرماتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ عالم امر اور عالم خلق دو مختلف چیزیں ہیں جس نے ان دونوں کو ایک سمجھا اس نے کفر کیا۔

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۳ صفحہ ۴۰۰ تالیف قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ

اس سے معلوم ہوا کہ روح اور دیگر لطائف عالمِ امر کی مخلوق ہیں جو بغیر مادّہ کے پیدا کئے گئے ہیں عالمِ امر کو عالمِ حیرت اور لامکان بھی کہتے ہیں۔

نفس اور رُوح

کسی شے کی ذات کو اس کا نفس کہتے ہیں جیسے یحذرکم اللہ نفسہٗ میں ہے۔ نفس کا اطلاق جب نفسِ انسانی پر کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ تنفس سے مشتق ہے چونکہ سب سے پہلے تارِ نفس یعنی سانس کے ذریعہ جسم انسانی سے اس کا تعلق پیدا ہوا اس لیے اسے نفس کہتے ہیں۔

روح —— ریح سے مشتق ہے اور ریح کے معنی ہوا کے ہیں۔ جب بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو تارِ نفس کے ذریعہ اس کے اندر انسانی رُوح داخل کر دی جاتی ہے جس کی وجہ سے انسان باہر آ کر سانس لے کر زندہ ہو جاتا ہے اس لیے اس کو بھی رُوح کہتے ہیں۔ ہوا جسم متحرک ہے اور رُوح ایک نورانی چیز ہے اس لیے را پر ضمہ اور یائے کو واؤ سے بدل دیا گیا ہے اس وجہ سے اس کی جمع ارواح آتی ہے اور ریح کی ریاح۔

لفظ رُوحَ، ریحَ، نفسَ، جانَ مترادف اور ہم معنی ہیں۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں اَنَّ النَّفْسَ وَالرُّوْحَ مُسَمَّاهُمَا وَاحِدٌ۔ نفس اور رُوح کا مصداق واحد ہے [1]

البتہ علامہ ابوالقاسم سہیلی نے روض الانف میں بحث کی ہے کہ رُوح اور نفس شے واحد ہے تغایر بوجہ اوصاف کے ہے باعتبار اولیت کے تو روح ہے جب فرشتہ ماں کے پیٹ میں پھونکتا ہے روح ہے جب پیدا ہوتا ہے اور کسبِ اخلاق اور اوصافِ حمیدہ یا ذمیمہ کرتا ہے اور بدن سے عشق و محبت پیدا کر لیتا ہے اور مصالح بدن میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس پر لفظ نفس بولا جاتا ہے۔ قبل از اکتساب اوصاف روح پر لفظ نفس کا بولنا ٹھیک نہیں جب یہ اوصاف سے متصف ہو جاتا ہے تو اس میں صفت غفلت اور شہوت پیدا ہو جاتی ہے تو اس پر لفظ نفس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفس اور روح کے درمیان فرق باعتبار صفات ہے نہ کہ باعتبار ذات۔ انسان میں ایک

---

[1] کتاب الروح تصنیف علامہ ابن قیم ص ۲۶۶

لطیفہ نفس بھی ہے جو لطائف ستہ میں سے ہے اور صوفیائے کرام کے نزدیک اس لطیفہ کا مقام جسم انسانی میں ناف کے متصل ہے۔ اسی طرح ایک لطیفہ رُوح بھی ہے جس کا مقام جسم انسانی میں دائیں پستان کے نیچے ہے۔

یہ لطائف رُوح اور نفس کی لطیف قوتوں کے نام ہیں جو انہی کے نام پر موسوم کی گئی ہیں نفس کی صفت غفلت و شہوت کو مجاہدہ اور ریاضت سے کم کیا جا سکتا ہے۔ ان رذائل کی کمی کا نام اصطلاحِ صوفیہ میں سکون ہے۔ سکون کے تین مدارج ہیں :

اوّل سکون تام و کامل یہ درجہ اطمینانِ نفس کا ہے اس درجہ میں نفس کو مطمئنہ کہتے ہیں۔

دوم سکون غیر تام و غیر کامل یہ نفس لوّامہ ہوا۔

سوم عدم سکون (مطلقاً) یہ نفس امّارہ ہوا۔

کیا مسلمان اور کافر کی رُوح ایک جیسی ہوتی ہے؟

مسلمان اور کافر کی رُوح بحیثیت تخلیق، لطافت اور کمالاتِ روحانی ایک جیسی ہوتی ہے بلکہ پیدائش کے وقت ہر مسلمان اور کافر کی تخلیق فطرتِ اسلامی پر ہوتی ہے جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلیٰ فِطْرَتِ الْاِسْلَامِ فابوان یہودانہ و یمجسانہ و ینصرانہ۔

یعنی ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، مجوسی اور نصرانی بنا دیتے ہیں۔ رُوح کے ادراکات اور حواس خمسہ کے احساسات اور دنیوی عقل و بصیرت مسلمان اور کافر کی ایسے جیسی ہوتی ہیں چنانچہ متقدمین حکماء اور فلاسفہ سنقراط، بقراط، افلاطون، جالینوس اور ارسطو وغیرہ بڑے ذہین اور صاحبِ کمالات تھے اور موجودہ جدید فلسفے اور سائنس کے بڑے بڑے مفکر مثلاً فرانسس، بیکن، ہاروے، کپلر، گلیلیو، ڈیکارٹ، نیوٹن اور اسپنوزا جیسے ورجنوں اہل فکر و نظر پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے سائنس میں ایسی ایسی محیر العقول اور عجیب و غریب ایجادیں کی ہیں جن سے دنیا والے بہت فائدے حاصل کر رہے ہیں پھر جس طرح ظاہری اور مادی علم والے

حضرات کافروں بیں ہوئے ہیں اسی طرح روحانی دنیا میں بھی کافروں میں بڑے بڑے اہلِ کمال پیدا ہوئے ہیں مثلاً متقدمین میں آرفیس، فیثاغورث، کرشن، رام چندر، مانی، کنفیوشس، گوتم بدھ، زرتشت جو بڑے بڑے مذاہب کے بانی اور روحانی نظریات کے موجد ہوئے ہیں اور متاخرین میں گورونانک، برگسان، آگسٹائن، طاؤمت وغیرہ اور سفلی عاملوں، جادوگروں اور شیطانی واستدراجی طاقتوں کے مالک جن کی ارواحِ خبیثہ آج بھی دنیائے کفر وضلالت میں کارفرما ہیں مثلاً عاد، شداد، نمرود، فرعون، ہامان، قارون، ہنومان، جے پال، بیر بتال، کلوا نارسنگھ اور کالی ناگنی وغیرہ ہیں۔

غرضیکہ علمی، عقلی، روحانی، ثقافتی، استدراجی اور غیر معمولی قوتوں کے حاملین کی کمی کافروں میں بھی نہیں ہے۔

پھر روحانی کمالات حاصل کرنے کے ذرائع ہر ملک وملت میں پائے جاتے ہیں صرف طریقِ کار میں فرق ہے اسلامی وعیسائی تصوّف ہو یا ہندی وتبتی یوگا سب میں چند چیزیں مشترک ہیں یعنی پاکیزگی افکار، اعمال، ذاتِ الٰہی میں محویت، ذکر وتسبیح، فرق صرف یہ ہے کہ مسلمان جسم وروح دونوں کے جائز تقاضوں کو پُورا کرتا ہے اور ایک یوگی تمام جسمانی ومادی خواہشات کو جھٹک کر کسی غار میں جا بیٹھتا ہے۔ اس افراط وتفریط کے باوجود صوفی ویوگی روحانی لذت سے برابر متمتع ہوتے ہیں جسم میں پرواز کی طاقت دونوں کو ملتی ہے حدودِ زمین وآسمان کو دونوں پھلانگ جاتے ہیں اور دونوں کی نظر محجوبات ودفائن کو دیکھ سکتی ہے۔

پھر اس عالم اسباب میں اللہ تعالیٰ کی رحمانیت کا ظہور ہو رہا ہے انسان بحیثیت مخلوق الٰہی خواہ وُہ کسی ملک وملت اور عقیدے سے تعلق رکھتا ہو اس عالم میں ترقی پذیر ہے، ہوا، پانی، مٹّی، آگ، لکڑی، لوہا، سونا، ہر قسم کی دھاتیں اور زمین سے نکلنے والے بے شمار خزائن تیل، پٹرول، گیسیں ہر قسم کی زمین سے پیدا ہونے والی غذائیں غرض کہ بلا تفریق ہر مذہب وملت یکساں طور پر ان سے فائدہ حاصل کر رہا ہے۔ یہ ساری کائنات انسان کے لیے بنائی گئی ہے۔ اور خدا تعالیٰ سب کا خالق، رازق، مالک ہے۔

پھر اس عالمِ اسباب میں جب خدا تعالیٰ مینہ برساتا ہے تو بلا استثناء سب مومنوں اور کافروں پر یکساں برستا ہے، سُورج نکلتا ہے تو سب رُوئے زمین کے رہنے والوں کو روشنی پہنچاتا ہے

غرض کہ جس طرح ایک مسلمان کائناتِ الٰہی سے فائدہ حاصل کرتا ہے اسی طرح ایک کافر بھی جن اسباب و علل سے قانونِ خداوندی نے کسی چیز کو وابستہ کر دیا ہے اس سے فائدہ حاصل کر رہا ہے۔

الحاصل مسلمان اور کافر کی رُوح میں کوئی فرق نہیں، فرق صرف یہ ہے کہ مسلمان کی رُوح روشنی میں گھوم رہی ہے اور کافر کی ظلمتوں میں مسلمان کی رُوح دونوں طرف یعنی دنیا و اخریٰ کی طرف دیکھتی ہے اور کافر کی رُوح صرف دنیا کی طرف دیکھتی ہے گویا اس کی ایک آنکھ بینا ہے اور ایک اندھی ہو چکی ہے اور مُسلمان کی رُوح کی دونوں آنکھیں بینا و روشن ہیں۔

چنانچہ کافروں کو ظلمتوں کی معرفت اور ان تمام امور کی جن سے ظلمتوں کا تعلق ہے فتح عطا کی جاتی ہے اور اہلِ نور کو حق کی فتح اور اس کے متعلقہ امور کی معرفت عطا کی جاتی ہے۔

ریاضت اور مجاہدات سے جوگیوں اور راہبوں کا جب آئینہ رُوح صاف ہو جاتا ہے تو وُہ بھی مغیبات دنیوی پر مطلع ہو جاتے ہیں انھیں بھی ایک گُونہ کشف حاصل ہو جاتا ہے جس طرح مسلمان کو عبادت اور پاکیزگی اور نیک اعمال سے کشف حاصل ہوتا ہے۔

اہل ظلمت و اہل باطل کو آسمان و زمین کے مشاہدہ کی فتح بھی نصیب ہوتی ہے مگر انہیں صرف ان امورِ فانیہ کا مشاہدہ ہوتا ہے یعنی وُہ ان چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سبب نہیں بنتیں مثلاً اجرام سماوی کا مقام اور ان کی ہیئت ترکیبی اور ان کے ظاہری فوائد وغیرہ لیکن اہلِ نور اور اہلِ بصیرت پر ایسے اسرار کھلتے ہیں جو وصول الی اللہ کا سبب اور ذریعہ بنتے ہیں اور پھر اہلِ حق کو دونوں طرح کی فتح نصیب ہوتی ہے پہلی فتح تو ان تمام امور کی ہوتی ہے جو اہل ظلام کو آسمان و زمین کے متعلق ہوتی ہے پھر ان حقائق کا مشاہدہ ہوتا ہے جن سے اہلِ ظلمت کو حجاب میں رکھا گیا ہے۔ مثلاً عالمِ ارواح کی سیر، اہل برزخ کے حالات، انبیاء و اولیاء کی ارواح سے ملاقات، فرشتوں کا مشاہدہ، جنت و دوزخ، کراماً کاتبین، ملائکۃ المقربین اور دیگر روحانی حالات کا معاینہ کرایا جاتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نیند و بیداری میں ملاقات جس کے ذریعہ پھر معرفت سبحانہٗ تعالیٰ اور اس کی ذاتِ ازلی کا مشاہدہ وغیرہ حاصل ہو جاتا ہے۔

اہل باطل اور اہلِ حق دونوں تصرف کرنے پر قادر ہوتے ہیں لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ اہل باطل بھی پانی پر چل سکتا ہے، ہوا میں اُڑ سکتا ہے، غیب سے اُسے رزق ملتا ہے حالانکہ وُہ اللہ کا

اس عالم اسباب میں باطنی غیبی طاقتوں سے کام لینے کے تین ہی طریقے ہیں :

ایک نوری ، دوم ظلماتی ، سوم استدراجی ۔

استدراجی طریقے سے جو طاقتیں حاصل کی جاتی ہیں وُہ بھی دو طرح پر ہیں : ایک روحانی، دوم نفسانی ۔یعنی باطنی مخفی قوتوں کو بیدار کرنے اور ان سے کام لینے میں مسلمانوں اور کافروں میں بھی فرق ہے کہ انسان کے جسم میں بحیثیت انسانیت خدا تعالیٰ کی طرف سے جو پوشیدہ قوتیں رکھ دی گئی ہیں اُن کو مسلمان بیدار کر کے اُس سے اچھے کام لیتا ہے مثلاً اصلاح ، اخلاق ، اصلاحِ احوال اور مخلوقاتِ الٰہی کو فائدہ پہنچانے ، دینی کاموں میں صرف کرنے اور ان طاقتوں کو تقرب الٰہی کا وسیلہ و ذریعہ بنانے میں صرف کرتے ہیں جس طرح اولیاء اللہ ۔ اور کافر ان کو کسی طریقے سے بیدار کر کے دنیا کے مال و دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں ۔ اپنی شہرت اور کمال کا ڈھنڈھورا پیٹتے ہیں جیسے مسمریزم ، ہپناٹزم ، سپرچولزم وغیرہ پہلے کو روحانی دُوسرے کو نفسانی کہیں گے مسلم اور غیر مسلم میں بنیادی فرق یہی ہے کہ غیر مسلم کی نظر مادی دنیا اور اس کی ضروریات تک محدود ہوتی ہے یہ رُوحانی دنیا سے ناآشنا اور حیاتِ دوام کا منکر ہوتا ہے لیکن مسلم آخرت پر ایمان رکھتا ہے ، اسے یقین ہوتا ہے کہ یہ خاکی جسم انسان حقیقی کا عارضی مقام ہے یہ زندگی اگلی لامتناہی زندگی کی ایک چھوٹی سی کسر ہے روح ازلی و ابدی ہے اور جسم ایک چلتی پھرتی چھاؤں ہے رُوح کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے جسمانی خواہشات کی تکمیل میں سرگرداں رہنا دانشمندی نہیں اصلی عظمت روح کی عظمت ہے جن قوموں نے اسی دنیا کو ہی اپنا اصلی مقام سمجھ لیا ہے وُہ اقدار عالیہ سے غافل ہیں، جزا و سزا کے منکر ہیں، مصائب انسان سے بے خبر ہیں بدمست و مغرور اور متکبروں کی زندگی بسر کر رہے ہیں ۔

قانونِ خداوندی ہے مسلمان ہو یا کافر جو بھی انسان چاہے کہ میری اسی دنیا میں ہر قسم کی ترقی ہو، اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں ہی سب کچھ دے دیتا ہے لیکن وُہ آخرت کی نعمتوں سے محروم رہے گا ۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ

جو شخص دنیا کا طالب ہو تو ہم جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں اسی دنیا میں سرِدست اس کو

يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا۔[1]

دے دیتے ہیں مگر پھر آخر کار ہم نے اس کے لیے دوزخ ٹھہرا رکھی ہے جس میں وُہ بُرے حالوں راندۂ درگاہِ خدا ہو کر داخل ہوگا۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا۔[2]

اور جو شخص طالبِ آخرت ہو اور آخرت کے لیے جیسی کوشش کرنی چاہیے ویسی اس کے لیے کوشش بھی کرے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو تو یہی وُہ لوگ ہیں جن کی محنت خدا کے ہاں مقبول ہوگئی۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا۔[3]

دنیا کے طالب اور یہ آخرت کے طالب سب ہی کو ہم اپنی بخشش سے امداد دیتے ہیں اور تمہارے پروردگار کی بخشش عام ہے کسی پر بند نہیں۔

خواہ یہ طاقت روحانی ہو یا نفسانی دونوں طاقتوں سے اللہ تعالیٰ ہر مسلم و کافر کو ترقی عنایت کرتا ہے مسلمان اس طاقت کو اخروی نعمتوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ بناتا ہے اور کافر اس طاقت کو دنیاوی عیش و عشرت کے حصول کا ذریعہ بناتا ہے یہ دونوں ہی روح کی طاقتیں ہیں روح کی طاقت دونوں کو ملتی ہے البتہ کسی کو قوی طاقتیں عنایت ہوتی ہیں اور کسی کو ضعیف، کافروں کو طاقت کے استعمال کرنے کی حد عالم ناسوت تک ہے اور مسلمانوں کو تمام علوی و سفلی عالموں میں تصرف کرنے کی طاقت حاصل ہوتی ہے۔

باقی رہی نوری اور ظلماتی طاقتیں جن کو مسلمان اور کافر حاصل کر کے ان سے عجیب و غریب اور محیر العقول کام کر کے دکھاتے ہیں۔

جب انسان نیک اعمال کرتا ہے عبادت، نماز، روزہ، قرآن مجید کی تلاوت، ذکر و فکر، تزدل اور خلوصِ نیت سے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ تمام نوری لطیف مخلوق اس کے تابع کر دیتا ہے اس

---

[1] قرآن مجید: سورہ بنی اسرائیل [2] ایضاً

[3] ایضاً

نوری مخلوق کے ذریعہ اس کے کام سرانجام پاتے ہیں۔

نوری لطیف مخلوق میں ملائکہ، مسلمان جن، مومنوں کی ارواح اور انبیاء و اولیاء اور شہداء کی ارواح سب شامل ہیں۔

ظلماتی لطیف مخلوق میں شیاطین، کافر جنات اور اس کی ذرّیت، جادوگروں، سفلی عاملوں اور کافروں کی خبیث روحیں شامل ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔ ؂۱

ان کا حامی مددگار اللہ ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے علاوہ دوسرے فرشتے بھی ان کے حامی و مددگار رہیں۔

سب سے روحانی طاقت اللہ تعالیٰ کی ہے وہ بھی مسلمان کے ساتھ ہوتی ہے۔ دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے:

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ۔ ؂۲

یعنی اے ایمان والو! ہم یہاں دنیا میں اور نیز آخرت میں تمہارے یار و مددگار رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع جنّات کو کر دیا تھا جس سے وہ اُن سے بڑے بڑے طاقت کے کام لیا کرتے تھے اب بھی کئی نیک لوگ مسلمان جنات سے کام لیتے ہیں۔

جنگِ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی امداد کے لیے ہزاروں کی تعداد میں فرشتے بھیجے۔

يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ۔ ؂۳

تمہارے رب نے تمہاری پانچ ہزار فرشتوں سے مدد کی۔

اسی طرح جب کوئی انسان بُرے اعمال کرتا ہے فسق و فجور اور خدا کی نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے خدا کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو ظلماتی لطیف مخلوق اس کے تابع ہو جاتی اور اس کی امداد

؂۱ قرآن مجید: سورۂ تحریم

؂۲ قرآن مجید: حم السجدہ

؂۳ قرآن مجید۔ سورہ آل عمران۔ آیت: ۱۲۵

کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ [1]

یعنی جو جان بُوجھ کر خدا کے ذکر سے اندھا ہو جائے تو ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں اور وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔

مشکلات میں اس کی مدد کرتا ہے چنانچہ جادوگروں اور سفلی عاملوں کے حیرت انگیز افعال اور محیر العقول کارنامے سب اس ظلماتی طاقت کے مرہونِ منت ہوتے ہیں غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے نور کو پیدا کیا اور نور سے فرشتے پیدا کیے جو اہلِ نور کے لیے مددگار اور معاون بنا دیئے جو توفیق، سیدھے راہ پر چلنے اور کرامات میں ان کی مدد کرتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ظلمتیں پیدا کیں اور ان سے شیاطین کو پیدا کیا اور شیاطین کو اہلِ باطل کا مددگار بنا دیا تاکہ وُہ ان کے لیے استدراج اور مزید خسارہ کے باعث بنیں اور خوارق عادت کرنے میں ان کی مدد کریں۔

ابراہیم خواصؒ اور یہودی کا قصہ[2]

ایک یہودی راہب اور ابراہیم خواصؒ کو ایک کشتی میں سوار ہونے کا اتفاق ہوا ایک دوسرے سے تعارف ہونے کے بعد وہ ایک دوسرے کے رفیق بن گئے چنانچہ یہودی نے کہا کہ اگر تیرا دین سچا ہے تو سمندر پر چل کر دکھاؤ اور میں بھی چل کر دکھاتا ہُوں۔ چنانچہ یہودی نے پانی پر چلنا شروع کیا ابراہیم خواصؒ نے دل میں کہا اگر مجھ پر یہودی غالب آگیا تو آج ذلت ہو گی۔ یہ کہہ کر وُہ بھی سمندر میں کود پڑے اور یہودی کی طرح پانی پر چلنے لگے اس کے بعد وُہ سمندر سے نکل آئے تو یہودی نے ابراہیم خواصؒ سے کہا کہ میں اس سفر میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ ابراہیمؒ نے فرمایا کہ تمہاری مرضی۔ یہودی نے کہا کہ اس شرط پر کہ نہ تو ہم مسجد میں داخل ہوں کیونکہ مجھے مسجد پسند

---

[1] قرآن مجید

[2] حلیۃ الاولیاء تالیف ابونعیم اصفہانی بحوالہ الابریز (اردو ترجمہ)

نہیں اور نہ شہر میں جائیں تاکہ لوگ یہ نہ کہیں دیکھو مسلمان اور ایک یہودی کا باہم ساتھ ہے لیکن ہم جنگلوں اور چٹیل میدانوں میں سفر کریں گے اور اپنے ساتھ کوئی زاد راہ بھی نہ لیں گے۔ ابراہیمؒ نے فرمایا: ایسا ہی کر لو۔ چنانچہ وُہ دونوں جنگل میں نکل گئے اور تین دن تک انہوں نے کچھ نہ کھایا۔ چنانچہ وُہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک کُتا یہودی کی طرف چل کر آیا اور اس کے مُنہ میں تین روٹیاں تھیں جو اس نے یہودی کے سامنے ڈال دیں اور چلا گیا ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ اس یہودی نے مجھے کھانا پیش کیا مگر میں نے نہ کھایا اور بھُوکا رہا اس کے بعد میرے پاس ایک نہایت خوب صورت اور خوشبو سے مہکتا ہُوا ایک نوجوان آیا جس کے پاس اس قسم کا کھانا تھا کہ کبھی دیکھنے میں نہ آیا ہوگا۔ اس نے وُہ کھانا میرے سامنے رکھ دیا اور چلا گیا۔ میں نے یہودی کو کھانے کی دعوت دی مگر اس نے انکار کر دیا۔ یہودی نے کہا کہ میرا دین اور تیرا دین دونوں حق ہیں دونوں اللہ تعالیٰ تک پہنچانے ہیں اور دونوں کا ثمر بھی ہے مگر تمہارا دین زیادہ لطیف اور خوشنما ہے اور پاکیزہ ہے مجھے اجازت ہو تو میں اس میں داخل ہو جاؤں۔ چنانچہ وُہ یہودی مُسلمان ہو گیا اور محققین صوفیہ میں سے ہُوا۔

یہ امر بھی مسلم ہے کہ جیسے شیطان کی طاقت سے خدائی طاقت زیادہ ہے اسی طرح جنّات کی طاقت سے ملائکہ کی طاقت زیادہ ہوتی ہے اور ارواحِ خبیثہ سے ارواحِ طیبہ کی طاقت ارفع واعلیٰ ہے لہٰذا سفلی عاملوں سے علوی عامل کی طاقت زیادہ قوی ہوتی ہے۔ روح کی فتح میں اگرچہ اہلِ حق اور اہلِ باطل مشترک ہیں مگر ان کا مقصد الگ الگ ہوتا ہے کیونکہ اہل باطل کو فتح عطا کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے دروازے سے دھکیل دیا جائے اور اس کے دروازے پر پہنچنے سے روک دیا جائے کیونکہ اُن پر اللہ کا غضب ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں استدراجی قوتیں دے کر اپنی ذات سے جُدا رکھا ہے۔ اُن کے کمالات کے پس منظر میں ہوا و ہوس کارفرما ہے جس کی گرفت سے وہ کبھی آزاد نہیں ہو سکتے۔

اور اہلِ حق کو یہ فتح عطا کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ سے اور محبت ہو اور اللہ تعالیٰ انہیں ایک مرتبہ سے دُوسرے مرتبہ تک ترقی دے اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے دروازہ کھول دیا ہوتا ہے حجاب کو دُور کر دیا ہوتا ہے اور ان کے دلوں کو اپنی ذات طرف لگا رکھا ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کی خوارق سے مدد فرماتے ہیں تاکہ ان کی بصیرت قوی اور معرفت

مضبوط ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ط [1]

پس جو لوگ ایمان لاتے ہیں آیات قرآنیہ نے ان کا ایمان بڑھا دیا اور وہ خوش ہیں مگر جن کے دلوں میں شک کا مرض ہے تو آیتوں نے ان کی پلیدی پر پلیدی بڑھادی (اور وہ اس پر جمے رہے) تا آنکہ کفر کی حالت میں مرے۔

باطنی قوتوں کی تقسیم

قرآن کریم کی روشنی میں

اللہ:۔

(حزب اللہ) ـــــــــ علوی قوتیں

(۱) فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ ۝

پس بے شک اللہ ان کا مددگار ہے، جبریل، نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مددپر ہیں۔ (سورہ تحریم پ ۲۸)

(۲) اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ـــــــ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔

تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے ـــــ بیشک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔ (سورہ مائدہ، پ ۶)

(۳) اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔

اللہ والی ہے مسلمانوں کا اور انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔ (سورہ بقر، پ ۳)

(۴) اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

---

[1] قرآن مجید۔ سورۃ التوبہ۔ آیت: ۱۲۴

سُن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم۔ (سورۂ یونس پ ۱۱)

شیطان : حزب الشیطان ——— سفلی قوتیں

(۱) قَالَ اَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ۔ (سورہ الاعراف پ ۸)
بولا مجھے فرصت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں فرمایا تجھے مہلت ہے۔

(۲) اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِکْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (سورہ مجادلہ پ ۲۸)
ان پر شیطان نے پورا تسلّط کر لیا ہے سو اس نے ان کو خدا کی یاد بھلا دی یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں بے شک شیطان کا گروہ ہی گھاٹا پانے والے ہیں۔

(۳) وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ۔
اور کافروں کے لیے حمایتی شیطان ہیں اور انہیں نور سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں۔
(سورہ بقر پ ۳)

ملائکہ (فرشتے) : مؤکلات ——— علوی قوتیں

(۱) اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ۔ (سورہ سجدہ پ ۲۴)
بے شک وہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں۔

(۲) فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝
پھر (دنیا کے) کام کی تدبیر کریں (فرشتے)۔ (سورہ نازعات پ ۳۰)

(۳) یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ۔
تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے بھیجے گا۔ (سورہ آلعمران پ ۴)

(۴) اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔
اس وقت کو یاد کرو جب آپ کا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں سو تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ۔

قبیلہ و ذریت شیطان : شیاطین الجن ——— سفلی قوتیں

(۱) اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۔ (سورہ کہف پ۱۵)

بھلا کیا اسے اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو اور وہ تمہارے دشمن ہیں۔

(۲) اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۔ (سورہ اعراف ۲۷ پ ۸)

بیشک وہ اور ان کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔

(۳) وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۔

(۴) هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝ يُلْقُوْنَ

کیا میں تمہیں بتا دوں کہ کس پر اترتے ہیں شیطان اُترتے ہیں بڑے بُہتان والے گنہگار پر

السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۝ (سورہ شعراء۔ پ ۱۹)

شیطان اپنی سنی ہوئی ان پر ڈال دیتے ہیں اور ان میں اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔

(۵) اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (سورہ الاعراف پ ۸)

بے شک ہم نے شیطانوں کو ان کا دوست کیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

(۶) يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۝ (سورہ بقر پ ۳)

شیطان نے چھو کر اس کی عقل کو اُچک لیا۔

(۷) فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝ (سورہ والصّٰفّٰت پ ۲۳)

(جنات آسمان سے ملائکہ کی آوازوں کو سُنتے تھے اُن کے متعلق ہے) شہاب ثاقب نے ان کا پیچھا کیا۔

شیاطین الانس : جادوگر، کاہن، جوگی، اوتار، ملنگ وغیرہ ——— (سفلی قوتیں)

(۱) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۝ (سورہ انعام پ۸)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن کئے ہیں آدمیوں اور جنوں میں کے شیطان کہ انہیں ایک دوسرے پر خفیہ ڈالتا ہے بناوٹ کی بات دھوکے کو۔

(۲) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۝ (سورہ ہود پ ۱۲)
جو دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتا ہو ہم اس میں ان کا پورا پھل دے دیں گے اور اس میں کمی نہ دیں گے یہ ہے وہ جن کے لیے آخرت میں کچھ نہیں مگر آگ (استدراج)

خبیث رُوحیں: جادوگروں، کاہنوں، جوگیوں، اوتاروں کی رُوحیں مثلاً ہنومان، بیر بتال، کلوا نارسنگھ، کالی ناگنی وغیرہ ——— (سفلی قوتیں)

(۱) يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۔ (سورہ شعراء پ ۱۹)
(کہ وہ تیرے پاس لے آئیں ہر بڑے جادوگر دانا کو تو جمع کیے گئے جادوگر ایک مقررہ دن کے وعدے پر)

(۲) حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے جنگِ بدر میں مارے گئے کفار سے بات چیت فرمائی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ حضورؐ! کیا یہ ارواح مرنے کے بعد بھی سنتی ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا، تم سے زیادہ سُنتی ہیں۔

کافر وغیر صالح جنات ——— سفلی قوتیں

وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ ۝ (سورہ جن پ ۲۹)
اور یہ کہ ہم میں سے کچھ مسلمان ہیں اور کچھ ظالم۔

انبیاء کرامؑ و اولیاء اللہ ——— علوی قوتیں

(۱) وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝
اور جو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کو اپنا دوست بنائے تو بے شک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔ (سورۂ مائدہ پ ۶)

(۲) فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ - (سورہ نساء پ ۵)

(۳) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ اُولٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ

جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق و شہید ہیں ان کے لیے ہے اُن کا ثواب اور ان کا نور۔

ارواح طیّبہ : انبیاء علیہم السلام و اولیائے عظام ——— (علوی قوتیں)

(۱) یَاۤ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ؕ (سورہ فجر پ ۳۰)

اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یُوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل اور میری جنت میں آ۔

(۲) یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ - (حدیث)

مسلمان و صالح جنات ——— علوی قوتیں

(۱) قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۔

جنوں میں سے ایک بیت عفریت نے کہا کہ میں وہ تخت حضور میں حاضر کردوں گا قبل اس کے کہ حضور اجلاس برخاست کریں۔ (سورہ نمل پ ۱۹)

(۲) وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۔ (سورہ سبا، پ ۲۲)

اور جنوں میں سے جو اس کے آگے کام کرتے ہیں اس کے رب کے حکم سے۔

رُوح کا تعلق قلب سے ہے یا دماغ سے؟

روح کا تعلق ابتدائی طور پر رُوح حیوانی سے ہوتا ہے اور رُوح حیوانی کا تعلق قلب سے ہے اس طرح سے جسم میں رُوح حیوانی کی وساطت سے روح انسانی کا تعلق قلب سے ہُوا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ دماغ سے تعلق ہے یہ غلط ہے مختلف مفکروں نے اپنی اپنی آراء پیش کی ہیں مگر زیادہ تر دل اور دماغ کو رُوح کا مسکن قرار دیا ہے مشائی یعنی ارسطو کے مقلدین جن کا فلسفہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ منضبط تشکل میں ہم تک پہنچا ہے وُہ دو لفظ استعمال کرتے ہیں نفس اور عقل جن میں سے نفس روح اور عقل اس کی ایک شاخ ہے نفس کا مسکن قلب اور عقل کا دماغ ہے اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ اکثریت کے خیال میں رُوح کا مسکن یا تعلق قلب سے ہے اس خیال کی تائید اس عملی تجربہ سے بھی ہوتی ہے کہ دل کی حرکت بند ہوجانے سے انسانی موت واقع ہو جاتی ہے مگر دماغ کے خراب ہوجانے سے انسان مرتا نہیں گویا انسانی جسم کی ساخت بھی اس رائے کی مؤید ہے کہ رُوح قلب میں رہتی ہے دماغ میں نہیں۔

چونکہ مشائین روح انسانی کے قائل نہیں اور وُہ رُوح حیوانی کے تعلق کو بیان کر رہے ہیں جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ رُوح حیوانی کا تعلق قلب سے ہے اور رُوح حیوانی بمنزلہ سواری کے ہے اور روح انسانی اس پر سوار ہے اس لحاظ سے رُوح انسانی کا تعلق بھی قلب سے ثابت ہوگا۔ صوفیائے کرام بھی قلب ہی کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور قلب کہہ کر اس سے رُوح ہی مراد لی جاتی ہے۔ اسی قلب پر ہی انسانیت کا دار و مدار ہے۔ بندہ کا قلب اللہ کا عرش ہے یعنی رحمٰن اس پر مستوی ہے وہ اسرارِ الٰہیہ کا مرکز اور تمام اعیان و مخلوقات کے دوائر کا احاطہ کرنے والا ہے قرآن کریم بھی اللہ کی طرف سے قلب پر نازل ہوا ارشاد باری تعالیٰ ہے نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ۔[1] اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا آپ کے قلب پر۔

---

[1] قرآن مجید: سورہ الشعراء

تجلیاتِ الٰہی کا محل بھی قلب ہے معرفتِ الٰہی کا تعلق بھی قلب سے ہے۔ قلب سے مراد صوفیاء کرام قلب صنوبری نہیں لیتے بلکہ وہ لطیفۂ ربانی قلب ہوتا ہے جس کا تعلق قلبِ صنوبری سے ہے۔

روح حیوانی ہی کے قلب سے بے تعلق ہو جانے کا نام موت ہے اس بے تعلقی سے انسان کی وہ کیفیت ہو جاتی ہے جو درخت کی جڑیں کاٹ دینے کے بعد درخت کی ہو جاتی ہیں کہ اس کا تغذیہ بند ہو جاتا ہے اور وہ خشک ہو جاتا ہے یعنی مر جاتا ہے۔ چنانچہ طبیب یہی کہتے ہیں کہ اس بخار لطیف کا اصلی معدن قلب و دماغ و جگر ہے بس اسی میں طب کی تدبیر کا تصرف جاری ہوتا ہے۔ اس کے ماورٰی جو روح انسانی ہے اس تک نہ طبیب پہنچ سکتا ہے نہ ڈاکٹر اور نہ ہی سائنس کی نگاہ اس حد تک پہنچتی ہے۔ اس کی غذا بھی الگ ہے اور اس کی زندگی و موت بھی الگ ہے موضوع تصوّف اصلاحِ باطن ہے اور اس کا مدار اصلاحِ قلب پر ہے کیونکہ اصل مکلّف قلب ہے مخاطب قلب ہے عالم، متکلم، فاہم قلب ہے سمع و بصر رکھنے والا قلب ہے ماخوذ قلب ہے باقی بدن سے اس کا تعلق صرف تدبّر و تصرّف کا ہے آنکھیں اور کان قلب کے جاسوس ہیں۔ زبان قلب کی ترجمان ہے اصل انسان اور بدن کا بادشاہ قلب ہے۔

تکلیف مشروط ہے عقل اور فہم سے اور ان دونوں کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے ارشاد ہے:

[1] وَقَالُوْا لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ وَمَعْلُوْمَۃٌ اَنَّ الْعَقْلَ فِی الْقَلْبِ وَلِاَنَّ التَّکْلِیْفَ مَشْرُوْطٌ بِالْعَقْلِ وَالْفَھْمِ قَالَ تَعَالٰی اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا وَقَرَنَ تَعَالٰی بِذِکْرِ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ لِاَنَّھُمَا اٰلَتَانِ لِلْقَلْبِ فِیْ تَادِیَۃِ صُوَرِ الْمَحْسُوْسَاتِ وَالْمَسْمُوْعَاتِ۔

اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کا قول نقل فرمایا کہ کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخ میں نہ ہوتے معلوم ہوا کہ عقل قلب میں ہے اور مدار تکلیف کا عقل اور فہم پر ہے اور فرمایا کہ کان، آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی پوچھ گچھ ہوگی اور سمع و بصر کو قلب سے جوڑ دیا کہ یہ دونوں دیکھی اور سنی ہوئی چیزوں کو پہچاننے کے لیے آلہ کا حکم رکھتے ہیں۔

---

[1] تفسیر کبیر تصنیف امام فخر الدین رازی ؒ

عقل کا مقام قلب ہے

ارشاد باری ہے:

فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا۔[1]

ان کے دل ہوتے کہ ان سے سمجھنے لگتے۔

محل تقویٰ بھی قلب ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى۔[2]

یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خالص کر دیا ہے۔

مخاطب اور محل وحی بھی قلب ہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ[3] ثَبَتَ اَنَّ الْقَلْبَ هُوَ الْمُخَاطَبُ فِي الْحَقِيْقَةِ لِاَنَّهٗ مَوْضَعُ التَّمْيِيْزِ وَالْاِخْتِيَارِ، وَاَمَّا سَائِرُ الْاَعْضَاءِ فَمُسَخَّرٌ لَهٗ۔

اس قرآن کو آپ کے قلب پر اتارا پس ثابت ہوا کہ حقیقت میں مخاطب قلب ہے کیونکہ یہی مقام تمیز و اختیار کا ہے اور باقی اعضاء اس کے ماتحت ہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ۔[4]

تحقیق اس میں اس شخص کے لیے بڑی نصیحت ہے جس کے پاس قلب ہو۔

جزا و سزا کا تعلق بھی اعمال قلب سے ہے۔

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ۔[5]

لیکن مواخذہ فرمائیں گے اس چیز پر جو تمہارے دلوں نے کمائی ہے۔

---

[1] قرآن مجید: الحج
[2] قرآن مجید: الحجرات
[3] قرآن مجید:
[4] قرآن مجید: ق
[5] قرآن مجید: البقرة

علم و فہم کی ضد کی نسبت قلب کی طرف ہے :

(۱) خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ [۱]

(۲) وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ [۲]

(۳) بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ [۳]

(۴) لَہُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَہُوْنَ بِہَا [۴]

لہٰذا ثابت ہو گیا کہ جہالت اور غفلت کا محل قلب ہے۔

ایمان کا مقام قلب ہے

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِہِمُ الْاِیْمَانَ [۵] — وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے۔

قلب کی بیماری اور اس کا علاج

معاصی کی وجہ قلب اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ مَنْ كَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰى فَھُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى - یعنی جو یہاں دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں اندھا ہی رہے گا اور اندھا پن ظاہری آنکھوں کا نہیں کیونکہ جو دنیا میں ظاہری آنکھوں کا اندھا ہو گا وہ قیامت میں بینا ہو جائے گا۔ خدا تعالیٰ خود اس کی تشریح فرماتے ہیں :

فَاِنَّھَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ [۶] — پس تحقیق وہ (یعنی ان کی بابت یہ ہے) کہ نہیں اندھی ہو جاتی ہیں آنکھیں ان کی لیکن اندھے ہو جاتے ہیں دل وہ جو بیچ سینوں کے ہیں۔

---

[۱] قرآن مجید : البقرۃ — [۲] ایضاً

[۳] قرآن مجید : التطفیف — [۴] قرآن مجید : الاعراف

[۵] قرآن مجید : المجادلہ — [۶] قرآن مجید : الحج

جس طرح جسم کی بیماری کو دُور کرنے کے لیے طبیب جسمانی کے پاس جانا پڑتا ہے اسی طرح اس روحانی بیمار کے لیے معالج رُوحانی کے پاس جانا پڑے گا وہ جب اس مرض کا علاج ذکر و فکر اور توجہ باطنی سے کرے گا تو وہ قلبِ سقیم قلبِ سلیم بن جائے گا اور یہی قلبِ سلیم اُخروی فلاح کے لیے راس المال بن جاتا ہے۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ اس روز یعنی قیامت کے دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد مگر اللہ کے پاس جو شخص پاک دل لے کر آئے (اس کے لیے مفید ثابت ہوگا)

"قلب سلیم ہونے کے لیے دو شرائط ہیں: اوّل صحت از امراض ——— قرآن مجید نے قلب کے امراض کفر، شرک، شک اور خواہشات کے اتباع کو قرار دیا ہے ان امراض سے صحت کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ کسی معالج روحانی سے علاج کرایا جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ قلب کو غذائے صالح بہم پہنچائی جائے جس طرح غذائے صالحہ سے جسم انسانی صحت مند اور قوی ہو جاتا ہے اسی طرح قلب کی صحت اور قوت کے لیے غذائے صالح درکار ہے مگر قلب کی غذا جسم کی غذا سے مختلف ہے قلب کے لیے غذا صالح کی نشان دہی یوں کی گئی ہے:

قال تعالیٰ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ سنو ذکر الٰہی سے ہی قلوب مطمئن ہوتے ہیں۔

علاج قلب اور غذائے قلب عارفین کاملین کے بغیر کہیں سے نہیں ملتی۔

نظرِ بد لگنے کی حقیقت

ارباب حسِ سلیم اور طبع مستقیم روحوں کے اثرات کا انکار نہیں کر سکتے" خصوصاً جب رُوحیں بدن کی آلودگیوں اور مصروفیات سے ایک قسم کی آزادی حاصل کر لیں پھر حسب تجرد ان کی قوتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے خصوصاً جبکہ خواہشات کی مخالفت بھی پائی جاتی ہو اور انہیں اخلاق عالیہ مثلاً پاک دامنی، بہادری، سخاوت وغیرہ پر ابھار دیا گیا ہو اور بُری عادتوں سے محفوظ رکھا گیا ہو۔ اس وقت روحوں کی تاثیر اس عالم میں بڑی زبردست ہوتی ہے جس سے بدن اور اعراضِ بدن

عاجز ہوتے ہیں مثلاً رُوح بڑی سے بڑی چٹان کو بھی نگاہ سے پھاڑ دیتی ہے جانور کو ہلاک کر دیتی ہے کسی نعمت پر نگاہ ڈال کر اسے تباہ کر ڈالتی ہے یہ باتیں تمام لوگ جانتے ہیں علاّمہ ابن قیم کتاب الروح میں لکھتے ہیں کہ اسی کو لوگ نظر لگانا کہتے ہیں اور اثر کو آنکھوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں حالانکہ یہ آنکھ کا اثر نہیں ہے بلکہ رُوحانی اثر ہے اور اس رُوح کا اثر ہے جو زہریلی اور ردی کیفیت سے متصف ہے یہ اثر کبھی تو بواسطہ آنکھ کے ہوتا ہے اور کبھی براہِ راست ہوتا ہے کہ کسی کے سامنے کسی نعمت کی تعریف کی جائے اور اس کی کیفیت سے اس کا نفس متاثر و متکیف ہو کر اسے تباہ کر دے[1]۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظرِ بد کے لگ جانے کی تصدیق فرمائی ہے بخاری شریف میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ ایک حدیث موجود ہے العین حقٌ یعنی آنکھ کی تاثیر حق ہے۔ اور ایک حدیث ابونعیم اصفہانیؒ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

اَلْعَیْنُ تُدْخِلُ الرَّجُلَ الْقَبْرَ وَ الْجَمَلَ الْقِدْرَ[2]۔ یعنی آنکھ کی بد تاثیر آدمی کو قبر میں اور اونٹ کو ہانڈی میں پہنچا دیتی ہے۔

حقیقت رؤیا

رؤیا یعنی خواب کی حقیقت بھی منجملہ عجائبات رُوح سے ہے اور بجز علماء ربانی کے اس حقیقت سے اور کوئی شخص واقف نہیں ہو سکتا جن لوگوں نے اصولِ فلسفہ پر اس کی تشریح کی ہے انہوں نے اس کے سمجھنے میں غلطیاں کی ہیں اور مادی فلسفی تو سرے سے رُوحانی حقائق کے ہی منکر ہیں۔

اس مادی دنیا میں خواب کے اندر عالمِ غیب اور رُوحانی دنیا کی وارداتِ غیبی گاہے گاہے واقع ہوتی ہیں عوام کے لیے عالمِ غیب اور عالمِ امر کی طرف جھانکنے کے لیے یہی خواب کا ایک روزن رکھا گیا ہے کیونکہ خواب کے وقت انسان کے ظاہری حواس بند ہو جاتے ہیں اور تمام مادی اعضاء اپنے کام سے معطل ہو جاتے ہیں گویا انسان پر ایک گونہ بیہوشی اور موت واقع ہو جاتی ہے اس لیے

---

[1] کتاب الروح اردو ص ۲۳۱

[2] الدرر المنتشرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ امام جلال الدین سیوطیؒ ص ۱۱۴

نیند کو چھوٹی موت کہیں تو بجا ہے۔ اسی واسطے اَلنَّوْمُ اَخُ الْمَوْتِ[1] آیا ہے یعنی نیند موت کی بہن ہے۔

یورپ کے بھی بعض لوگ اب اس کے قائل ہوتے جا رہے ہیں اور یہ حقیقت اب تسلیم کی جا چکی ہے کہ ہمارے اس جسم خاکی کے اندر ایک اور جسم داخل ہے جو بخاراتِ آبی سے زیادہ لطیف ہے حقیقی انسان وہی ہے یہ جسم خاکی فانی ہے اور وہ غیر فانی جب ہم سو جاتے ہیں تو یہ جسم لطیف خاکی جسم سے نکل کر ادھر ادھر گھومنے چلا جاتا ہے۔ یہ دونوں جسم ایک لطیف بندھن سے باہم بندھے ہوئے ہیں اور جب کسی حادثے یا بیماری سے یہ بندھن کٹ جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے ورنہ نیند کے بعد جسم لطیف جسم خاکی میں واپس آجاتا ہے اسی رُوح کو اہلِ فن جسمِ لطیف یا آسٹرل باڈی کہتے ہیں۔ یہ مستقل اور غیر فانی ہے اور جسم خاکی اس کی عارضی قیام گاہ ہے، چنانچہ پادری لیڈ بیٹر لکھتا ہے :

"تم جسم سے الگ چیز ہو یہ جسم تمہاری قیام گاہ ہے اجسام محض خول جنھیں ہم موت کے وقت یوں پرے پھینک دیتے ہیں جس طرح کہ کپڑے اتار دیئے جائیں۔"

ڈاکٹر الیکسِز کیرل کا قول ہے کہ انسان اپنے جسم سے عظیم تر ایک چیز ہے اور اس پیمانۂ خاکی سے باہر چھلک رہا ہے[2]۔

اسی حقیقت کو قرآن حکیم یوں بیان فرماتا ہے :

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى[3]

اللہ وُہ ہے جو روحوں کو قبض کرتا ہے موت کے وقت اور نیند میں مرنے والوں کی رُوحوں کو اپنے ہاں روک لیتا ہے لیکن سونے والوں کی ارواح کو ایک خاص میعاد کے لیے ان کے اجسام میں دوبارہ بھیج دیتا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف

[2] من کی دنیا تصنیف غلام جیلانی برقؔ ص ۲۲

[3] قرآن مجید

بعض اوقات منشی، بے ہوش کرنے والی دواؤں کے استعمال سے بھی روح بشریت سے علیحدہ اور آزاد ہو کر عجیب وغریب حالات کا معائنہ یا مشاہدہ کرتی ہے۔ استاد ولیم کروکس اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ بے ہوش کرنے والی ادویہ مثلاً کلوروفارم یا الکحل سے بھی صوفیاء کی طرح کی سی غیبت اور بیخودی حاصل ہو جاتی ہے جس میں رُوح آزاد ہو کر عالم بالا یا روحانیت کے عجائبات دیکھتی ہے۔ بلکہ بعض جاہل صوفیوں میں بھنگ، شراب، افیون، چرس کی عادت اسی وجہ سے پڑ جاتی ہے۔ وُہ اس حالت کو حاصل کرنے کے لیے ایسی منشی اشیاء کھاتے ہیں کیونکہ ان دواؤں کی وجہ سے نیم بیداری کی حالت میں قوتِ فکریہ قوی ہو کر اپنے خیالات کو متشکل کر کے دکھاتی ہے اور وُہ جاہل صوفی اسے رُوحانی سیر کہتے ہیں حالانکہ حقیقت کے ساتھ اس کا ذرہ بھر واسطہ نہیں ہوتا۔

مراقبہ میں بھی صوفیائے کرام یہ پریکٹس کرتے ہیں کہ اپنے اوپر ایک گونہ نیم خوابی کی کیفیت پیدا کر کے روح کو اس جسمِ عنصری سے الگ کر لیتے ہیں اور عالمِ غیب میں سیر کر کے ماضی، حال، مستقبل کے حالات اور علمی رموز ونکات حاصل کرتے ہیں اور بقراط نے ذکر کیا ہے کہ اس نے بہت سے علوم اسی طریق سے حاصل کیے ہیں بلکہ رؤیا یا خواب بھی مصنوعی نیند کی ایک قسم ہے۔

علم سلوک اور تصوف کی غرض وغایت میں یہ بھی ایک بات شامل ہے کہ انسان عالمِ شہادت میں اس جسدِ عنصری میں دوسرا اپنا غیبی اخروی جسم تیار کرے اور یہی حواس اس روحانی وجود میں پیدا ہو جائیں اور وجود کامل ہو کر باشعور اپنی مرضی سے ہر جگہ اور مقام پر پرواز کرے۔

البتہ خواب اور مراقبہ میں یہ فرق ہے کہ خواب میں روحانی طیر وسیر پر اختیار نہیں ہوتا اور مراقبہ میں اپنے اختیار سے جہاں چاہے رُوح کو پہنچایا جا سکتا ہے جو لوگ خواب کی حقیقت کا انکار کرتے ہیں دراصل یہ وہی لوگ ہیں جو حقیقت وحی کے بھی منکر ہیں اس مسئلہ کے اشکال کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت رؤیا کو منجملہ علوم نبوت سے شمار کیا گیا ہے اور جب تک کوئی شخص حقیقتِ وحی سے آگاہ نہ ہو ممکن نہیں کہ رؤیا کی حقیقت کو بخوبی سمجھ سکے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیائے صالحہ کو نبوت کے چھیالیس حصّوں میں سے ایک حصّہ قرار دیا ہے نبوت امورِ غیب کی معلومات پر مشتمل ہے گویا علوم غیب کی معلومات کے حصول کے چھیالیس طریقوں میں سے ایک ادنیٰ سا مرتبہ نیک اور سچے خوابوں کا ہے خواب کی حقیقت کو سمجھانے کے لیے عقلی ونقلی دلائل

موجود ہیں نقلی دلیل تو یہ ہے کہ جس حقیقت کی تصدیق میں تمام کتب سماویہ اور انبیاء علیہم السلام اور حضرات اکابر دین بالاتفاق ناطق ہیں اس سے انکار کر دینا محض حماقت کی دلیل ہے مثلاً قرآن کریم میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب آیا کہ مجھے گیارہ ستارے چاند و سورج سجدہ کر رہے ہیں چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کے بادشاہ ہوئے تو ان سب کے آنے اور خرّوالہٗ سجّدًا کے مطابق سجدہ کرنے کو دیکھ کر فرمایا:

وَقَالَ یٰاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا[1] (ابا جان یہ میرے خواب کی تعبیر ہے میرے رب نے میرے خواب کو سچ کر دکھایا)

اسی طرح ابراہیم علیہ السّلام کا خواب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی۔ بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب دیکھ لے کہ تمہاری کیا رائے ہے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خواب کہ آپ اور آپ کے صحابہ بڑے امن سے سر منڈا کر یا کترا کر مسجد حرام میں داخل ہوں گے چنانچہ فتح مکہ ہونے کے بعد آیہ کریمہ نازل ہوئی:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ[2]۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی خواب سچی کر دی۔ اسی طرح عزیز مصر کا رؤیا اور یوسف علیہ السلام کے دو ساتھیوں کا رؤیا جو اُن کے ساتھ قید میں تھے۔

یہ سب ایسے واقعات ہیں جن کا کوئی عقل سلیم رکھنے والا انکار نہیں کر سکتا۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ دنیا میں تقریباً ہر انسان کو کسی نہ کسی سچے خواب کا واقعہ ضرور پیش آیا ہوگا جو ہو بہو جلد یا بدیر واقع ہوا ہوگا یا اگر کوئی شخص خود نہیں دیکھ سکا تو کسی قریبی، خویش یا دوست اور رفیق کے خواب کی صداقت ضرور آزمائی ہوگی کیونکہ اس قسم کے واقعات نہایت معمولی باتیں ہیں۔ چھوٹے بچے، عورتیں، فاسق و فاجر انسان حتّٰی کہ کفار و مشرکین اور منافقین تک ہر قسم کے لوگ سچے خواب دیکھ سکتے ہیں اور یہ عام روزن ہر خاص و عام کے لیے کھلا ہوا ہے اس کی تصدیق کہ کافروں کے خواب بھی

---

[1] قرآن مجید: سورۂ یوسف

[2] قرآن مجید: سورۂ فتح

کبھی سچے ہوتے ہیں عزیز مصر کا خواب اور یوسف علیہ السلام کے دو ساتھی قیدیوں کے خواب ہیں جن کی تعبیریں ان کے سچّے خواب ہونے کی شاہد ہیں اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک واقعہ خواب میں دیکھا گیا اور صبح کو ہو بہو اسی طرح واقع ہو گیا یا کبھی کسی گمشدہ کی اطلاع خواب میں دی گئی اور وُہ مل گئی یا کبھی کسی کو مرض کی دوا بتائی گئی تو اس پر عمل کرنے سے صحت ہو گئی۔

چنانچہ طب یونانی کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اکثر دواؤں اور جڑی بُوٹیوں کی تاثیرات کو معلوم کرنے کا ذریعہ خوابیں ہی ہیں چنانچہ کسی کو کوئی تکلیف ہُوئی اور وُہ پریشانی کے عالم میں سو گیا کسی نے خواب میں بتا دیا کہ یہ فلاں بوٹی استعمال کرو اس سے تندرست ہو جاؤ گے اُٹھ کر اس نے اس پر عمل کیا تو فوراً آرام آ گیا اُسے ذہنوں میں محفوظ کر لیا گیا۔ طب یونانی و اسلامی کے ادویات کا اکثر حصّہ اسی قسم کے خوابوں پر مشتمل ہے نیک لوگ تو ایسے سچے خواب ہر روز دیکھتے ہیں اور انہیں سچا پاتے ہیں بعض زندہ دل لوگ مستقبل کے آئندہ واقعات مراقبے کے اندر گاہے بیداری میں دیکھا کرتے ہیں اور انبیاءؑ و اولیاء کا تو کہنا ہی کیا ہے ان کا دل تو ایک آئینہ ہے جس میں تمام دنیا کے حالات و واقعات رونما ہوتے ہیں انسانی دل اللہ تعالیٰ کی لوحِ محفوظ کا نمونہ ہُوا کرتا ہے اور ہر شخص بقدر وسعت و استعداد اس میں حال، ماضی، مستقبل کے حالات کا نظارہ کر سکتا ہے جس طرح انسان کو ظاہری حواس سے متمتع کیا گیا ہے کہ جب وقت چاہے ان سے عالمِ محسوسات کی اشیاء معلوم اور محسوس کر سکتا ہے اسی طرح جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے باطنی حواس عطا کر دیئے ہیں وہ جس وقت چاہیں ان سے باطنی اور رُوحانی دنیا کی اشیاء اور عالمِ امر کے واقعات و حالات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

موجودہ سائنسدانوں نے ایسی ایسی دُوربینیں ایجاد کر لی ہیں جس سے کروڑہا ایسے سیارے اور ستارے نظر آ گئے ہیں جو پہلی دُوربینوں سے نظر نہیں آ سکتے تھے اور آئندہ اس سے بھی زیادہ بڑی اور وسیع ترین دُوربین عالمِ وجود میں آنے والی ہیں جب اس مادی وسعتِ نظری پر کسی قسم کا کوئی کنٹرول نہیں ہے تو کسی نبی یا ولی کے دل کی دُوربین کو اللہ تعالیٰ وسعت بخش دے تو اس پر بعض لوگ چیں بہ جبیں کیوں نظر آتے ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

خوابوں کی اقسام

صانع ازل نے دنیا میں بے شمار انواع موجودات پیدا کیے ہیں جن میں ایک حضرت انسان بھی ہے جس کا اشرف المخلوقات ہونا دلائل عقل ونقل سے پایۂ یقین تک پہنچ چکا ہے اور جس طرح دیگر انواع موجودات کا بلحاظ کمالات کے مختلف مدارج پر ہونا ایک بیّن امر ہے اسی طرح افراد انسانی بھی اپنے اپنے فطری اور کسبی اور وہبی کمالات میں مختلف مدارج پر دیکھے جاتے ہیں ہم ہر سہ اقسام کمالات مذکورہ بالا کا کوئی خاص معیار قائم نہیں کر سکتے کیونکہ قدرت کے لامتناہی عجائبات کی کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی مگر یہ امر نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے کہ کمالات انسانی میں جو سب سے اعلیٰ اور اشرف رتبہ ہو سکتا ہے وہ صرف رتبۂ نبوت ہے کیونکہ ان کی نبوت نہ تو کمال فطری ہے نہ کسبی بلکہ محض موہبتِ الٰہی ہے جو بمقتضائے اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہ، خاص خاص بندگانِ خدا کو عطا ہوتا رہا ہے۔

یہ مدارج مختلفہ رُوح کی قوت وضعف، لطیف وکثیف، اور صالحہ اور غیر صالحہ پر موقوف ہیں جو کمالات فطری اور کسبی ہوتے ہیں ان میں مسلمان اور کافر کی رُوح میں کوئی فرق نہیں ہوتا جو بھی جتنا چاہے اس میں کمالات پیدا کر سکتا ہے البتہ وہبی کمالات ہی ایسے ہیں جن میں سوائے انبیاء اور اولیاء اللّٰہ کے ان کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا اولیاء اللّٰہ بھی چونکہ بعض مظہر نبوت ہوتے ہیں ان کے بھی بعض کمالات وہبی ہوتے ہیں اور بعض کسبی اور بعض فطری لیکن انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ ان کے مکمل کمالات وہبی ہوتے ہیں۔

رُوح میں جب کافی انجلاء اور صفائی ہوتی ہے تو عالم غیب کی باتیں حسبِ استعداد منکشف ہو جاتی ہیں کبھی بیداری میں اور کبھی خواب میں لیکن رُوح کی صفائی جب اس مرتبہ کی نہیں ہوتی تو بیداری میں حواس خمسہ ظاہرہ قوت مدرکۂ باطنی کے لیے حجاب بن جاتے ہیں اور جب تک یہ حجابات مرتفع نہ ہوں انکشافات عالم بالا نہیں ہوتے نیند میں حواس خمسہ ظاہری کا تعطل واقع ہوتا ہے تو حجابات اُٹھتے ہیں اور انکشافات کا دروازہ کھلتا ہے اور رؤیائے صادقہ نظر آنے لگتے ہیں ان حجابات کے ارتفاع میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور اس کمی بیشی پر انکشافات

میں امور کے مشتبہ اور غیر مشتبہ ہونے کا انحصار ہے اگر حجابات زیادتی کے ساتھ مرتفع ہوئے تو انکشافات خواب دیکھنے والے پر مشتبہ نہیں ہوتے اور وُہ جن امور میں خواب دیکھتا ہے انھیں بھُولتا نہیں اور ان میں غلطی نہیں کرتا لیکن اگر حجابات کمی کے ساتھ اُٹھتے ہیں تو اس کی قوت مدرکہ کی کمزوری انکشافات کو خیالات اور ممثلات کے پردے میں ملتبس کر دیتی ہے اب اس قسم کے خواب کی اصلیت کو توہمات اور خیالاتِ باطلہ سے جُدا کرنے کے لیے کسی معبّر کی ضرورت پڑتی ہے وہ تعبیر دینے والا اصولِ تعبیر کا ماہر ہوتا ہے وُہ کھرے کھرے کھوٹے کو الگ الگ کرنے کی مہارت رکھتا ہے اور وہ عفیف النفس اور پرہیزگار ہونے کی وجہ سے صحیح معنی تک پہنچ جاتا ہے پھر وہ قیافہ شناس ہوتا ہے وُہ لوگوں کے حالات اور اختلاف زمان و مکان و احوال کا لحاظ رکھ کر کبھی موسم اور وقت اور خواب دیکھنے والے کی صحت و بیماری کا خیال رکھ کر تعبیر دیتا ہے تو اسے مکمل طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اشارہ غیبی بندہ کی طرف وارد ہوا ہے اس کا مقصد یہ ہے جو خواب نیک بندوں کو دکھائے جاتے ہیں انھیں مبشّرات بھی کہتے ہیں حدیث شریف میں آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت باقی نہیں رہی مگر مبشرات باقی ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا نیک خواب جس کو نیک آدمی دیکھتا ہے یا اس کو دکھایا جاتا ہے۔ یہ خواب کبھی بغیر ارادے کے نظر آتا ہے اور کبھی سونے سے پہلے ارادہ کرنے سے وہی خواب نظر آتا ہے کیونکہ نفس اس میں مشغول ہوتا ہے اور کبھی آیات، اذکار یا وظائف کے پڑھنے یا استخارہ کرنے سے خواب نظر آتے ہیں۔ بعض اوقات روزانہ ایک کام کرنے کی عادت سے غیب میں بھی وہی امور روزانہ نظر آتے ہیں اور کبھی پریشان خواب نظر آتے ہیں ان امور سابقہ کے پیشِ نظر رؤیا کی تین قسمیں ہوں گی: رحمانی خواب، شیطانی خواب، نفسانی خواب۔

رحمانی خواب جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں خدا تعالیٰ کسی بندہ کو کسی امر کے انکشاف کے لیے روزن کھول دیتا ہے اب اس کا سمجھنا اس کی ذاتی استعداد پر موقوف ہوگا اگر وُہ رُوح میں صفائی رکھتا ہے تو صراحۃً سمجھ جائے گا اور اگر اس کی رُوح میں کثافت اور میل ہے تو اسے معبّر کی ضرورت پڑے گی انھی کو رؤیائے صادقہ یا مبشرات یا کشف و الہام بھی کہتے ہیں مگر کشف و الہام کی سب سے کمزور قسم ہے۔

شیطانی خواب جو شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اس میں شیطان بندے کو غلط راستے پر ڈالنے اور گمراہ کرنے کے لیے ناسوت میں بڑے بڑے عجائبات دکھاتا ہے اور کبھی لغو اور تمسخر کی باتیں کرتا ہے کبھی ایسی ایسی باتیں دکھاتا ہے جن کا وجود نہ دنیا میں ہوتا ہے نہ خیالات میں اور کبھی اخلاق خبیثہ کے خوگروں اور طہارت و عبادت سے غافلوں اور شیطانی کاموں کے عادیوں کو اچھے اچھے خواب دکھا کر ان کو عقاید باطلہ اور امور فاسدہ پر قائم دائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

اور لغو خواب کبھی جنون یا نشہ یا امراض فاسدہ یا خورد و نوش کی بے اعتدالیوں کا بھی نتیجہ ہوتے ہیں۔

نفسانی خواب یہ خواب نفس اور روح کے کمالات پر مبنی ہیں یہ خواب بھی دو قسم کے ہیں: ایک وُہ جب خواب کے وقت انسان پر نفس کی قوتِ متخیلہ غالب ہوتی ہے اور حواس ظاہرہ کے مدرکات خزانۂ خیال میں مجتمع ہو جاتے ہیں نفس اسی کو خواب میں دُہراتا رہتا ہے اور جس چیز کی طرف بیداری میں زیادہ خیال رہتا ہے رات کو باطن میں وہی حالات گردش کرتے رہتے ہیں۔ روزانہ عادی خیالات، نفسانی ارادات اور دنیوی خطرات کو اس میں بہت دخل ہوتا ہے یہ حالت چنداں قابلِ وقعت نہیں۔

دوسری قسم یہ ہے کہ روح بسبب انعطال حواس خمسہ عالم ارواح کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور ایتھر میں زندہ آدمیوں کی رُوحوں اور فوت شدہ آدمیوں کی روحوں سے ملاقات کرتا ہے۔ بعض اشخاص کو بڑے بڑے علوم و معارف حاصل ہوتے ہیں کبھی کسی کو موت یا فوت کی خبر سنائی گئی یا کسی کو اولاد نرینہ کی پیدائش کی بشارت مل گئی کبھی کسی کو آئندہ آنے والے واقعات کا پتہ چل جاتا ہے کبھی کسی دوست کی آمد کی خبر مل گئی کبھی آئندہ رنج و راحت یا خوشی کا واقع خواب میں نظر آگیا یا کوئی اجنبی شخص یا نادیدہ مکان یا نیا شہر خواب کے اندر دیکھا گیا بعد میں بیداری پر ہو بہو سب کا وقوع اور ظہور ہو گیا۔ اس نفسانی خواب میں ہر چھوٹا، بڑا، مرد، عورت، فاسق، فاجر اور منافق سب شامل ہیں مصنوعی نیند وارد کرنے والے عاملین کہتے ہیں کہ انسان جب سوتا ہے تو انسان کے جسم سے وُہ رُوح جس سے اشیاء کا ادراک کیا جاتا ہے وُہ نکل جاتی ہے اور جسم کی

تدابیر سے فارغ ہو جاتی ہے اس سے ایک شعاع متصل ہوتی ہے جس کو سیال الحیوی الکہربائی کہتے ہیں انسان اس رُوح کے ساتھ خواب دیکھتا ہے اور یہ لوگ اس مصنوعی نیند میں بھی روح سے وہی کام لیتے ہیں جو اصلی اور حقیقی نیند میں خواب کی حالت میں لیا جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی یا الہام ہوتے ہیں

چونکہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات فطری اور کسبی نہیں ہوتے انہیں ہر کمال وہبی طور پر عطا ہوتا ہے اس لیے ان کی خوابوں کا معاملہ بھی اور طرح کا ہوتا ہے کبھی تو ان کو مشاہدہ کرا دیا جاتا ہے اور کبھی وحی کے ذریعہ اطلاع دی جاتی ہے اور کبھی اشارات و رموز میں سمجھا دیا جاتا ہے اور پھر یہ سب صورتیں کبھی بیداری میں اور کبھی خواب کی حالت میں پیش آتی ہیں بعض امور بالکل واضح دکھائے جاتے ہیں اور بعض ایسے کہ ان کی تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے مگر اس میں ان کو کسی معبرؔ کے پاس جانا نہیں پڑتا وہ خود ہی اس اشارۂ قدرت کو سمجھ لیتے ہیں اس میں ان کی قلب کی حالت یا رُوح کی صفائی اور عدم صفائی کا تعلق نہیں ہوتا ان کے نفوس قدسیہ پر ظلمت یا غیبت کا واقع ہونا ان کی شانِ اعلیٰ سے بعید ہے وُہ ہر وقت مشاہدۂ حق میں ہوتے ہیں وُہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو دیکھ کر بھی مشاہدۂ حق کر رہے ہوتے ہیں لعینہٖ اس طرح جس طرح ایک پرندہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتا، چنانچہ تو دیکھتا ہے کہ وہ کبھی اس ٹہنی پر ہوتا ہے کبھی اس ٹہنی پر اور کبھی اس درخت پر اور کبھی اس درخت پر۔ یہی حال انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے کہ وُہ کبھی مشاہدہ سے اور کبھی معائنہ سے اور کبھی وحی اور الہام سے امور غیبی پر مطلع ہوتے ہیں اور کبھی خواب میں اور کبھی بیداری میں آنے والے واقعات واضح منکشف ہو جاتے ہیں اور کبھی ایسی صورت میں کہ ان میں تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے غرضیکہ ان کے تمام کمالات چونکہ وہبی ہوتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے چاہا اسی طرح ان کو مطلع کر دیا۔

ابراہیم علیہ السلام کو بیٹا ذبح کرنے کا حکم واضح دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے سے پہلے واضح طور پر فتح مکہؔ کو دکھا دیا اور یوسف علیہ السلام کو ستاروں اور چاند و سورج کے ذریعہ ان کے بھائیوں اور ماں باپ کو سجدہ کرتے ہُوئے رمز اور اشارہ کی صورت

میں دکھا دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بعض ایسے خواب دکھائے گئے جن میں تعبیر کی ضرورت پڑی، مثلاً حضور نے خواب میں دیکھا کہ گائے ذبح کی جا رہی ہے اور آپ کی تلوار کی دھار دندانہ دار ہو گئی ہے اور ایک مضبوط زرہ ہے جس میں آپ داخل ہو گئے ہیں تو آپ نے گائے ذبح کیے جانے سے یہ اشارہ سمجھا کہ آپ کے گھرانے کا ایک فرد شہید ہوگا اور مضبوط زرہ سے مراد مدینہ لیا اور یہ کہ اگر آپ مدینہ سے باہر نہ نکلتے تو آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔

اسی طرح آپ نے ایک خواب دیکھا کہ لوگ قمیص پہنے آپ کے پیش ہو رہے ہیں بعض کی قمیصیں پستانوں تک اور بعض کی اس سے نیچے اور پھر حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ اُن کی قمیص اس قدر لمبی ہے کہ وہ اسے گھسیٹتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ اس پر صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا: دین۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر کثیر التعداد خواب ہیں جن کی تعبیر کی گئی۔

بہرحال خواب کا معاملہ ایسا ہے کہ جس کے وسیع عالم کا حدود اربعہ نظر نہیں آتا چنانچہ بعض اشخاص کو خواب میں قرآن مجید کی لمبی سورت یاد کرائی گئی اور جب وہ صبح اُٹھے تو انہیں وہ سورت ہمیشہ کیلئے یاد رہ گئی بلکہ ایسا بھی ہوا کہ بعض سعادت مند اشخاص کو خواب میں سارا قرآن ایک رات کے اندر حفظ کرایا گیا اور جب صبح کو اُٹھے تو ہمیشہ کے لیے حافظِ قرآن بن گئے بعض لوگوں کی نسبت بروایت صحیح سنا گیا ہے کہ رات کو سوتے وقت عجمی تھے اور انہیں خواب کے اندر عربی زبان بولنے کا ملکہ عطا کیا گیا جب وہ صبح کو اُٹھے تو فصیح عربی زبان بولنے والے پائے گئے اور ہمیشہ عربی زبان بولتے رہے چنانچہ ان کا قول ہے اَمْسَيْتُ عَجَمِيًّا وَ اَصْبَحْتُ عَرَبِيًّا یعنی میں سوتے وقت عجمی تھا لیکن صبح کو اٹھا تو عربی بنا ہوا تھا بعض لوگ جاہل سوئے اور عالم ہو کر اُٹھے۔ کئی دفعہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی کو خواب میں چوٹ لگی ہے اور بیداری میں اس کا اثر اس کے وجود پر نمایاں طور پر پایا گیا۔ چنانچہ حضرت قبلہ فقیر نور محمد صاحب قدس سرہٗ عرفان شریف میں لکھتے ہیں کہ میں نے خود ایک شخص کو دیکھا جسے خواب میں کسی نے اس کی ٹانگ پر چوٹ لگائی صبح کو وہ ٹانگ سے لنگڑا ہو گیا اسی طرح کے کئی مشاہدات علامہ ابن قیمؒ نے بھی کتاب الروح میں درج کیے ہیں۔

مسلمان اور کافر کے خوابوں کا بیّن فرق

مسلمان اور کافر کی رُوح کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں روح کی قوتوں اور صفات میں بیّن فرق ہے کافر کو بیداری میں رُوح کی صفائی سے جو کشف حاصل ہوتا ہے یا خواب کے ذریعہ کوئی بات منکشف ہوتی ہے تو صرف ان امور میں صریح کشف ہوتا ہے جن کا تعلق ظاہری مادی دنیا سے ہوتا ہے یا کسی ایسے مغیبات پر مطلع ہوتے ہیں جن سے انہیں دنیوی فوائد حاصل ہوں چونکہ ان کے روحوں کی گز صرف عالم ناسوت تک محدود رہتی ہے اس لیے وُہ ملائکہ اور انبیاء و رسل کی ارواح سے ملاقات نہیں کر سکتے اور جنت و دوزخ ، عرش و کرسی اور برزخ میں نیک لوگوں کے حالات سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔

اگر انہیں ان چیزوں کا کشف ہو جائے تو لازمی امر ہے کہ اپنے پیشواؤں اور آباؤ واجداد کے بُرے حالات اور ان کے برزخی عذاب کو دیکھ کر اور جنت کی شان اور دوزخ کی آگ کو دیکھ کر یقیناً مُسلمان ہو جائیں اکثر ان کے کشف و القاء شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں جو انہیں دھوکے میں رکھتا ہے۔ اگر کوئی فرشتہ نظر آیا جیسے جنگِ بدر میں تو وُہ عذاب کے لیے انعام باری تعالیٰ کے لیے نہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ کافر مسلسل مجاہدہ سے بھوکا پیاسا رہ کر بدن کو کمزور کر لیتا ہے جس سے بدن میں خُون اور چربی کم ہو جاتی ہے جس سے اُسے یکسوئی اور توجہ کرنے میں آسانی حاصل ہو جاتی ہے اور بشری کدورتوں کی صفائی کی وجہ سے اس کے قلب پر مادی اشیاء اور حقائق دنیوی کا عکس پڑتا ہے جس سے وُہ بعض مخفی اشیاء پر مطلع ہو جاتا ہے کشف حقائق الٰہی اور دیدار ارواح انبیاء و رسل اور فرشتوں کا دیکھنا ، جنت و دوزخ کا مشاہدہ ، عرش و کرسی کو ملاحظہ کرنا یہ صرف مسلمان اور اُمتِ محمدیہ کا خاصہ ہے کیونکہ کشفِ صحیح کی تعریف یہ ہے اِنَّمَا هُوَ نُوْرٌ يَّخْتَصُّ بِهٖ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اور کافروں کی روحوں کے لیے یہ فیصلہ ہے کہ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ ان کیلئے بلندیوں پر جانے کے لیے راستے نہیں کھولے جاتے اسی طرح خواب کے اندر بھی اہل ظلمت کو جو کشف و الہام ہوتا ہے اور وُہ سچا نکلتا ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی خاص وجہ ہوتی ہے چنانچہ عزیزِ مصر نے جو خواب دیکھا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے وَ قَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ

یسمان ہے [1]

وہ سچا خواب تھا اس کے متعلق سید عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ ابریز میں فرماتے ہیں :

"یہ اس لیے ہوا کہ اس میں یوسف علیہ السلام کا راز اور حق شامل تھا اور یہی خواب حضرت یوسف علیہ السلام کی شہرت، ان کے قید خانہ سے نکلنے اور ملک پر تسلط کا باعث ہوا۔ اس کے علاوہ بھی کبھی کافر کا خواب سچا نکل آتا ہے جب اس کے ساتھ کسی اور کا تعلق ہو، اور یوسف علیہ السلام کے دو ساتھیوں کے خواب میں بھی یہی حکمت تھی جو بیان کی گئی ہے"

الحاصل اہل ظلمت کا خواب اس وقت سچا نکلتا ہے جس سے حق بات کی تائید ہو رہی ہو یا خواب اس کی توبہ کا سبب بنے یا اس میں اس کے ایمان لانے کی خوشخبری ہو اور بعض اوقات یہ خواب اوروں کے لیے ہوتی ہے مثلاً ان اہلِ فضل لوگوں کے لیے جن کے ساتھ اسے نسبت ہوتی ہے بعض اوقات اس قسم کے خواب انہیں آتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ درست ہے حالانکہ یہ ایک قسم کی آزمائش، دھوکا اور فریب ہوتا ہے نعوذ باللہ من ذالک۔

مکاشفہ

انسان کے لیے حصولِ علم کے ذرائع تین ہیں، حواس ظاہری، وہم و عقل اور نورِ بصیرت۔ حواس ظاہری سے جو علم حاصل کیا جاتا ہے اس کی بنیاد احساس اور مشاہدہ پر ہے عقل و وہم سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ انتقال من المعلوم الی المجہول کے طریقہ پر ہوتا ہے اور نورِ بصیرت سے جو علم حاصل ہوتا ہے اس کا ذریعہ تلقی روحانی عن الغیب ہے وحی، تحدیث، تفہیم، ذوق، معرفت، علم لدنی، مشاہدہ، کشف والہام رکھا گیا ہے اور جب وحی جلی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ منقطع ہو گئی تو اب تلقی عن الغیب کی صرف ایک قسم کشف والہام باقی رہ گئی۔

---

[1] قرآن مجید : سورہ یوسف۔

جس طرح علوم شرعیہ خزانۂ غیب سے ہیں۔ اسی طرح علوم کشفیہ اور الہامیہ بھی خزانۂ غیب کے علوم سے ہیں جس طرح ظاہری شریعت کے مسائل اور اخبارِ معصوم کے متعلق صحیح تمیز رکھنے والے علماء موجود ہیں جو سقیم کو صحیح سے الگ کر دیتے ہیں اسی طرح کشف و الہام میں بھی مہارت رکھنے والے صوفیہ عارفین موجود ہیں جو صحیح اور سقیم میں تمیز کر لیتے ہیں۔

بعض فلاسفہ اور نیچری قسم کے لوگ کشف و الہام کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ سمجھتے ہیں کہ کشف صرف اس چیز کا نام ہے کہ انسان خود اپنے خیال میں کسی چیز کو پختہ کر لے تو وہ پختہ خیال ہی مکاشفہ بن جاتا ہے حالانکہ یہ ان کے فنِ تصوف سے ناواقفیت کی دلیل ہے ہر فن کے ماہرین الگ ہوتے ہیں لکلّ فنٍ رجال علم تصوف ایک نہایت ہی اعلیٰ اور دقیق علم ہے اس کی اصطلاحات الگ ہیں اس فن کے ائمہ الگ ہیں اس کی کتب اور حقائق و معارف ایک انفرادی حیثیت رکھتے ہیں۔ مکاشفہ کی حقیقت کو امام محمد غزالی قدس سرہ العزیز نے احیاء العلوم کی جلد اول میں حسب ذیل ظاہر کیا ہے: علمِ مکاشفہ علم باطن کا نام ہے اور یہ تمام علوم کا نتیجہ اور غایت ہے چنانچہ بعض اہل اللہ نے لکھا ہے کہ جس شخص کو اس علم سے کچھ بھی حصہ نہیں ملا ہمیں اس کے خاتمہ بالایمان کا ڈر ہے لہذا یہ لازم آتا ہے کہ اس کی تصدیق کی جائے جن بزرگانِ دین اور سالکانِ طریقت کو یہ علم حاصل ہے اُن پر طعن و تشنیع نہ کی جائے اور بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ جس شخص میں بدعت اور تکبر ہو وہ اس علم سے قطعاً دور رکھا جاتا ہے اور نیز یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص دنیا میں اس قدر مستغرق ہو کہ محبت الٰہی سے بالکل غافل ہو جائے وہ اس علم سے بے بہرہ رہتا ہے اور سب سے پہلی سزا جو منکرِ مکاشفہ کو خدا کی طرف سے ملتی ہے یہ ہے کہ وہ اس خزانۂ حقائق و معارف سے بے نصیب ہو جاتا ہے علم مکاشفہ صدیقین اور مقربین بارگاہِ لم یزلی کا حصہ ہے اور وہ ایک نور ہے جو نفس کے تمام صفات ذمیمہ سے پاک و صاف ہو جانے پر قلبِ مومن میں پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے ان حقائق و معارف کا انکشاف ہوتا ہے جن کا پہلے اسے صرف سماعی علم تھا اور غیر واضح طور پر ان کو سمجھتا تھا۔ اس مقام میں ان تمام مشکلات کے عقدے حل ہو جاتے ہیں جن کو وہ اپنے علوم کسبیہ کی وساطت سے نہیں سمجھ سکتا تھا اسی مقام کا نام معرفتِ حقیقی ہے کیونکہ اللہ عزوجل کی ذات اس کے صفات و افعال اور باقیات یعنی حقیقتِ

اعمال، دنیا و آخرت پیدا کرنے کی حکمت، ان کے ذاتِ باری سے صادر ہونے کی کیفیت، عالمِ موجودات کے صادر ہونے کی وجہ ترتیب، حقیقتِ نبوت، حقیقت ملائکہ و شیاطین، کیفیت عداوتِ شیطان بہ آدم، انبیاء علیہم السلام پر ظہور فرشتہ، نزولِ وحی کی کیفیت، موجوداتِ عالم پر خدا کی بادشاہت اور حقیقتِ قلب، الہامِ ربّانی، خطرات شیطانی، عذابِ قبر کی صحیح حقیقت، جنت و نار و عذاب و صراط میزان و حساب وغیرہ امور اسی مقام میں واضح ہوتے ہیں اور آیۃ اِقْرَاْ کِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (یعنی ہر ایک شخص کو نامۂ اعمال دیتے وقت کہا جائے گا کہ لے اپنا نامۂ اعمال پڑھ لے آج تیرے لیے خود ہی اپنا محاسب ہونا کافی ہے) اور آیۃ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (اور آخرت حقیقی زندگی کا ٹھکانہ ہے) کی حقیقت کھلتی ہے، رؤیت ذاتِ باری، نزول و قرب حق، عالمِ آخرت میں حصولِ سعادت، مصاحبتِ ملائکہ و انبیاء اور تفاوتِ درجات کا پتہ لگتا ہے الغرض عارف کامل اسی مقام پر عجیب و غریب اسرار و رموز کا مالک ہوتا ہے اور جو اسے حاصل ہوتا ہے اہل ظاہر کو اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں اس علم کی تصدیق اصول کے بعد عارفین کے مختلف مقامات ہیں بعض تو حقائق مذکورہ بالا کو ان کی مثالی صورتوں میں حاصل کرتے ہیں اور جو حدِ غایت کو پہنچ جاتے ہیں اور وہ ان حقائق کو ان کی اصلی اور حقیقی صورت میں مشاہدہ کرتے ہیں الحاصل علم مکاشفہ سے مراد یہ ہے کہ لوازم بشریت کا حجاب دُور ہو کر مذکورہ بالا امور کی حقیقت اصلیہ واضح طور پر عارف کامل کے لیے اس طرح کھول دی جاتی ہے کہ وُہ انہیں بالکل کھلم کھلا دیکھ لیتا ہے جس میں شک و شبہ کا مطلقاً دخل نہیں ہوتا اور اس حالت کا پیدا ہونا قانونِ فطرت کے عین مطابق ہے کیونکہ آئینہ قلب سے جب مختلف قسم کی بد اعتقادیوں اور نفسانی خباثتوں کا زنگار بذریعہ مجاہدہ و ریاضت اُٹھ جاتا ہے تو حقائق و معارف منجلی ہوتے ہیں اور یہ بات بالکل انبیاء علیہم السلام کے رنگ میں رنگ جانے سے حاصل ہو سکتی ہے ۔ یہی وہ علم ہے جس کو بذریعہ تحریر و تقریر حاصل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ وُہ کیفیات ہیں جو گفت و شنید سے ماوراء ہیں اور یہی وُہ علم خفی ہے۔ حضور علیہ السلام نے درج ذیل الفاظ میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

اِنَّ[1] مِنَ الْعِلْمِ كَهَيْئَةِ الْمَكْنُوْنِ لَا يَعْلَمُهٗ — بیشک ایک حصہ علم کا وُہ ہے جو بطور اسرار مخفیہ رکھا گیا ہے

[1] احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۲۸ - ۲۹

إِلَّا أَهْلُ الْمَعْرِفَةِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى فَإِذَا نَطَقُوْا بِهٖ لَمْ يَجْهَلْهُ إِلَّا أَهْلُ الْاِغْتِرَارِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى فَلَا تُحَقِّرُوْا عَالِمًا اٰتَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عِلْمًا مِّنْهُ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يُحَقِّرْهُ إِذَا اٰتَاهُ الْعِلْمَ۔

جس کو صرف اللہ کی معرفت والے لوگ حاصل کر سکتے ہیں۔ جب وہ لوگ ان علوم کو الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں تو صرف جاہل اور مغرور آدمی اس کا انکار کیا کرتے ہیں تم ایسے عارف کی تحقیر مت کرو جس کو خدا نے یہ علم دیا کیونکہ جب خدا نے اس کو علم دیا ہے تو اس کو حقیر نہیں رہنے دیا۔

عدمِ کشف بہت بڑا حجاب ہے

امام فخر الدّین رازیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ بات دلائل عقلیہ سے ثابت ہے کہ عذابِ حجاب عذابِ نار سے شدید تر ہے اسی واسطے باری تعالیٰ نے فرمایا:

كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ۔

یُوں ہرگز نہیں تحقیق وُہ لوگ اپنے رب سے اس دن روک دیئے جائیں گے پھر وُہ کا فر دوزخ میں داخل ہوں گے۔

حجاب کو جحیم سے پہلے بیان فرمایا پھر وہ کافر فی الحال بھی حجاب میں ہیں وہ عذاب میں مبتلا ہیں لیکن کفار کا دنیا میں مشغول ہونا اور اس کی لذات میں غرق ہونا عذاب کے احساس کو مانع ہے جیسے ایک مخدر عضو ہو تو اسے آگ کے چھونے سے درد کا احساس نہ ہوگا حالانکہ سببِ عذاب تو موجود ہے لیکن عدم شعور مخدر ہونے کے باعث ہے اور جب یہ مانع زائل ہو جائے گا تو عذاب کی شدّت کا احساس بڑھ جائے گا کفّار کے معاملہ میں بھی یہی حالت ہے کہ جب بدن روح سے الگ ہو جائیگا تو حجاب کا عذاب شدید تر ہو جائے گا۔

کشف کی شرائط

کشف والہام کے لیے دو شرطیں ہیں: ایک کسبی اور دُوسری وہبی۔ کسبی یہ ہے کہ

---

[1] تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۱۹۔

شریعتِ مصطفویہؐ کا کامل اتباع کیا جائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت پیدا ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اُس کی برکت سے قلب سلیم عنایت فرماتا ہے۔ قلب سلیم کے باطنی حواس بیدار ہوتے ہیں اور قلب ان کے ذریعہ باطنی علوم کا ادراک کرتا ہے جس طرح ظاہری حواس سے ظاہری علوم حاصل کیے جاتے ہیں بعینہٖ القائے ربانی بھی اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ ہے جس کا عقیدہ خراب، عمل ناقص اور حُبِ رسولؐ سے خالی ہو وُہ اتنی بڑی نعمت کا کیسے مستحق قرار پاسکتا ہے۔

نافرمان لوگوں کو جو الہام ہوتا ہے وہ القائے شیطانی ہے شیطان کا یہ طریق کار ہے کہ وُہ اپنے دوستوں کو القاء کرتا رہتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ:

وَاِنَّ الشَّیَاطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیَائِہِمْ۔ بیشک شیاطین اپنے دوستوں کو الہام کرتے رہتے ہیں۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیَاطِیْنُ ۝ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اُترا کرتے ہیں

تَنَزَّلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ۝ وہ ہر دروغ گو اور بدکردار پر اُترتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ جوگیوں، پنڈتوں، کاہنوں، جادوگروں اور استدراجیوں کو اسی قبیل کے الہام ہوتے ہیں۔

کشف و الہام کی صحت کا معیار

۱۔ جسے قلب سلیم عنایت ہوتا ہے اس میں ایک صحیح وجدان اور ذوقِ سلیم پیدا ہو جاتا ہے جو القائے رحمانی کو قبول کر لیتا ہے اور القائے شیطانی کو باہر پھینک دیتا ہے جس طرح معدہ انسانی مکھی کو باہر پھینک دیتا ہے اسی طرح قلب سلیم بھی القائے شیطانی کو قبول نہیں کرتا۔

۲۔ ہر کشف و الہام کو کتاب وسنّت کے سامنے پیش کیا جائے گا اگر وہ اس سے متصادم ہو تو مردود ہے اور جو کتاب وسنّت کے مطابق ہے وہ من جانب اللہ ہے۔

۳۔ بعض اوقات کشفِ صحیح سے کتاب وسنّت کی تشریح کی جاتی ہے اور کبھی اجمال کی

تفصیل ہوتی ہے اور کبھی ان امور کا انکشاف ہوتا ہے جن سے شریعت نے سکوت اختیار کیا ہو۔ ان امور سے جو چیز ثابت ہو گی وہ حق ہے اور جو شریعت کے منفی کو مثبت بنا دے یا مثبت شریعت کو منفی قرار دے وہ کشف والہام مردود ہے نصوصِ قرآنیہ سے علومِ کشفیہ والہامیہ ثابت ہیں۔ اس کی تفصیل تفاسیر میں موجود ہے پس اس کا انکار دین کے متواترات اور نصوص قطعیہ کا انکار ہو گا۔

الہام کی تعریف اور اقسام

الالہام القاء الخیر فی قلب الغیر بلا کسب یعنی الہام بلا سبب خیر کی بات کا دل میں ڈالنے کا نام ہے۔

الہام غیبی آواز کو کہتے ہیں جو بے واسطہ کسی لطیف غیبی مخلوق کی طرف سے القاء ہوتا ہے اس کی بہت سی قسمیں ہیں ہر ایک الہام کو اس کے آثار و اطوار سے معلوم کرتے ہیں ایک الہام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے یہ الہام بے کیف ، بے جہت اور بے واسطہ دل پر وارد ہوتا ہے اور زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ اس الہام میں آواز اور حروف نہیں ہوتے لیکن زبان پر جاری ہونے وقت حروف الفاظ اور آواز کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

ایک قسم کا الہام انبیاء اور اولیاء کی طرف سے ہوتا ہے یہ الہام آواز مخلوق اور حرف والفاظ کی صورت میں اکثر دائیں طرف سے یا سامنے سنائی دیتا ہے اور اس میں خوشبو ملی ہوئی ہوتی ہے۔

ملائکہ سے جو الہام وصول ہوتا ہے اس کی بھی تقریباً یہی صورت ہوتی ہے لیکن جنات، اور شیاطین کی طرف سے جو الہام اور آواز پہنچتی ہے وہ بائیں طرف سے یا پیٹھ پیچھے سے سنائی دیتی ہے اور اس میں بدبو ملی ہوتی ہے اسی طرح انوار وتجلیات کا معاملہ ہے جس طرح دنیا کی مادی بجلی میں طاقت ، روشنی اور آواز ہوا کرتی ہے اسی طرح باطنی برقی رَو میں بھی انوار وتجلیات کی روشنی، الہام کی آواز اور روحانی مقناطیسی قوت اور طاقت ہوا کرتی ہے۔

کشف و الہام کی تصریحات

کشف و الہام وحی باطنی ہے اور کمالاتِ نبوت سے ہے انقطاعِ نبوت اور انقطاعِ وحی شرعی کے بعد یہ دلائل میں داخل ہے یہ باطنی دولت انبیاء کا حصّہ ہے جو بطور وراثت انبیاء کی حقیقی اولاد یعنی متبعین کو ملتی ہے علمائے ظاہر جو اس راستہ سے نا آشنا ہیں اور نورِ بصیرت سے محروم ہیں کشفی امور کو سُن کر اکثر چیں بہ جبیں ہوتے ہیں۔

بعض اہل علم یہ سوال کرتے ہیں کہ کشف ظنی چیز ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں ۔ تو عرض یہ ہے کہ کیا کتب فقہ میں مذکور تمام مسائل قطعیہ ہی ہیں ؟ کیا ذخیرۂ احادیث کی تمام حدیثیں متواتر اور قطعی ہیں ؟ کیا وتر، سنّت ، نوافل کی تعیین نصوص قطعیہ سے ثابت ہے ؟ اگر محض ظنی ہونے کے احتمال پر کشف کی کوئی اہمیت نہیں تو فقہ اسلامی سے کیا سلوک کریں گے ؟ کوئی یہ کہتا ہے کہ اس میں غلطی کا احتمال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ دین نقل ہے اور نقل خبر ہے اور خبر میں صدق وکذب ہر دو کا احتمال ہے تو پھر کیا اس احتمال پر پورے دین کو چھوڑ دینا چاہئے؟ کوئی کہتا ہے کہ کشف حجتِ شرعی نہیں حالانکہ نصوص قرآنیہ سے علوم کشفیہ اور الہامیہ ثابت ہیں اور ان کے انکار سے متواترات کا انکار لازم آتا ہے کوئی کہتا ہے کہ کشف تو کافر کو بھی ہو جاتا ہے اس کا تفصیلی جواب پہلے دیا جا چکا ہے مختصراً پھر عرض کیے دیتا ہوں کہ کافر مسلسل مجاہدہ سے بھوکا پیاسا رہ کر بدن کو کمزور کر لیتا ہے اور اسے یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے جس سے قلب پر عالم ناسوت کی بعض چیزیں منکشف ہو جاتی ہیں لیکن حقائق اشیاء ، برزخ کے حالات ، ملائکہ وانبیاء کی ارواح سے ملاقات ، جنت و دوزخ کی رؤیت ، عرش وکرسی لوح وقلم اس کے علاوہ عالمِ ملکوت ، لاہوت اور تجلیات الٰہی کے دیکھنے سے سراسر محروم رہتا ہے واضح بات ہے کہ اگر ان چیزوں کا مشاہدہ کرلے تو کافر کفر پر قائم ہی نہیں رہ سکتا۔

اِنَّمَا هُوَ نُوْرٌ يَّخْتَصُّ بِهِ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۔

علمائے ظاہر کشف والہام کی مخالفت کو جائز سمجھتے ہیں اور صوفیائے کرام اس کی مخالفت کو حرام سمجھتے ہیں بشرطیکہ قواعدِ شرعیہ کے خلاف نہ ہو کشف والہام جو شریعت کے خلاف

نہ ہو اس پر عمل نہ کرنے سے گو دینی عذاب نہیں ہوتا لیکن دنیوی تکلیفوں کا یقیناً موجب ہوگا لہٰذا جسمانی اور دنیوی تکلیفوں سے بچنے کے لیے کشف والہام پر عمل ضروری ہُوا اس قانون کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔

دلائل و براہین سے ثابت ہے کہ کشف موجب وجوب نہیں موجبِ علم ہے اور قابل عمل ہے۔

اس اجمال تفصیل ملاحظہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا کو جو خطاب اکلِ شجرہ سے پہلے ہوا وہ الہامی خطاب تھا نہ کہ وحی شرعی جیسا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ اور نَادٰهُمَا رَبُّهُمَا میں امام رازیؒ نے فرمایا کہ دونوں کو خطاب تھا اور حضرت حوّا کو یہ خطاب بلا واسطہ حضرت آدم علیہ السلام تھا۔[1]

اس الہام پر عمل نہ کرنے سے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا علیہما السلام کو جسمانی اور دنیوی مصائب پیش آئے نہ کہ دینی عقاب۔ قولہٗ تعالیٰ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا (جب ان دونوں نے درخت کو کھا لیا تو ان دونوں کی شرمگاہیں کُھل گئیں) پس ثابت ہوا کہ الہام موجبِ علم ہے اور قابلِ عمل بھی ہے اس پر عمل نہ کرنے سے بدنی اور دنیوی تکلیف ہوتی ہے شرعی عقاب لاحق نہیں ہوتا کیونکہ موجبِ وجوب نہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ کشف والہام اولیاء اللہ کے لیے خاص ہیں وحیِ الٰہی کے بعد ان کا مقام ہے آسمانی علوم کا واسطہ ہیں گو وحی کے مقابلہ میں کمزور واسطہ ہیں یعنی موجبِ علم اور قابلِ عمل ہیں موجبِ وجوب نہیں۔

کشف اگرچہ کوئی مستقل دلیل شرعی نہیں ہے مگر جب دلیلِ قطعی کے مطابق ہو تو صاحبِ کشف کے لیے یقینی حجت ہے۔

کشف اور اس کی اقسام

کشفِ الٰہی، کشف کونی، کشف قلوب، کشفِ قبور اسی طرح رویت انبیاء، ملائکہ، ارواح کا معاملہ کشف سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ چیزیں مقصود نہیں مقصود بالذات رضائے الٰہی کا حصول ہے لیکن سالک کو اس راہ میں یہ نعمتیں ضمناً حاصل ہو جاتی ہیں اگر کوئی شخص ذکر و فکر اللہ و رسولؐ کی اطاعت میں لگ جائے تو خود ہی سب حقائق منکشف ہو جاتے ہیں۔

[1] اربعین فی اصول الدین مصنفہ امام رازیؒ ص ۳۳۹

بقول مولٰنا روم ؎

بینی اندر دل علومِ انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

(بغیر کسی تعلیم و معلم کے انبیاء کے علوم منکشف ہو جائیں گے)

اور جن کو یہ حقائق حاصل ہوئے ہیں یہ محض عمل اور طاعت ہی سے حاصل ہوئے ہیں ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ مے نگیرد فضل شاہ

(یہ اسرار عقل پرستی اور فہم کے تیز کرنے سے معلوم نہیں ہوتے اللہ کا فضل وکرم شکستہ دلی کے بغیر میسّر نہیں آسکتا)

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ
خاک شو تا گل بر آید رنگ رنگ

(بہار میں پتھر کب سرسبز ہوتا ہے خاک ہو جا تاکہ پھر رنگا رنگ پھول کھلیں)

امام غزالیؒ کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں:

"جاننا چاہیے کہ جس طرح محسوسات کی دنیا میں جسم کے لیے حواسِ خمسہ ہیں!
اسی طرح عالمِ ملکوت میں دل کے لیے ایک دروازہ ہے۔"

اے دوست! یہ نہ سمجھ کہ عالم روحانی کی طرف دل کا دروازہ قبل از موت نہیں کھلتا یہ غلط خیال ہے بلکہ اگر عالمِ بیداری میں کوئی شخص عبادت کرے اور اپنے دل کو خواہشات نفسانی اور اخلاق شنیعہ سے بچائے، تنہائی اختیار کرے، ظاہری آنکھیں دنیا کی طرف سے بند کرلے اور حواس ظاہری کو یک دم معطّل کردے۔ اس کے بعد اپنے دل کو معرفتِ الٰہی کی طرف رجوع کرے اور بجائے زبان کے دل سے اللہ کا نام جپتا رہے اور اسی محویت کے عالم میں اپنے آپ کو کھو دے دنیا کی ہر شے سے بے نیاز ہو جائے پھر اس درجے پر پہنچنے کے بعد انسان کے دل کا دروازہ بیداری کے عالم میں بھی کھل جاتا ہے اور جو کچھ دُوسرے لوگ خواب کے عالم میں دیکھتے ہیں وہ عالمِ بیداری میں محسوس کرنے لگتا ہے فرشتوں کے ارواح اس کو نظر آنے لگتے ہیں، وُہ

انبیاء کو بھی دیکھتا ہے اُن سے فیوض حاصل کرتا ہے ملائکہ زمین و آسمان اس کو نظر آنے لگتے ہیں اور جب کسی کے لیے یہ راستے کشادہ ہو جاتے ہیں اس کو عجائبات نظر آنے لگتے ہیں جو صفات کی حدود سے بالاتر ہیں۔[1]

حقیقتِ موت

پچھلے صفحات میں یہ بات بڑی وضاحت سے ثابت کی جا چکی ہے کہ انسان میں ایک روح حیوانی اور دوسری رُوح انسانی ہے رُوحِ حیوانی کا تعلق دل سے ہے جو سینے میں ہر وقت دھڑکتا رہتا ہے یہ رُوح جسم انسانی میں تدبیر و تغذیہ کا کام سرانجام دیتی ہے حواسِ خمسۂ ظاہرہ کا تعلق اسی رُوح سے ہے رُوحِ حیوانی روحِ انسانی کی سواری ہے جو اپنے تمام کام روح حیوانی سے لیتی ہے چنانچہ جب تک عناصرِ اربعہ کا اعتدال باقی رہتا ہے وُہ صورتِ جسیمہ میں باقی رہتی ہے اور جہاں کسی جز کی کمی بیشی ہوئی وہ اس سے الگ ہو جاتی ہے اور یہی رُوح حیوانی موت کا باعث ہوتی ہے پھر اس معتدل مزاجی کے سلسلہ کو درہم برہم کرنے کے لیے خدا کی طرف سے ایک فرشتہ مقرر ہے جسے ہم ملک الموت کہتے ہیں جب ملک الموت روح حیوانی کو فنا کر دیتا ہے تو انسان مر جاتا ہے اور رُوح انسانی باقی رہتی ہے ، اسے ملک الموت قبض کر کے جہاں اسے لے جانے کا حکم ہوتا ہے وہاں پہنچا دیتا ہے روح انسانی کو جسم ظاہری کا ہتھیار صرف معرفت الٰہی کے حصول کے لیے بخشا گیا ہے اگر انسان نے جسم ظاہری کو ریاضت و مجاہدہ میں رکھ کر عرفانِ حق حاصل کر لیا ہے تو جسم انسانی کا فنا ہو جانا روح انسانی کی فلاح کا باعث ہے کیونکہ اس نے اپنا حقیقی مقصد حاصل کر لیا ہے۔

اب رُوحِ انسانی کا جو تصرف رُوحِ حیوانی پر تھا ختم ہو گیا اب رُوحِ انسانی تنہا رہ گئی گویا بغیر سواری اور بغیر آلات کے ہو گئی۔ غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ جسم کی ترکیب میں جو اعضاء کام کرتے ہیں وُہ خود کسی فعل کا سبب نہیں ہو سکتے بلکہ وہ بمنزلۂ آلات ہیں۔ جب یہ اعضاً

---

[1] کیمیائے سعادت اردو ص ۶۴ - ۶۵

صحیح طور پر کار آمد رہتے ہیں تو رُوح انسانی کا تصرف ان پر رہتا ہے جب یہ بیکار ہو جائیں یا کسی حادثہ کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ جائیں تو رُوح کا بدن پر سے تصرف اٹھ جاتا ہے اور بدن اس کا آلہ نہیں رہتا۔ مثال کے طور پر لنجے پن کے یہ معنی ہیں کہ ہاتھ روح کا آلہ بننے سے نکل گیا اور اس کے کام کا نہ رہا اسی طرح موت سے انسان سارے اعضاء کا اپاہج ہو جاتا ہے گویا اس کا آلۂ کار نہ رہا اور انسان کی حقیقت جو اس کی رُوح ہے وہ بدستور موجود رہتی ہے۔

الحاصل یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ گئی کہ موت رُوح انسانی کے فنا ہو جانے کا نام نہیں بلکہ موت روح کا جسم انسانی میں تدبیر و تغذیہ کے تعطل کا نام ہے چنانچہ اس پر چند علمائے کرام کے اقوال سے ثبوت پیش کرتا ہوں:

۱۔ امام[1] عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں،

لَا تَمُوْتُ اَرْوَاحُ الْحَیٰوۃِ بَلْ تُرْفَعُ اِلَی السَّمَاءِ حَیَّۃً۔ — رُوحیں مرتی نہیں بلکہ زندہ آسمان کی طرف اٹھا لی جاتی ہیں۔

۲۔ امام[2] ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں بلال بن سعدؒ سے راوی ہیں کہ وُہ اپنے وعظ میں فرماتے ہیں:

یَا اَهْلَ الْخُلُوْدِ وَیَا اَهْلَ الْبَقَاءِ اِنَّكُمْ لَمْ تُخْلَقُوْا لِلْفَنَاءِ وَاِنَّمَا خُلِقْتُمْ لِلْخُلُوْدِ وَالْاَبَدِ وَلٰكِنَّكُمْ تَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ۔ — اے ہمیشگی والو! اے بقا والو! تم فنا کے لیے پیدا نہیں کیے گئے بلکہ دوام و ہمیشگی کے لیے پیدا ہوئے ہو لیکن تم ایک گھر سے دُوسرے گھر میں منتقل ہو جاتے ہو۔

۳۔ جلال الدین سیوطیؒ شرح الصدور میں فرماتے ہیں:

قَالَ الْعُلَمَاءُ الْمَوْتُ لَیْسَ بِعَدَمٍ مَحْضٍ وَّلَا فَنَاءٍ صِرْفٍ وَّاِنَّمَا هُوَ انْقِطَاعُ تَعَلُّقِ الرُّوْحِ بِالْبَدَنِ وَمُفَارَقَۃٌ وَحَیْلُوْلَۃٌ بَیْنَهُمَا وَ — علمائے فرمایا موت کے یہ معنی نہیں کہ آدمی محض نیست و نابود ہو جائے بلکہ وُہ تو رُوح و بدن کے تعلق کا انقطاع، ان میں حجاب و جدائی، تغیر حال اور ایک گھر سے دُوسرے گھر چلے جانے کا نام ہے۔

---

[1] و [2] بحوالہ حیات الموات ص ۹۱ - ۹۲

تَبَدُّلُ حَالٍ وَّانْتِقَالٌ مِّنْ دَارٍ
اِلٰی دَارٍ[1]

صفاتِ رُوح کی بقاء

جو معارف یا کمالاتِ علمی رُوح نے اس دنیا میں رہ کر حاصل کیے تھے وہ بعد از مفارقت بدن اس سے سلب نہیں کیے جاتے بلکہ ان علوم و معارف میں وسعت پیدا ہوجاتی ہے اور روح کے ادراکات وسیع ہوجاتے ہیں ہاں رُوح سے وُہ افعال و اعمال سلب ہوجاتے ہیں جو بدن کے وسیلے سے کرتی تھی دنیا میں رُوح مادی کانوں، آنکھوں اور زبان کی محتاج تھی کیونکہ مادیات کو سنانا اور دکھانا مقصود تھا جب مادہ سے مفارقت ہُوئی تو مادی آلات سلب ہوگئے مگر رُوح میں بولنے، سُننے اور دیکھنے کی قوت باقی رہی یہ رُوح کی ذاتی صفات ہیں پس رُوح زندہ ہے کلام کرتی ہے، دیکھتی ہے، سُنتی ہے، کلام کا جواب دیتی ہے۔ اس پر اکثر علماءؒ کا اتفاق ہے حضرت امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

لَا تَظُنَّ اَنَّ الْعِلْمَ يُفَارِقُكَ بِالْمَوْتِ فَالْمَوْتُ لَا يَهْدِمُ مَحَلَّ الْعِلْمِ اَصْلًا وَّ لَيْسَ الْمَوْتُ عَدَمًا مَّحْضًا حَتّٰى تَظُنَّ اَنَّكَ اِذَا عدمت صفتك[2]

یہ گمان نہ کرنا کہ موت سے تیرا علم تجھ سے جُدا ہوجائے گا کہ موت محلِ علم یعنی رُوح کا تو کچھ نہیں بگاڑتی نہ وہ نیست و نابود ہونے کا نام ہے کہ تو سمجھے جب تو نہ رہا تیرا وصف یعنی علم و ادراک بھی نہ رہا۔

بعد موت جسمانی رُوح کا علم اور حافظہ موجود رہتا ہے

قال اللہ تعالیٰ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ[3]۔ ارشاد ہُوا کہ جنت میں داخل ہوجا (یعنی جب دخول جنت کی

---

[1] بحوالہ حیات الموات ص ۹۱، ۹۲
[2] ایضاً ص ۹۶
[3] س یٰسین پ ۲۳

بشارت دی گئی) تو اس نے کہا کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں میں شامل کر دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قوم نے جو سلوک اس مردِ مومن کے ساتھ کیا تھا وہ اسے یاد تھا اس نے یہ بات بھی اظہارِ افسوس کے طور پر کہی۔

روح کی آزادانہ شان

امام نسفی عمدۃ الاعتقاد میں اور علامہ نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

اَلرُّوْحُ لَا یَتَغَیَّرُ بِالْمَوْتِ۔ مرنے سے روح میں کچھ تغیر تبدیل نہیں آتا۔

علامہ مناوی کی شرح صغیر میں ہے:[1]

اَنَّ الرُّوْحَ اِذَا انْخَلَعَتْ مِنْ هٰذَا الْهَيْكَلِ وَانْفَكَّتْ مِنَ الْقُيُوْدِ بِالْمَوْتِ تَحُوْلُ اِلٰى حَيْثُ شَاءَتْ۔

بے شک رُوح جب اس قالب سے جدا اور موت کے باعث دیگر قیود سے رہا ہوتی ہے، جہاں چاہتی ہے چلتی پھرتی ہے۔

روح کے ادراکات اور جمعہ کے روز پہچاننا

شرح سفر السعادت میں ہے:

"خاصیتے ست ایام آنکہ روز جمعہ ارواح مومناں بقبور خویش نزدیک مے شوند نزدیک شدن معنوی و تعلق واتصالِ روحانی نظیر و مشابہ اتصالی کہ بہ بدن دارد و زائراں راکہ نزدیک قبر می آیند می شناسند ولیکن دریں روز شناختن زیادت بر شناخت سائرِ ایام است از جہت نزدیک شدن بقبور لابد شناخت از نزدیک بیشتر و قوی تر باشد از شناخت دور"

مقصد یہ ہے کہ اگرچہ مومنوں کی رُوحیں زائرین قبور کو ہمیشہ جانتی پہچانتی ہیں لیکن جمعہ کے

---

[1] بحوالہ حیات الموات ص ۹۶

روز خاص طور پر قبور کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اور قریب آجاتی ہیں اس لیے دُور سے دیکھنے کی بجائے نزدیک سے دیکھنا زیادہ قوی ہوتا ہے۔

رُوح کی شان یہ ہے کہ وہ اگرچہ ملا اعلیٰ میں ہوتی ہے پھر بھی بدن کے ساتھ ایک خفیف سا تعلق ہوتا ہے جس سے سلام کرنے والے کو سلام کا جواب دیتی ہے کیونکہ رُوح را قرب و بعد مکانی نیست اس کا حال جسم جیسا نہیں ہوتا کہ اس پر قیاس کیا جائے کہ جب وُہ ایک مکان میں ہو تو اسی وقت دوسرے میں نہیں ہو سکتی۔

علامہ زرقانی شرحِ مواہب میں نقل فرماتے ہیں:

رَدُّ السَّلَامِ عَلَی الْمُسْلِمِ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ حَقِیْقِیٌّ بِالرُّوْحِ وَالْجَسَدِ بِجُمْلَتِہٖ وَمِنْ غَیْرِ الْاَنْبِیَاءِ وَالشُّھَدَاءِ بِاتِّصَالِ الرُّوْحِ بِالْجَسَدِ اتِّصَالًا لَا یُحَصِّلُ بِوَاسِطَتِہٖ التَّمَکُّنُ مِنَ الرَّدِّ مَعَ کَوْنِ اَرْوَاحِھِمْ لَیْسَتْ فِیْ اَجْسَادِھِمْ۔ ملخصاً[1]

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا جواب سلام سے مشرف فرمانا تو حقیقی ہے کہ رُوح و بدن سے ہے۔ اور انبیاء و شہداء کے سوا اور مومنین میں یوں ہے کہ اُن کی رُوحیں اگرچہ بدن میں نہیں تاہم بدن سے ایسا اتصال رکھتی ہیں جس کے باعث جواب سلام پر انہیں قدرت ہے۔

رُوح کی امتیازی شان

رُوح ایک ایسی حقیقت کا نام ہے جو مرنے کے بعد بذاتِ خود قائم رہتی ہے اور اس کا وجود جسمانی مثالی صورت میں مادی اجسام سے مجرد رہ کر ادراک کرتا رہتا ہے ہاں اس کی صورت عالمِ خیال کی ایک صورت سمجھی جاتی ہے۔ شرح الصدور میں منقول ہے جو دلائل قرآن و حدیث لکھ کر کہا ہے:

فَصَحَّ اَنَّ الْاَرْوَاحَ اَجْسَامٌ حَامِلَۃٌ لِاَعْرَاضِھَا مِنَ التَّعَارُفِ وَالتَّنَاکُرِ وَاِنَّھَا عَارِفَۃٌ مُتَمَیِّزَۃٌ۔

ان سے ثابت ہُوا کہ رُوحیں اجسام ہیں اپنے اوصاف شناخت و ناشناخت وغیرہ کی حامل جو بذاتِ خود ادراک و تمیز رکھتی ہیں۔

---

[1] بحوالہ حیات الموات ص ۱۱۲

حافظ ابنِ قیم رحؒ[1] لکھتے ہیں کہ انسانی رُوحیں ایک دُوسرے سے متمیز ہیں اور اپنی شکلیں رکھتی ہیں اور بدن سے علیحدہ ہونے پر باہم متعارف ہوتی ہیں کیونکہ اہل السنت اس بات کے قائل ہیں کہ رُوح ایک ایسی ذات ہے جو بنفسہٖ قائم ہے اوپر نیچے کی طرف آمد و رفت کرتی ہے اور اپنے بدن سے ایک ایسی صورت حاصل کرتی ہے جس کی وجہ سے وہ دوسری روحوں سے متمیز ہوتی ہے کیونکہ رُوح بدن سے اسی طرح متاثر ہوتی ہے جس طرح بدن رُوح سے اور ایک کے نیک و بد کا اثر دُوسرے پر ہوتا ہے بلکہ جسم سے علیحدہ ہونے پر ارواح کا متمیز ہونا اور بھی زیادہ واضح ہوتا ہے بلا ئکہ جو مادی کیفیات سے عاری ہوتے ہیں باہم متمیز ہیں تو انسانی روحیں کیونکر متمیز نہ ہوں گی۔

تنبیہ

رُوح کی مختلف صورتوں میں منقلب ہونے سے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ اس صورت میں رُوح کے لیے تجرّد کیسے ہوا کیونکہ تجرد سے مراد اس عالم مادی سے تجرد کا حاصل ہونا ہے نہ کہ جمیع عوالم سے جبکہ اس عالم دنیا کے علاوہ اور بھی بہت سے عوالم ہیں جن میں بعض بعض کی نسبت زیادہ لطیف ہیں اور وہ سب کے سب اس عالم مادی سے بالکل علیحدہ نوعیت کے ہیں۔

عالمِ برزخ

لفظ برزخ قرآنِ کریم میں جہاں بھی استعمال ہوا ہے اس سے دو چیزوں کے درمیان کا پردہ حاجب اور حائل مراد ہے جیسے سورۂ رحمٰن میں دو دریاؤں کا ذکر ہے جن میں ایک میٹھا اور دُوسرا کھاری ہے اور ان کے بیچ میں ایک پردہ حائل ہے جو انھیں آپس میں ملنے نہیں دیتا۔

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ[2]۔ (ان دونوں کے بیچ میں ایک پردہ ہے (اور ان میں سے ایک) دوسرے پر تجاوز نہیں کرتا۔

اس بناء پر موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی کے درمیان جو مقام حائل ہے اور حاجب ہے اس کا

---

[1] کتاب الروح ص ۶۳

[2] قرآن مجید: الرحمٰن

نام برزخ ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات میں لکھتے ہیں کہ موت دُو قسم کی زندگی کے درمیان ایک حالتِ برزخی کا نام ہے۔

عربوں بلکہ کل سامی قوموں کے رسم و رواج اور مشاہدات کی بناء پر اسی درمیانی منزل (برزخ) کا نام "قبر" ہے خواہ وُہ خاک کے اندر ہو یا قعرِ دریا میں یا کسی درندہ و پرندہ کے پیٹ میں، اسی لیے فرمایا:

وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ۝ [1] — بے شک اللہ انھیں جو قبروں میں ہیں، اٹھائے گا۔

اب ظاہر ہے کہ یہ "بعث" صرف انہی مردوں کے لیے مخصوص نہیں جو تودۂ خاک کے اندر دفن ہوں بلکہ ہر میت کے لیے ہے خواہ وہ کسی حالت اور کسی عالم میں ہو اسی لیے قبر سے مقصود ہر وہ مقام ہے جہاں مرنے کے بعد جسم خاکی نے جگہ حاصل کی ہو۔

موت وحیات کی منزلیں

قرآن پاک میں دُو موتوں اور دُو زندگیوں کا ذکر آیا ہے ایک جگہ دوزخیوں کی زبان سے کہا گیا ہے:

رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ۔ — ہمارے پروردگار تُو نے ہمیں دُو دفعہ مارا اور دُو دفعہ جِلایا۔

ان ہر دو موت وحیات کی تفصیل خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں فرمائی ہے:

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝ [2]

تم کیسے اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم پہلے مُردہ تھے پھر تم کو اس نے زندہ کیا (انسان بنا کر پیدا کیا) پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جِلائے گا۔

پہلی موت تو ہر انسان کی خلقت سے پہلے کی ہے جب وُہ مادہ یا عنصر کی صورت میں تھا پھر زندہ

---

[1] قرآن مجید: سورہ حج

[2] قرآن مجید: سورہ بقرہ

ہوکر اس دنیا میں پیدا ہُوا یہ اس کی پہلی زندگی ہے پھر موت آئی رُوح نے بدن سے مفارقت حاصل کی اور جسم اپنی اگلی مادی صورت میں منتقل ہوگیا یہ دوسری موت ہُوئی پھر خدا اس روح کو جسم سے ملاکر زندہ کرے گا یہ اس کی دوسری زندگی ہُوئی جس کے بعد پھر موت نہیں۔

احوالِ برزخ کا عین الیقین

البتہ موت اوّل کے وقت جب انسان دُوسرے عالم کے دروازہ پر کھڑا ہوگا تو اس کو پس پردہ تھوڑا بہت نظارہ ہوجائے گا اور وُہی برزخ کا عالم ہے فرمایا:

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ [1]

جب ان گنہگاروں میں سے کسی ایک کو موت آتی ہے تو وُہ زندگی کے پسِ پردہ بعض مناظر کو دیکھ کر کہتا ہے اے میرے پروردگار! مجھے ایک بار اور دنیا میں لوٹا دے تاکہ دنیا میں جو ماحول چھوڑ کر آیا ہُوں اس سے شاید کوئی نیک کام کروں ہرگز نہیں یہ بات ہی بات ہے جو وُہ کہتا ہے اور اب ان گنہگاروں کے پیچھے اس دن تک ایک پردہ (برزخ) ہے جب وُہ اُٹھائے جائیں گے۔

ظاہر ہے کہ اگر موت کے وقت اور اس کے بعد کوئی نئی غیبی کیفیت اس کے مشاہدہ میں نہ آجاتی تو اس کا شک وشبہ دفعتاً یقین سے کیسے بدل جاتا۔

یقین کی تین قسمیں ہیں: علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین۔

کسی شے کی دلیل کو سُن کر یا بعض علامات کو دیکھ کر اس کے وجود کا اقرار کرلینا علم الیقین ہے اور اگر وُہ شے خود ہمارے احساس اور مشاہدے میں آجائے جس میں پھر شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے تو وہ عین الیقین ہے۔

---

[1] قرآن مجید: مومنون

قرآن پاک نے یقین کی پہلی دو نو صورتوں کو سورۂ تکاثر میں اس طرح بیان کیا ہے :

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ[1]

تم کو دولت ونعمت کی بہتات نے غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم نے قبروں کو جا دیکھا۔ ابھی نہیں تم آگے جان لو گے پھر ابھی نہیں تم آگے جان لو گے ہرگز نہیں اگر تم (اسے) یقین کے علم (سے)، جانتے تو البتہ دوزخ کو دیکھ لیتے پھر البتہ بعین الیقین سے اس کو دیکھ لو گے۔

بنا بریں اگر انسان اپنے اندر علم الیقین حاصل کر لے جو کمالِ ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے تو وُہ اپنی باطنی آنکھوں سے جنت و دوزخ کو دیکھ لے گا۔ اگر کوئی شخص چشمِ باطن نہیں کھول سکا تو موت کے وقت جب تمام حجابات اُٹھ جائیں گے اس وقت عالمِ غیب کے بعض اسرار اس پر منکشف ہو جائیں گے، اعمال کے تمثیلی نتائج، ثواب و عذاب اور جنت و دوزخ کے بعض مناظر اس کے سامنے آجائیں گے اس وقت وُہ اپنے یقین کی آنکھوں سے کسی قدر واقعات کا مشاہدہ کرے گا یہ موت کے بعد کا عالم ہوگا جسے عالمِ برزخ کہتے ہیں اس کے بعد جب قیامت آئے گی تو ہر راز فاش ہو جائے گا یَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ (جس دن تمام بھید کھل جائیں گے) اور بہشت و دوزخ اپنی ظاہری صورتوں میں اس طرح سامنے آجائیں گے کہ پھر شک و شبہ باقی نہیں رہے گا وہی حق الیقین کا دن ہوگا۔ غرضیکہ دنیا میں علم الیقین، برزخ میں عین الیقین اور قیامت کے دن حق الیقین کا مرتبہ حاصل ہوگا۔

ابھی تک دنیا نے جو کچھ ترقی کی ہے وُہ نفس سے باہر آفاقی دنیا کی اشیأ کے خواص جاننے میں کی ہے جن سے سائنس کی ایجادات واختراعات کا تعلق ہے لیکن اس سے بھی زیادہ ایک وسیع دنیا انسان کے باطن میں موجود ہے جسے قرآن حکیم نے "انفس" کہا ہے۔ انسان کو انفس یا ارواح کے اوصاف و خصائص کا ابھی تک بہت کم علم ہوا ہے ہماری سائیکالوجی (علم النفس)

---

[1] قرآن مجید : التکاثر

ابھی ابتدائی منزل میں ہے اور سپر چولزم اور مسمرازم نے جو اسی اصول پر مبنی ہیں اس حقیقت کو کسی قدر واضح کر دیا ہے لیکن یہ بھی ہنوز طلسم وفریب کے عجائبات میں اس طرح گرفتار ہیں جس طرح آج سے پہلے سائنٹیفک تجربے سحر وجادو کے نقش ونگار بنے ہوئے تھے بہرحال ابھی تک علمِ نفس وروح کے عجائبات پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔

نفسِ انسانی کے اندرونی قویٰ کا علم گو ابھی تک محتاجِ تکمیل ہے تاہم اتنا ثابت ہو چکا ہے کہ کسی شئے کے تصوری یقین اور خارجی وجود میں بہت گہرا تعلق ہے۔ اس معاملہ میں اگر کسی نے کامیابی حاصل کی ہے اور روحانی دنیا میں کسی صحیح حقیقت تک رسائی حاصل کی ہے تو وہ مسلمان صوفیائے کرام ہیں انبیاء علیہم السلام، اولیائے کرام اور صوفیائے عظام ہی اس وادی کے منزل شناس ہیں ان کی تعلیم وتربیت اور مجاہدہ وریاضت سے جو لوگ فیض یاب ہیں وہی اس دنیا کی حقیقت سے روشناس ہو سکتے ہیں ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے\
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

عالمِ برزخ کی کیفیت

عالمِ برزخ کی کیفیت کو سمجھنے کے لیے ایک مختصر سی تمہید کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ نے اس مادی دنیا میں روحانی عالم کے سمجھنے کے لیے اپنی عجیب وغریب قدرت سے ہمیں ایک چیز عنایت کی ہے جس کو ہم نیند کہتے ہیں روح کو اپنے جسم سے دو قسم کا تعلق ہوتا ہے ایک ادراک واحساس کا اور دوسرے تدبیر وتغذیہ کا۔ نیند وہ عالم ہے جس میں ہمارے تمام آلاتِ ادراک واحساس اس دنیا سے بے خبر گردوپیش کی مادی دنیا سے یکسر بیگانہ ہو جاتے ہیں تاہم ہمارے نفس یا رُوح کا تعلق ہمارے جسم سے باقی رہتا ہے اور وُہ اس حالت میں بھی جسم کی مادی زندگی، نشوونما، تدبیرِ بقا، دل ودماغ اور دیگر اعضائے رئیسہ کو غذا رسانی اور خون کے دوران میں مصروف رہتی ہے، یہ رُوح کا جسم سے تدبیری تعلق ہے۔ اب نیند اور موت میں فرق یہ ہے کہ نیند کی حالت میں جسم سے نفس کا تدبیری تعلق قائم رہتا ہے لیکن

موت کی حالت میں جسم کا رُوح سے تدبیری تعلق بھی اکثر منقطع ہو جاتا ہے اس لیے جسم کے اجزاء کچھ دنوں میں منتشر ہو جاتے ہیں موت اور نیند میں یہی مشابہت ہے جس کی بنا پر دنیا کی تمام زبانوں میں موت کو نیند سے تشبیہ دی جاتی ہے اور دنیا بھر کی زبانوں کا یہ توافق الہام طبعی کی خبر دیتا ہے ۔ قرآن پاک میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے :

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى [1]

اور وہی ہے جو تم کو رات میں مارتا ہے اور جانتا ہے جو تم نے دن میں کمایا پھر تم کو دن میں جِلاتا ہے تا کہ مقررہ وقت پُورا کیا جائے۔

اس سے زیادہ تفصیل سورۂ زمر میں اس طرح ہے :

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۔ [2]

وُہ اللہ ہی ہے جو رُوحوں کو اُن کی موت کے وقت وفات دیتا ہے اور جو نہیں مری ہیں انہیں ان کی نیند میں وفات دیتا ہے تو جس پر موت کا حکم اس نے جاری کیا اس کو روک لیتا ہے اور دوسری رُوح کو (جس پر موت کا حکم نہیں) یعنی نیند والی کو ایک مدّت معینہ کے لیے چھوڑ دیتا ہے بیشک اس میں سوچنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ عزیز نے "برزخ" کی زندگی کو نیند کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے کلامِ پاک میں دُوسری جگہ وارد ہے کہ قیامت میں جب لوگ اپنی قبروں سے اُٹھیں گے تو گنہگاروں کی زبانوں پر یہ فقرہ ہوگا :

يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۔ [3]

ہم پر خرابی ہو کس نے ہمیں ہماری نیند کی جگہ سے اٹھا دیا ہے ۔

---

[1] قرآن مجید : انعام

[2] قرآن مجید : زمر ۵

[3] قرآن مجید : سورہ یٰسین

قرآن کریم میں دوسری زندگی کے لیے اکثر "بعثت" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی جگانے اور بیدار کرنے کے بھی ہیں:

وَ اَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ[1] — اور بے اللہ تعالیٰ ان کو جو قبروں میں ہیں جگائے گا۔

احادیث میں ہے کہ قبر میں سوال وجواب کے بعد نیکوں سے کہا جاتا ہے کہ نَمْ کَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ (دُلہن کی نیند سو جاؤ) جس کو وہی جگاتا ہے جو اس کو سب سے زیادہ محبوب ہے یہاں تک کہ خدا اس کو اس خواب سے اٹھائے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں:

فَهٰذَا الْمُبْتَلٰی فِی الرُّؤْیَا غَیْرَ اَنَّهٗ رُؤْیَا لَا یَقْظَةَ مِنْهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ○ — عذاب قبر کا یہ گرفتار خواب میں ہے لیکن یہ ایسا خواب ہے جس سے قیامت تک بیداری نصیب نہ ہوگی۔[2]

ان شواہد سے ظاہر ہے کہ برزخ کی زندگی جس میں رُوح جسم سے الگ ہوتی ہے روح کی ایک طویل وعمیق نیند کے مشابہ ہے۔

ایک ضروری وضاحت

یہاں نیند کو موت سے جو مشابہت دی گئی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح سونے والے کی روح جسم سے الگ ہو کر کچھ مدّت اِدھر اُدھر گھومتی رہتی ہے اور پھر جاگنے کے وقت لوٹ آتی ہے اسی طرح قیامت کو رُوح اور جسم کا تعلق پیدا ہوگا یہ مراد نہیں کہ رُوح سو جاتی ہے رُوح تو زندہ ہے اور اپنے افعال، احوال، کمالات وصفات سے قائم اور موجود رہتی ہے اور قیامت کو جب جسم و روح کا آپس میں اتحاد ہوگا تو انسان اس طرح جاگ اُٹھے گا جس طرح دنیا میں سویا ہوا آدمی جاگ اٹھتا ہے اور اس کی رُوح واپس آکر جسم کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے۔

---

[1] سورۂ حج

[2] بحوالہ حاشیہ سیرت النبیؐ ج ۴ ص ۶۴۲

عالم ملکوت میں رُوح کو سونے والے انسان سے تشبیہ دی گئی ہے جس طرح نَمْ کَنَوْمَۃِ الْعُرُوْسِ وغیرہ میں ہے یہاں اس مراد راحتِ ابدی اور سکُونِ کلی کی طرف اشارہ ہے جس طرح سونے والا ہر فکر وغم اور زندگی کے شور وشر سے بے نیاز ہوتا ہے اسی طرح عالمِ ارواح میں بھی مکمل سکون اور ہر قسم کی راحت نصیب ہوتی ہے اور قیامت کے روز جب رُوح کو پھر سے جسم میں داخل کیا جائے گا تو گویا اسے برزخی کیفیات اور سکونِ تام سے نکال کر ایک خواب سے بیدار کیا جائے گا چونکہ حضور علیہ السلام کے روح مع الجسد کو عالمِ بیداری میں معراج ہوا ہے لہٰذا اس مشاہدے، استغراق عالم بالا کی طیر و سیر سے واپس آنے اور عالمِ ناسوت میں مراجعت فرمانے کو بیداری سے تعبیر کیا گیا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فَاسْتَیْقَظْتُ فَاِذَا اَنَا بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ میں جب ہوش میں آیا تو اپنے آپ کو مسجد حرام میں پایا۔

یہاں خواب سے بیدار ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ معراج خواب میں نہیں ہوئی بلکہ بیداری میں ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد عجائب ملکوت کے مشاہدہ سے افاقہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان جب قیامت کو روح مع الجسد اٹھایا جائے گا تو کہے گا: یٰوَیْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ہائے افسوس کس نے ہمیں ہماری نیند کی جگہ سے اٹھا دیا ہے۔

سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ فیض الباری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "نَمْ صَالِحًا" پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نَمْ صَالِحًا" کے الفاظ سے بظاہر یُوں معلوم ہوتا ہے کہ قبروں میں کوئی عمل وغیرہ نہ ہوگا حالانکہ قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے مثلاً اذان اور اقامت دارمی کے ہاں، قرأت قرآن ترمذی کے ہاں اور حج بخاری کے ہاں ملاحظہ ہو: شرح الصدور۔ قرآن مجید کے الفاظ سے دونو باتوں کا وہم گزرتا ہے چنانچہ سورۂ یٰسین میں ہے:

مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ھٰذَا۔ ہمیں اس مرقد سے کس نے اٹھایا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں کوئی احساس نہ ہوگا اور سب سوئے ہوئے ہونگے اور دوسری جگہ قرآن مجید میں یوں ہے:

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا۔ یہ آیت پہلی آیت کے خلاف ہے میرے نزدیک اس کی

تشریح یُوں ہے کہ برزخ میں اموات کے ان اعمال کے اعتبار سے جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے ان کا حال بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوگا چنانچہ بعض تو اپنی قبروں میں سوئے ہوئے ہونگے اور بعض ناز ونعمت میں ہوں گے برزخی حالت کو نیند سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ عربی زبان میں کوئی اور ایسا لفظ نہ تھا جو اس کے صحیح مفہوم کو ادا کر سکے لہٰذا ایسا لفظ اختیار کیا گیا جو کسی قدر اس مفہوم کو ادا کر سکے نیند سے بڑھ کر کوئی اور حالت برزخی زندگی سے مشابہت نہیں رکھتی اسی لیے تو حدیث میں آیا ہے اَلنَّوْمُ اَخُ الْمَوْتِ اور اسی لیے قرآن میں نیند اور موت کو ایک ہی لفظ کے تحت لایا گیا اور وہ توفّی کا لفظ ہے پھر نیند اور موت میں فرق کر دیا گیا یہاں سے معلوم ہُوا کہ نیند اور موت میں کوئی نہ کوئی مشترک بات بھی پائی جاتی ہے اور امتیازی بات بھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰى۔

القصہ اس دنیا کی زندگی کے خاتمہ اور ایک نئی زندگی کی ابتداء کا نام برزخ ہے یہ بات نیند میں بھی ہے کہ اس میں بھی دنیا سے ایک طرح کا انقطاع پایا جاتا ہے [1]

توفّیِ نوم اور توفّیِ موت میں فرق

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توفّیِ نوم یعنی خواب میں رُوح کا قبض ہو جانا اس قسم کا ہے کہ جیسے کوئی شخص سیر و تماشا کے لیے شوق و رغبت کے ساتھ اپنے وطنِ مالوف سے باہر نکلے تاکہ وہ سیر و تفریح کے بعد خوش و خُرم اپنے وطن کو لوٹ آئے۔ اس کی سیرگاہ عالمِ مثال ہے جس میں عالمِ ملکوت کے عجائبات بھرے ہُوئے ہیں لیکن موت میں قبضِ رُوح کا یہ معاملہ نہیں ہے کیونکہ اس موت میں قبضِ رُوح کے وقت وطنِ مالوف اُجاڑ ہو جاتا ہے اور آباد گھر میں ویرانی آجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواب کے قبضِ رُوح میں کوئی رنج و تکلیف حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ قبضِ رُوح فرح و سرور کا باعث بنتا ہے اور موت کے قبضِ روح میں بہت سختی

---

[1] فیض الباری: ۱ : ص ۱۸۳

اور تکلیف ہوتی ہے پس خواب کے متوفی کا وطن دنیا ہے اور وُہ معاملہ جو اس کے ساتھ کرتے ہیں دنیوی معاملات میں سے ہے اور موت کا متوفی اپنے وطن کے اُجڑ جانے کے باعث عالمِ آخرت میں انتقال کر جاتا ہے اس لیے اس کا معاملہ عالمِ آخرت کے معاملات میں سے ہے آپ نے سنا ہوگا مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ یعنی جو مر گیا اس کی قیامت آگئی۔

خواب اور برزخ کے لذّت والم میں فرق

ہمارے سابقہ بیان سے ممکن ہے بعض حضرات کو یہ اشتباہ پیش آجائے کہ خیر و بد کی جزاُ یا برزخ کا عذاب محض خواب و خیال ہے اور اس سے بڑھ کر اس کی اہمیت نہیں حالانکہ عالمِ برزخ میں جب انسان حیاتِ رُوحانی حاصل کرتا ہے تو اس کا مظہر حواسِ باطنی ہوتے ہیں اور حواسِ باطنی اس عالم میں وہی کام دیتے ہیں جو حواسِ ظاہری عالمِ شہادت میں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک بدن سے رُوح کا تعلق رہتا ہے وُہ اشیائے خارجہ کا احساس کرتی ہے اور بذریعہ حواسِ ظاہری عملِ احساس کو سرانجام دیتی ہے مگر جب روح بدن سے علیحدہ ہوجاتی ہے تو عالمِ شہادت یعنی اشیائے خارجہ سے منقطع ہو کر عالمِ خیال میں پہنچ جاتی ہے اس وقت اس کی قوتِ خیال کا عمل قوی ہوجاتا ہے کیونکہ عالمِ شہادت میں لوازمِ مادیات کے حائل ہونے کی وجہ سے اس کا عمل بہت ضعیف اور مخفی رہتا ہے مگر موت کے بعد عالمِ خیال میں یہ عمل قوی ہوجاتا ہے کیونکہ جب اسے مبداء سے کسی قدر قرب حاصل ہوجاتا ہے تو رُوح خود آلات و حواسِ جسمانی کی مدد کے بغیر اپنا عمل سرانجام دینے لگتی ہے چنانچہ جن اشیاء کو ان ظاہری مادی آنکھوں سے دیکھا کرتی تھی انہیں باطنی حواس کے ذریعہ مشاہدہ کرنے لگتی ہے اور موت کے بعد کے حقائق کو عیاں دیکھتی ہے اور اس کے اعمال نیک و بد کے مناسب اس پر مختلف قسم کی صورتوں کا انکشاف ہوتا ہے چنانچہ وہ حواسِ باطنی کے ذریعہ لذیذ چیزوں کو چکھتی، خوشبودار چیزوں کو سُونگھتی، دلکش آوازوں کو سُنتی اور لذت والم کا ادراک کرتی ہے مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بعد الموت کی

ل مکتوبات ۱۳۱ دفتر سوم

صورتوں کا وجود ان اشیاء کے وجود کی طرح ہے جو خواب کی حالت میں محسوس ہوتی ہیں لیکن ذات اور حقیقت میں ہر دو کی صورتیں ایک نہیں ہوتیں بلکہ بعد الموت کی صورتیں ان صورتوں کی نسبت اپنی حقیقت و اصلیت میں کہیں زیادہ قوی اور شدید ہوتی ہیں جن کو انسان عالمِ شہادت میں محسوس کرتا ہے کیونکہ ما بعد الموت کی صورتوں کے لیے جہت مکان، زمان اور دیگر لوازم مادہ کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مشاہدہ سے رنج و غم یا مسرت و انبساط کی تاثیر زیادہ ہوتی ہے یُوں سمجھیے کہ بعد الموت کی حیات کو حیاتِ دنیا سے وہی نسبت ہے جو انسان کی بیداری کی حالت کو خواب کی حالت سے ہوتی ہے حدیث اَلنَّاسُ نِیَامٌ اِذَا مَاتُوا انْتَبَہُوْا (لوگ سوئے ہوئے ہیں مرکر جاگ اُٹھیں گے) میں مذکورہ بالا حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

برزخ کا عذاب و راحت

روح و جسم کی مفارقت کے بعد ہر اچھی اور بُری ارواح کے سامنے رحمتِ الٰہی یا عذاب کے منظر گزرتے ہیں قرآن پاک کی بعض آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ منظر نہ صرف روح کے سامنے ہی سے گزرتے ہیں بلکہ کبھی کبھی وُہ اپنے اعمال کے مدارج کے مطابق رحمت یا زحمت کے اندر بھی داخل کر دی جاتی ہے۔ منافقین کی نسبت قرآن عزیز ہے:

سَنُعَذِّبُہُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ ۝ [۱]

ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دیں گے پھر وہ ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے۔

عذابِ عظیم سے ظاہر ہے کہ دوزخ کا عذاب مراد ہے اب عذابِ دوزخ سے پہلے عذاب کے دو دور اُن پر گزر چکے ہوں گے لامحالہ طور پر ایک عذاب دنیوی ہے اور دُوسرا موت کے بعد پیش آنے والا۔ قرآنِ پاک میں آلِ فرعون کے بارے میں یُوں مذکور ہے:

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْہَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ

اور فرعون والوں پر بُری طرح عذاب اُلٹ پڑا ایک آگ ہے جس پر وُہ صبح اور شام پیش کیے جاتے ہیں

---

[۱] قرآن مجید: سورہ توبہ: ۱۳

تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ [1]

اور جس دن قیامت کی گھڑی آئے گی (کہا جائیگا) کہ آلِ فرعون کو (پہلے سے بھی زیادہ) شدید عذاب میں ڈالو۔

اس سے ظاہر ہوا کہ گنہگاروں کو قیامت سے پہلے برزخ کے عالم میں بھی عذاب کا کچھ نہ کچھ مزہ چکھایا جاتا ہے ایسا ہی نیکوکاروں کو بہشت کے عیش و آرام کا منظر دکھایا جاتا ہے۔ اسی آیت پاک کی تشریح میں گویا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "تم میں سے جب کوئی مرتا ہے تو اس پر صبح و شام اس کا اصلی مقام پیش کیا جاتا ہے اگر وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے تو جنت' اور اہلِ دوزخ میں سے ہوتا ہے تو دوزخ۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا مقام اس وقت تک کے لیے کہ جب تو قیامت کے دن اٹھایا جائے۔

سورۂ محمدؐ میں موت کے وقت کا حال بیان ہوتا ہے کہ جب فرشتے ان گنہگاروں کی روحوں کو قبض کرتے ہیں تو اُن کے چہروں اور پیٹھوں پر ضرب لگاتے ہیں:

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ [2]

پھر کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کو وفات دیں گے ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہونگے یہ اس لیے کہ انہوں نے اس کی پیروی کی جس نے خدا کو اُن سے ناخوش کر دیا اور جنہوں نے خدا کی خوشنودی کو پسند نہ کیا پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو بے نتیجہ کر دیا۔

یہ غیبی ضرب خواہ مادّی جسم پر پڑتی ہو یا اس کے مثالی جسم پر یا رُوح پر، جو بھی کہئے بہرحال اس سے یہ ثابت ہے کہ گنہگار مردہ پر موت کے وقت ہی سے عذاب کا ایک دور شروع ہو جاتا ہے اور اسی وقفہ کا نام برزخ ہے۔ شہداء کے بارے میں تو قرآنِ پاک میں خصوصی طور پر وارد ہے:

بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ [3]

بلکہ وُہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں۔

---

[1] سورۂ مومن: ۵
[2] سورۂ محمدؐ: ۳
[3] سُورہ آلِ عمران: ۱۷

اس سے معلوم ہوا کہ شہدائے کرام کو برزخ میں کامل زندگی کے ساتھ جنّت کی روزی ملتی ہے اور عام نیکوکاروں کا یہ حال ہے کہ ان کو فرشتے اس وقت سلامی دیتے ہیں اور جنّت کی خوشخبری سناتے ہیں فرمایا:

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ [1]

جنہیں فرشتے (گناہوں سے) پاک و صاف حالت میں وفات دیتے ہیں کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو اپنے کاموں کے بدلے جنّت میں چلے جاؤ۔

قبر کی اصطلاح

سطورِ بالا میں عالمِ برزخ کے وہ مناظر دکھائے گئے ہیں جو قرآن کی آیتوں میں نظر آتے ہیں اور احادیثِ صحیحہ میں اس عالم کی تفصیلات مذکور ہیں وہ عموماً قبر کی اصطلاح کے ساتھ بیان ہوئی ہیں لیکن اس لفظ "قبر" سے درحقیقت مقصود وُہ خاک کا تودہ نہیں جس کے نیچے کسی مردہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں بلکہ وُہ عالم ہے جس میں یہ مناظر پیش آتے ہیں اور وُہ ارواح و نفوس کی دنیا ہے مادّی عناصر کی نہیں اسی لیے قرآنِ پاک نے اس عالم کے ذکر سے ہمیشہ ارواح و نفوس کو خطاب کیا ہے اور انہی کے جزا و سزا اور رحمت و عذاب کا ذکر ہے۔ اس عالم میں جو جسم بھی نظر آتا ہے وہ مرنے والے کے اعمال کا مثالی پیکر ہوتا ہے وُہ ہو بہو اس کے جسمِ خاکی کا مثنّٰی ہوتا ہے۔ رُوح اس جسمِ مثالی کے عذاب و راحت سے متاثر ہوگی کہ اعمال کی اصل ذمہ دار ارواحِ انسانی ہے جسمِ خاکی نہیں فرمایا:

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ [2]

ہر رُوح اور جان اپنے اعمال کے ہاتھوں گروی ہوگی۔

اس لیے اصل مکلّف روح ہے جسم نہیں جسم بمنزلہ آلہ کے ہے دنیا میں اس کا ایک خاکی جسم تھا برزخ میں اس کا ایک اور جسم ہوگا جو مادیات کی ترکیب سے پاک اور بری ہوگا تاہم اسے اپنے جسمِ خاکی سے ایک قسم کی نسبت حاصل ہوگی اور اسی نسبت کی بنا پر قبر کی اصطلاح عام بول چال

---

[1] قرآن حکیم: سورہ نحل

[2] قرآن حکیم: سورہ مدثر

ہیں جاری ہے کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے مسلمان مردوں کو قبر ہی میں جاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

قرآن پاک میں ہے؛

وَلَوْ تَرٰى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ [1]

اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں مارتے ہیں ان کے منہ اور پیٹھ پر اور (کہتے ہیں) چکھو جلنے کی سزا۔

اس آیت سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ گنہگاروں پر موت کے بعد ہی سے عذاب شروع ہوجاتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ مار ان کے منہ اور پیٹھ پر پڑتی ہے مگر یہ منہ اور پیٹھ وُہ نہیں ہے جو بے جان لاشہ کی صورت میں ہمارے سامنے ہے بلکہ اس آیت میں کافر کی رُوح کو جانور سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح جانور کو تیز ہنکاتے وقت کبھی آگے (منہ پر) اور کبھی (پیٹھ پر) مارتے ہیں اسی طرح گویا رُوحِ کافر کو فرشتے زبردستی مارتے اور ہنکاتے ہوئے لے جائیں گے اور کہیں گے کہ چلو عذاب کا مزہ چکھو یہی مفہوم صاف لفظوں میں اس آیت میں بھی ہے:

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِ الْمَسَاقُ ۝ [2]

اس دن تیرے پروردگار کی طرف ہنکایا جانا ہے۔

بعض رُوحیں ایسی سعید بھی ہوتی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے عالمِ برزخ میں خاکی شکل و صورت کی قید سے آزاد کر کے کوئی دُوسرا مناسب مثالی جسم عطا کرتا ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ مومنِ کامل کی رُوح پرندوں کی شکل میں جنت میں اڑتی پھرتی ہے اور خصوصاً شہداء کے متعلق آیا ہے کہ وُہ سرسبز پرندوں کی شکل میں جنت میں جاتے ہیں اور عرشِ الٰہی کی قندیلیں ان کا آشیانہ ہیں۔ اسی طرح دوزخ میں گنہگاروں کی سزا و تکلیف جسمانی قالبوں میں دکھائی گئی ہے۔ یہ صورتیں تمام تر مثالی ہیں۔ حضورؐ نے معراج شریف کی شب کسی کو خونی نہر میں معذّب دیکھا اور کسی کو تنور میں چلتا ہوا پایا حالانکہ وہ قبروں میں نہیں تھے یہ ان کے مثالی اجسام تھے۔

بعض حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مٹی کی قبروں میں عذاب کے مشاہدے

---

[1] الانفال: ۷ [2] قیامۃ: ۱

اور مسموعات کا تذکرہ ہے ظاہر ہے ان قوموں کے نزدیک جو مردوں کو گاڑتی ہیں، اس دنیا میں میت کی یادگار مٹی کے ڈھیر کے سوا اور کیا ہے جس کی طرف اشارہ کیا جا سکے۔

جس طرح بعض اولیائے کرام کو کرامۃً ان کے جسم خاکی کو لطیف کر کے صورتِ مثالی کی جگہ پر رُوح کو اوڑھا دیا جاتا ہے اور بعض اولیائے کرام زندگی ہی میں اپنے اجسام کو اس قدر لطیف کر لیتے ہیں اور وُہ کہتے ہیں کہ اَرْوَاحُنَا اَجْسَادُنَا وَ اَجْسَادُنَا اَرْوَاحُنَا تو ایسے لطیف اجسام کو صُورتِ مثالی کی ضرورت ہی نہیں رہتی وہ اسی جسمِ لطیف سے برزخ میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ یہ قدرتِ کاملہ کی عنایت ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

ایسے ہی ایک مردِ صالح کا ذکر بخاری شریف میں آتا ہے کہ اُس نے خدا کے خوف سے یہ وصیت کی کہ مرنے کے بعد اس کے جسم کو جلا کر راکھ ہوا میں اُڑا دی جائے تاکہ وُہ خدا کے سامنے حاضر نہ کیا جا سکے خدا تعالیٰ کو اس کی یہ عاجزی وانکساری بہت پسند آئی قدرتِ الٰہی نے اس کو مجسم کر کے کھڑا کر دیا اور اس کو اپنی رحمتوں سے نوازا۔

اس جسم خاکی کو لطافت عنایت فرما کر اُنھیں برزخی نعمتوں سے نوازنا یہ تو بعض خاص بزرگوں کو حاصل ہوتا ہے باقی تمام لوگوں کو جسم مثالی میں راحت والم کا احساس ہوتا ہے۔

اس سے اس شبہ کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے کہ ہمیں مُردہ کا جسم سامنے پڑا نظر آتا ہے، مُردہ خانوں میں مدّتوں تک مُردے پڑے رہتے ہیں لیبارٹریوں میں مُردوں کی ہڈیاں اور ہڈیوں کے ڈھانچے مدّتوں اناٹومی طلبہ کے لیے تعلیم و تربیت کا کام دیتے ہیں لیکن ان پر عذاب کا کوئی نشان نظر نہیں آتا نیز اس شبہ کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے کہ قبر میں جب جسم گل سڑ جاتا ہے تو پھر اسے عذاب وثواب کا احساس کس طرح ہوتا ہے

عذابِ قبر حق ہے

عذابِ قبر سے مراد صرف وہ عذاب ہے جو مرنے کے فوراً بعد مرنے والے پر عائد ہوتا ہے لہٰذا جہاں رُوح کا ٹھکانا ہوگا وہیں اسے عذاب وثواب کا متحمل ہونا پڑے گا عذاب کو قبر کی طرف منسوب کرنا مجازی طور پر ہے حقیقت میں عذاب برزخ میں ہوتا ہے اگر کسی کو قبر میں عذاب ہونا

دیکھا گیا ہو تو یہ بھی ممکن ہے۔ چنانچہ اس قسم کے بہت سے واقعات کتابوں میں نقل کیے گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عبرت دلانے کے لیے ایسے واقعات دکھاتا ہے ورنہ یہ شاذونادر ہے پھر اگر کسی شخص کو قبر میں عذاب ہو رہا ہو تو وہ قبر بھی برزخ ہی کا ایک حصّہ ہے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ صاحبِ کشف اس قبر کے گڑھے میں جھانکتا ہے تو اسے قبر میں عذاب وثوابِ میّت نظر آتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اسی گڑھے میں سب کچھ ہو رہا ہے حالانکہ وہ علّیین یا سجّین کے مقام پر رُوح کو عذاب وثواب ہوتا دیکھتا ہے یہ ایسے ہی ہے کہ کسی نے کنویں میں جھانک کر دیکھا تو اسے اسی کنویں کے گڑھے میں چاند اور ستارے نظر آنے لگے دیکھنے والا تو سمجھتا ہے کہ اس نے چاند اور ستارے کنویں میں دیکھے ہیں حالاں کہ وہ آسمان میں ہوتے ہیں۔

امام بن حزم ظاہری لکھتے ہیں:

كُلُّ مَيِّتٍ فَلَا بُدَّ لَهٗ مِنْ فِتْنَةٍ وَّ سُؤَالٍ وَّ بَعْدَ ذٰلِكَ سُرُوْرٍ اَوْ نَكَدٍ اِلٰى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُوَفَّوْنَ حِيْنَئِذٍ اُجُوْرَهُمْ وَ يَنْقَلِبُوْنَ اِلَى الْجَنَّةِ اَوِ النَّارِ ..... وَ كُلُّ مَكَانٍ اسْتَقَرَّتْ فِيْهِ النَّفْسُ اِثْرَ خُرُوْجِهَا مِنَ الْجَسَدِ فَهُوَ قَبْرُهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

ہر ایک مرنے والے کے لیے امتحان اور سوال وجواب کا ہونا ضروری ہے جس کے بعد وہ قیامت تک یا تو سرور کی حالت میں ہوگا یا سختی میں رہے گا اور قیامت کے دن ہر ایک شخص کو اس کے اعمال کی پوری پوری پاداش دی جائے گی پھر وُہ جنت یا جہنم کی طرف لوٹیں گے..... اور روح جسم سے نکلنے کے بعد جہاں ٹھہرے گی وہی جگہ قیامت تک اس کی قبر ہوگی۔

یہ خیال کہ مرنے والا شخص بعینہٖ قبر میں اسی طرح زندہ رہتا ہے جس طرح وُہ دنیا میں زندہ تھا بالکل غلط ہے —— قرآن وحدیث میں اس کا ذکر کہیں بھی نہیں ملتا۔ اس طرح کا زندہ ہونا صرف قیامت ہی کو ہوگا۔ ارشادِ باری ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا..... اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔

اس آیت میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد وقتِ معین سے پہلے کوئی شخص زندہ نہیں ہوگا اور وہ وقت معین روزِ قیامت ہے جمیع صحابہ کرام کا اتفاق اس امر پر ثابت ہوا ہے کہ اجسام زیرِ خاک لاشے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث ابن عمرو میں وارد ہے:

هٰذِہِ الْجُثَثُ لَیْسَتْ بِشَیْءٍ وَّاَنَّ الْاَرْوَاحَ عِنْدَ اللّٰہِ ○

یہ اجسام کچھ بھی نہیں اور مرنے والوں کی ارواح اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں [۱]

امام غزالیؒ نے احیاء میں حقیقۃ الموت کے باب میں ایک حدیث نقل کی ہے :

قَالَ اَبُوْ عُمَرَ صَاحِبُ السَّقْیَا مَرَّ بِنَا اِبْنُ عُمَرَ وَنَحْنُ صِبْیَانٌ فَنَظَرَ اِلٰی قَبْرٍ فَاِذَا جُمْجُمَۃٌ بَادِیَۃٌ فَاَمَرَ رَجُلًا فَوَارَاھَا ثُمَّ قَالَ ھٰذِہِ الْاَبْدَانُ لَیْسَ یَضُرُّھَا ھٰذَا الثَّرٰی شَیْئًا وَّاِنَّمَا الْاَرْوَاحُ الَّتِیْ تُعَاقَبُ وَتُثَابُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ○ [۲]

ابوعمر پانی پلانے والے کہتے ہیں کہ ہم لڑکپن میں تھے ہمارے پاس حضرت ابن عمرو گزرے اور ایک قبر کی طرف نگاہ کی دیکھا تو ایک کھوپری کھلی ہوئی ہے ایک شخص کو آپ نے ارشاد فرمایا اس نے اس پر مٹی ڈال دی پھر فرمایا کہ یہ خاک ان بدنوں کو کچھ ضرر نہیں کرتی اور جن پر قیامت تک ثواب اور عذاب ہوتا ہے، وہ ارواح ہیں۔

نیز حدیثِ معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آسمانِ اوّل پر آدم علیہ السّلام کو اس حال میں دیکھنا کہ اہلِ سعادت کی رُوحیں ان کے داہیں جانب ہیں اور اہلِ شقاوت کی رُوحیں ان کی بائیں جانب ہیں ہمارے مذکورہ بالا دعوٰی پر ایک دلیل شافی ہے پھر غزوۂ بدر میں حضور علیہ السلام کا مشرکین کی لاشوں کو خطاب کرنا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا سوال کرنا کہ آیا وہ لوگ سنتے ہیں اور آپ کا جواب دینا کہ یہ لوگ میری بات کو تم سے زیادہ سنتے ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مرنے والوں کی روحیں سنتی ہیں ورنہ اجسام بالکل بے حس و حرکت ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ عذابِ قبر قرآن و سنت سے ثابت ہے اور وہ صرف روح سے تعلق رکھتا ہے اور روح ایک جسمِ لطیف ہے جو بعینہٖ ہمارے اس کثیف جسم کی طرح تشکل و صورت رکھتا ہے ہندو اسے سوکھشم شریر بولتے ہیں۔

---

[۱] بحوالہ ما فی الاسلام ج ۱ ص ۵۵۰
[۲] احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۴۸۱ مطبوعہ مصر

احادیث صحیحہ میں فتعاد روحہٗ فی جسدہٖ کا مفہوم

سنن ابی داؤد میں ایک حدیث براء بن عاذب سے ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہیں ؛

فَتُعَادُ رُوْحُہٗ فِی جَسَدِہٖ یعنی کفار کی روحوں کو مرنے کے بعد ان کے اجسام میں لوٹایا جاتا ہے ان ظاہری الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رُوح جسم میں حقیقۃً لوٹائی جاتی ہے۔ اس حدیث کے متعلق ابن ابی حزم نے جرح کی ہے کہ اس میں فقط منہال بن عمرو راوی ہیں اور وُہ قوی نہیں شعبہ وغیرہ نے اسے ترک کر دیا ہے۔

علامہ ابن قیم نے اسی حدیث کو دوسرے طرق سے ثابت کیا لیکن ان احادیث میں الفاظ دُوسرے ہیں عدی بن ثابت سے روایت ہے کہ براء بن عاذب نے فرمایا :

فَیُرَدُّ اِلٰی مَضْجَعِہٖ یعنی رُوح کو اس کی قبر کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔

اسی طرح امام احمد اور محمود بن غیلان نے ابونصر سے ایک روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ؛

اِنَّ الْاَرْوَاحَ تُعَادُ اِلَی الْقَبْرِ یعنی ارواح قبر کی طرف لوٹائی جاتی ہیں۔

حافظ ابن مندہ نے باسناد متصل حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :

فیدخلون ذٰلك الروح بین جسدہٖ و اکفانہٖ یعنی یہ رُوح جسم اور کفن کے درمیان داخل کی جاتی ہے۔

اور ایک روایت میں حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے :

فَتُرْسَلُ بَیْنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ فَتَصِیْرُ اِلٰی قَبْرِہٖ یعنی کافر کی رُوح آسمان زمین کے درمیان بھیج دی جاتی ہے جو پھر اپنی قبر کی طرف آجاتی ہے۔

ان سب احادیث سے باختلاف الفاظ یہ ثابت ہوتا ہے کہ سوال وجوابِ قبر کے لیے روح کو قبر کی طرف لوٹایا جاتا ہے نہ کہ جسم میں۔

حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ امر ثابت ہے کہ آپ

نے فرمایا:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُرُّ عَلٰى قَبْرِ اَخِيْهِ كَانَ يَعْرِفُهٗ فِي الدُّنْيَا فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔

جو مسلمان اپنے بھائی کی قبر سے گزرتا ہے جسے وُہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اسے سلام کہتا ہے تو اللہ اس پر اس کی رُوح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وُہ سلام کا جواب دیتا ہے۔

اس حدیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ سلام کے جواب دینے کے لیے رُوح کو قبر کی طرف لوٹایا جاتا ہے یعنی متوجہ کیا جاتا ہے۔

ان احادیث مذکورہ سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ وُہ روح جسم میں داخل کر کے اس میت کو دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ رُوح کو قبر کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ براء بن عازب کی حدیث تُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ سے بھی ان کی مراد دراصل قبر کی طرف لوٹانا مقصود ہے جو ان کی دوسری حدیث کے الفاظ سے واضح ہے فیرد الٰی مضجعہٖ۔

اور یہ لوٹانا بھی حقیقی طور پر مراد نہیں بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ رُوح کو قبر کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے کیونکہ یہی الفاظ ایک دُوسری حدیث میں ہیں جو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق ہیں۔

ابو داؤد میں بروایت ابی ہریرہ وارد ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔

یعنی جب کوئی شخص مجھ پر سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری رُوح لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اس حدیث میں روح کے لوٹانے سے مراد التفاتِ رُوحانی ہے جیسا کہ علامہ سبکی نے فرمایا کہ حضور کی روح مبارک شہودِ حق میں مستغرق رہتی ہے جب کوئی شخص آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو آپ کی روح دوائرِ بشریہ کی طرف تنزل فرماتی ہے اور سلام و کلام سُننے اور جواب کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

یہ بات بھی حضور علیہ السلام نے ہمارے سمجھانے کے لیے فرمائی ورنہ حقیقت میں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رُوح بیک وقت خدا تعالیٰ کی طرف بھی متوجہ رہتی ہے اور اس عالم کی طرف بھی اور آپ بطریق استمرار زندہ ہیں اور آپ کی حیات جسمانی پر بے شمار دلائل موجود ہیں اور پھر کوئی وقت ایسا خالی نہیں ہوتا کہ آپ پر سلام بھیجا نہ جاتا ہو لہٰذا ثابت ہُوا کہ عوام کی روحوں کو بھی سوال وجواب قبر کے لیے اور زائرین کے سوال کا جواب دینے کے لیے قبور کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔اس کی تشریح علامہ حافظ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس طرح کی ہے:

"روح نگاہِ چشم کی طرح جلدی نقل وحرکت کر جاتی ہے۔ اس کا قبر یا قبر کے آس پاس سے اتصال بمنزلۂ شعاعِ آفتاب کے ہوتا ہے کہ جس کا جسم آسمان میں ہوتا ہے۔"

دُوسری جگہ لکھا ہے:

"روح اعلیٰ علیین میں ہوتی ہے اور بہشت میں چرتی پھرتی ہے جہاں چاہتی ہے اور قبر کے پاس سلام کہنے والے کے سلام کو سُن لیتی ہے اور نزدیک ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کے سلام کا جواب دیتی ہے رُوح کی شان بدن کی شان سے نرالی ہے۔"[1]

رُوح کا جسم میں لوٹنا

جن لوگوں نے سوال وجوابِ قبر کے لیے رُوح کو جسم میں لوٹانے کا اظہار کیا ہے ان میں بھی بڑا اختلاف ہے؛

۱۔ بعض کہتے ہیں کہ صرف سر میں رُوح کو لوٹایا جاتا ہے۔

۲۔ ابن حجر نے کہا ہے: اِلٰی نِصْفِہٖ یعنی جسم کے اُوپر کے نصف حصہ میں لوٹائی جاتی ہے۔

۳۔ امام نووی نے لکھا ہے:

ثُمَّ الْمُعَذَّبُ عِنْدَ اَھْلِ السُّنَّۃِ   پھر معذب اہلسنت کے نزدیک

---

[1] کتاب الروح اردو ترجمہ ص ۱۲۴ ۔ ۱۲۵

اَلْجَسَدُ بِعَيْنِهٖ اَوْ بَعْضِهٖ بَعْدَ — جسم بعینہٖ ہے یا اس کا بعض حصہ بعد
اِعَادَةِ الرُّوْحِ اِلَيْهِ اَوْ اِلٰى جُزْءٍ — ازانکہ روح اس کی طرف یا اس کے
مِّنْهُ۔ — ایک جزء کی طرف لوٹائی جائے۔

۴۔ بعض کہتے ہیں کہ روح جسم اور کفن کے درمیان داخل کی جاتی ہے۔

علمائے کرام کو یہ تکلفات اس لیے کرنے پڑے کہ انہوں نے اپنے خیال سے یہ سمجھ لیا تھا کہ سوال وجواب قبر کے لیے اس جسم میں روح کو لوٹایا جاتا ہے حالانکہ اگر یہ بات مان لی جائے کہ سارا معاملہ رُوح سے عالمِ برزخ میں ہوتا ہے تو ان تکلفات کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

ضغطۃ القبر اور اس کے متعلقات

احادیثِ صحیحہ سے یہ تمام احوال ثابت ہیں لیکن ان کو سمجھنے میں بعض لوگوں کو اشتباہ پیدا ہوا انہوں نے سمجھا کہ یہ تمام معاملات اس جسم کے ساتھ قبر کے گڑھوں میں ہوتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اگر یہ معاملہ اسی قبر میں ہوتا تو قبر کو بھینچتے وقت دونوں طرف سے پھٹ جانا ضروری تھا اور ہر قبر ایک دوسری سے ملی ہوتی ہے اگر ہر میّت کے لیے قبر ستر گز وسیع ہوجائے تو دُوسرے مُردے کہاں جائیں گے اور اس کی وسعت نظر نہیں آتی پھر ہم ان قبروں کے اردگرد قبریں بناتے ہیں تو زمین میں خلا نظر نہیں آتا میّت کی لحد اس قدر تنگ ہوتی ہے کہ سوال کے وقت وہاں بیٹھا بھی نہیں جاسکتا۔ اگر آپ یہ کہیں جس طرح علامہ ابن قیم نے کہا ہے کہ خدا تعالیٰ کو قدرت نہیں کہ ایسا کرسکے اور ہمیں ظاہری طور پر معلوم بھی نہ ہوسکے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے افعال دُو قسم کے ہوتے ہیں: عادیہ[۱] طبعیہ اور خرقِ[۲] عادت۔ قسم ثانی کا صدور ہمیشہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے ہوتا ہے لہٰذا اگر اس قسم کے احوال صرف انبیائے عظام اور اولیائے کرام سے ثابت ہوں تو درست ہے کیونکہ خرقِ عادت افعال کا صدور ان سے ممکن ہے لیکن ہر میت سے خواہ وہ گنہگار ہو یا کافر اس سے ایسے افعال کا صدور ناممکن ہے امور عادیہ سے یہ باتیں نہیں ہوسکتیں جن کو ہم ہر وقت مشاہدہ کرتے ہیں لہٰذا ثابت ہُوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ فرمان حق ہیں۔ یہ سب امور رُوح سے عالم برزخ میں ہوتے ہیں اور یہ باتیں اولیاء اللہ اپنی

روحانی قوت سے مشاہدہ کرتے ہیں ابن تیمیہ اور ابن قیم چونکہ رُوحانی آدمی نہیں ہیں انہیں ان احادیث کے سمجھنے میں غلطی واقع ہوئی ہے۔

اگر ہم مذکورہ بالا امور کو اسی قبر کے گڑھے میں لازمی قرار دیں تو ایک سوال پیدا ہو گا کہ ہندو مت، بُدھ مت، جینی اور آریہ سماج وغیرہ اربوں کی تعداد میں ہیں جو اپنی میتوں کو جلا کر ان کی راکھ دریاؤں میں بہا دیتے ہیں یا ہوا میں بکھیر دیتے ہیں تو کیا ان لوگوں کو ضغطۃ القبر، عذابِ قبر یا سوال وجوابِ قبر نہیں ہوتا انہیں عذاب ضرور ہوتا ہے۔ انصاف اور عقل سے بعید ہے کہ یہ تمام عذاب صرف مسلمانوں ہی کو ہو کیونکہ کفار و ہنود کے برعکس میت کی تدفین تو اہلِ اسلام ہی کا شعار ہے۔ اگر تمام جلانے والوں کو بھی یہ معاملے بھگتنے پڑتے ہیں اور یقیناً بھگتنے پڑتے ہیں اور وہ سب عالم برزخ میں سرانجام پاتے ہیں تو عالمِ برزخ میں اہل اسلام کے ساتھ ان احوال کا پیش آنا کس طرح مستبعد ہو سکتا ہے۔

اسی طرح ایک سوال یہ بھی پیدا ہو گا کہ ثواب و عذابِ قبر حیات کو چاہتا ہے اور حیات روح وبدن کے رابطہ سے عبارت ہے پھر بدن بھی عود روح کا محتاج ہے خواہ وہ عود تمام جسم میں ہو یا بعض اعضاء میں، حالانکہ یہ محال ہے کیونکہ رُوحِ انسانی کا تعلق انسانی جسم سے بواسطہ روحِ حیوانی پیدا ہو سکتا ہے اور روح حیوانی کے بگڑنے اور فساد ہی سے تو موت واقع ہوئی تھی اب اگر روحِ حیوانی کو دوبارہ پیدا کیا جائے تو اس کے لیے اخلاط اربعہ کا ہونا ضروری ہے جو غذا سے پیدا ہوتی ہیں اور دورانِ خون کے لیے کاربن کو خارج کرنے اور آکسیجن کو داخل کرنے کے لیے تنفس کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ تمام چیزیں قبر کے تنگ و تاریک گڑھے میں کہاں سے میسر ہوں گی۔ اور پھر اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ یہ ثواب و عذاب صرف جسم کو ہوتا ہے اور ہمیں تسبیح جمادات کی طرح دکھائی سنائی نہیں دیتا تو گزارش ہے کہ تسبیحِ جمادات کا تعلق جمادی روح سے ہے ہم انسانی اور حیوانی روح کی بات کر رہے ہیں معذّب چونکہ انسانی روح ہے جمادی روح نہیں ہے اس لیے ہر حالت میں جسم کو عذاب و ثواب میں شریک کرنے کے لیے پہلے روح اور جسم کے اتصال پر غور کرنا ہو گا اگر ہر بات کا جواب یہی دیا جائے کہ خدا تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے تو اس پر ہمارا بھی ایمان ہے کہ وَهُوَ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہے لیکن اس عالمِ اسباب میں

امور عادیہ طبعیہ کو اللہ تعالیٰ نے جن اسباب سے منسلک کر دیا ہے اور قانونِ خداوندی نے جو اصول و ضوابط مقرر کر دیئے ہیں وُہ ان کے خلاف نہیں کرتا مثلاً خدا تعالیٰ اگر چاہے تو انسان کو بغیر غذا کے زندہ رکھ سکتا ہے لیکن ایسا نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ اگر چاہے تو قیامت سے پہلے تمام مُردوں کو اُٹھا کر سوال و جواب کر کے اُن کو جنت یا دوزخ میں ڈال دے تو ڈال سکتا ہے لیکن ایسا نہیں کرتا غرضیکہ سینکڑوں اس قسم کے نظائر پیش کیے جا سکتے ہیں البتہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کے اظہار کے لیے خلافِ قانون بھی کر دیتا ہے لیکن اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ایک خلافِ قانون بات کو لے کر مستقل قانون بنا لیا جائے اور ہر غیر عادی اور غیر فطری بات کو ثابت کرنے کے لیے قدرتِ خداوندی کی آڑ لے لی جائے۔

خوارق کی غرض و غایت

اولیاء اللہ سے خوارق کا صدور ایک مسلمہ امر ہے جو اہل ایمان کے لیے اطمینانِ قلب کا موجب ہے اور کفار کے لیے باعثِ عبرت۔ چند ایک واقعہ ہدیہ ناظرین ہیں:

۱۔ عُزیر علیہ السلام ایک بستی سے گزرے جو بالکل ویران تھی دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ لوگ کیونکر زندہ ہوں گے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن پر موت طاری کی اور سَو سال کے بعد زندہ کیا تو کہنے لگے کہ دن یا دن کا کچھ حصّہ گزرا ہے حالانکہ اس واقعہ پر سو سال گزر چکے تھے۔

۲۔ زید بن خارجہ انصاری کا وفات کے بعد کلام کرنا۔

۳۔ ربیع کا مرنے کے بعد کلام کرنا۔

۴۔ ثابت البنانی تابعی کا قبر میں نماز پڑھتے ہُوئے دکھائی دینا جسے عام مخلوق نے مشاہدہ کیا۔

۵۔ شہدائے اُحد کے متعلق لکھا ہے جب انھیں قبروں سے نکالا گیا تو ان کے جسم صحیح و سالم تھے اور ان کے تمام اعضاء مُڑ سکتے تھے ایک شخص کے پاؤں پر جو بیلچہ لگا تو اس سے خون ٹپکا۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہو چکے ہیں اور اب بھی ہوتے رہتے ہیں کہ کسی قبر کو کھودا گیا تو مدفون شخص کا وجود صحیح و سالم نکلا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی لاش کو محفوظ کر لیا ہے جو آج کل قاہرہ میوزیم میں موجود ہے۔

۲۔ کافروں اور گنہگاروں کو ان کی قبروں میں مختلف عذابوں کے اندر دیکھنا۔

یہ تمام امور موجودہ اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے عبرت کا سامان مہیا کرتے ہیں چنانچہ فرعون کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ط

ہم تمہارے بدن کو (اس دنیا میں) محفوظ رکھیں گے تاکہ تو بعد میں آنے والوں کے لیے باعثِ عبرت ہو۔

جلال الدین سیوطیؒ نے شرح الصدور میں، ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں اور علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں عذاب و ثوابِ قبر کے سینکڑوں حیرت انگیز واقعات تحریر کیے ہیں۔ ان میں سے ایک واقعہ بطور نمونہ پیشِ خدمت ہے:

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں کہ ابو عبداللہ محمد بن ازیز حرّانی نے میرے پاس بیان کیا کہ میں شہر آمد (علاقہ شام) سے باہر عصر کے وقت ایک باغ کی طرف جا نکلا آفتاب بالکل غروب ہونے کو تھا کہ میں ایک قبرستان میں جا داخل ہُوا کیا دیکھتا ہُوں کہ ایک قبر میں سے آگ کا شعلہ نکل رہا ہے اور میت اس آگ کے اندر جل رہی ہے یہ کیفیت دیکھ کر میں حیران رہ گیا اور اس خیال سے اپنی آنکھیں ملنے لگا کہ کہیں یہ معاملہ خواب کا نہ ہو پھر میں نے شہر کے ادھر ادھر اور دیگر نشانات کو دیکھا تو یقین ہُوا کہ مَیں جاگتا ہُوں اور خواب میں نہیں یہی کیفیت مشاہدہ کرتا ہُوا میں اپنے گھر کو چلا تو میرے ہوش و حواس ٹھکانے نہ تھے۔ گھر والوں نے کھانا سامنے رکھا مگر میں نہ کھا سکا، اٹھا اور اس مدفون شخص کے بارے میں تحقیق شروع کی آخر معلوم ہُوا کہ وُہ ایک محصل کی قبر تھی جو لوگوں پر سخت ظلم اور تشدد کیا کرتا تھا اور وُہ اسی دن مرا تھا۔[1]

واضح ہو کہ مرنے کے بعد گناہوں کا عذاب اگرچہ برزخ میں ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی بعض لوگوں کے عذاب کو مجسم کر کے عینی مشاہدہ کرا دیا جاتا ہے تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں اور گناہوں سے باز آجائیں۔

بسا اوقات دنیوی زندگی میں بعض کافروں اور گنہگاروں کو گناہوں کی سزا کے طور پر

---

[1] کتاب الروح اردو ص ۸۹

خدا تعالیٰ کسی عذاب میں مبتلا کردیتا ہے تاکہ وُہ خود بھی سبق حاصل کریں اور دُوسرے لوگ بھی اُن کے احوال کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں کما قال اللہ تعالیٰ:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝

خشکی و تری میں جو فسادات رونما ہوتے ہیں وہ انسان کے ہاتھوں سے کمائی ہُوئی بداعمالیوں کا نتیجہ ہوتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں بعض اعمال کا مزہ چکھا دے شاید وہ لوگ توبہ کرکے اللہ کی طرف لوٹ آئیں۔

یوم الآخر سے مراد

عقائد اسلامیہ کی رُو سے حیاتِ انسانی کو دو مختلف ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ایک موت سے لے کر قیامت تک اور دُوسرا قیامت سے لے کر ابد تک جسے موت اور فنا نہیں ہے پہلے دَور کا نام برزخ اور دُوسرے کا نام بعث، حشر و نشر یا قیامت ہے۔ قرآن کریم میں ان ہر دُو ادوار کے لیے آخرت، یوم الآخر اور دار الآخرت کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ:

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۝[1]

جو لوگ ایمان لائے انہیں اللہ تعالیٰ حیاتِ دنیوی اور آخرت میں اس پکی بات (کلمہ توحید) پر ثابت قدم رکھے گا۔

اس آیت میں آخرت سے مراد عالمِ برزخ ہے اور قرائن بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ قیامت میں قولِ ثابت پر قائم رہنا کون سی بڑی بات ہوگی جبکہ ہر چیز اس وقت واضح اور نمایاں ہوگی اس لیے اس آیت میں "آخرۃ" سے مراد عالمِ برزخ کے سوا کچھ اور مراد نہیں ہو سکتا۔ ایک اور حدیث میں تصریحاً بیان ہے کہ قبر (یعنی برزخ) آخرت کی منزلوں میں سب سے

---

[1] ابراہیم: ۶

پہلی منزل ہے لے۔

حضرت فقیر نور محمّد صاحب کلاچوی کا فیصلہ کن کلام

حضرت قبلہ سیدی و مرشدی فقیر نور محمد صاحب کلاچوی قدس سرہٗ اپنی کتاب عرفان حصہ دوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ خواب اور موت کی دنیا تقریباً ملتی جلتی ہے جس طرح ہم خواب کے اندر اپنے اردگرد ایک دنیا دیکھتے ہیں جس میں ہمارے اس جہان کی مثل ایک جہان ہوتا ہے جس میں دنیا کی تمام چیزیں مثلاً شہر، جنگل، دریا، پہاڑ، زمین اور آسمان ہوتا ہے اور اس میں سوائے خواب دیکھنے والے کے اور کسی غیر کا مطلق دخل نہیں ہوتا اور وہ مکان اس کے جسم اور جان کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواب میں جب کبھی کوئی شخص کسی دُوسرے شخص سے ملتا ہے تو دُوسرے آدمی کو پتہ بھی نہیں ہوتا ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے کہ وُہ شخص خواب میں ایک دوسرے سے ملیں یا کوئی بات یا معاملہ کریں اور بیدار ہونے پر دو کو یکساں طور پر یاد اور معلوم ہو۔ موت کے بعد بھی انسان اپنے اردگرد اسی قسم کا ایک وسیع برزخی لطیف جہان اپنے دینی اعمال کے مطابق اور مذہبی حیثیت کے موافق پاتا ہے نفسانی مردہ دل آدمی نہ تو زندگی میں اپنے خواب و خیال کے ماحول سے اور نہ موت کے بعد اپنے برزخی جہان سے تجاوز کر سکتا ہے بلکہ وہ زندگی اور ممات میں اپنے نفس کی ظلمت میں مقید اور محبوس رہتا ہے اور عارف زندہ دل لوگ چونکہ اللہ تعالےٰ کے نور سے زندہ ہوتے ہیں اس لیے وُہ اپنے باطنی لطیف جُثّے سے لوگوں کے خواب کی دنیا اور اہلِ قبور کے برزخی مقام میں جا داخل ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا ط

آیا وہ شخص جو مُردہ تھا پس ہم نے اسے (اپنے نور سے) زندہ کر دیا اور اسے ہم نے ایک نوری وجود عطا کیا جس کے ذریعہ وہ لوگوں کے (لطیف جُثّوں یعنی برزخی مکانوں) کے درمیان چلتا ہے اس آدمی کے مثل ہو سکتا ہے جس کے اردگرد ایسا اندھیرا ہے کہ وہ اس سے کسی طرح باہر نہیں نکل سکتا۔

مردہ دل نفسانی آدمی کے لیے اس کا یہ تنگ و تاریک برزخی مکان اس کا دوزخ ہوتا ہے مگر عارف زندہ دل کے لیے یہ برزخی لطیف جہاں اس کی ایک وسیع و عریض جنت ہوتی ہے جسے وہ باطن میں اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے ...... نیند کی حالت میں روح کا پرندہ گوشت و پوست کے پنجرے سے ایک باطنی رشتے اور لطیف دھاگے سے بندھا ہوا ہوتا ہے لیکن موت کے وقت رُوح کی رسّی جسم عنصری سے یک دم ٹوٹ جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۝

اللہ تعالیٰ موت کے وقت نفس کو پُورا لے لیتا ہے اور نفس وہ چیز ہے جو نیند کی حالت میں مرتی نہیں جاتی بلکہ زندہ رہتی ہے پس اللہ تعالیٰ اس جسم کو تو پکڑ لیتا ہے جس پر موت واقع ہوتی ہے اور دوسری چیز رُوح کو ایک مقررہ وقت کے لیے بھیج دیتا ہے۔

پس روح کا تعلق قبر اور لاش کے ساتھ تقریباً اسی طرح رہتا ہے جس طرح پرندے کا تعلق گھونسلے اور درخت کے ساتھ ہوتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ رُوح زندگی کی حالت میں جسم کے گھونسلے کے اندر انڈے یا چھوٹے بچے کی طرح موجود اور مقیم رہتی ہے لیکن موت کے وقت اپنے گھونسلے سے پرواز کر جاتی ہے اور پھر اپنے ارادے اور اختیار سے جس وقت چاہے اپنے گھونسلے کے اندر آتی جاتی ہے ..... یعنی اگر روحانی سبز پرندے کی طرح بہشت کے کسی باغ میں اڑتا ہے یا عرش بریں کے کنگرے یا مقام علّیین تک پرواز کرتا ہے تاہم اس کا برزخی آشیانہ یا اس کا نوری لطیف جھولا یا لفٹ قبر ہی میں پڑا رہتا ہے اور اگر اس کے برزخ کا پیندا تحت الثریٰ کی گہرائیوں میں واقع ہو تو بھی اس کے برزخی کنوئیں کا دہانہ اس کی قبر کا غار ہی ہوتا ہے اور قبر اور لاش سے روحانی تعلق بہر حال قائم رہتا ہے اور اس کا ایک برزخی لطیف مکان اس کی قبر کے قریب ضرور موجود ہوتا ہے اور اس کا ایک لطیف جُثّہ اس جگہ آمد و رفت رکھتا ہے ..... نیز روح اپنی ہڈیوں اور قبر کے ساتھ اضطراری اور مجبوری طور پر معلق اور بندھا ہوا نہیں ہوتا بلکہ اس کی قبر کا ڈھانچہ پرندے کے گھونسلے اور آشیانے کی طرح اس کا اختیاری

مسکن اور وقتی نشیمن ہوتا ہے چاہے اس ہیں آوے جاوے یا آنا جانا چھوڑ دے یہی وجہ ہے کہ بعض بزرگانِ دین کے مزارات ایک زمانہ تک خوب مرجعِ خلائق اور منبعِ فیوضات و برکات رہے ہیں لیکن جب ان پر بدٗ رسومات اور بدعات شروع ہو گئے ہیں تو ان بزرگوں نے اپنے مزاروں پر آنا جانا اور فیض پہنچانا موقوف کر دیا۔ ۔ ۔ ۔ سو ایسے لوگوں کی ارواح اور اہلِ زمین سے اپنا رشتہ اور تعلق توڑ کر مقام علیین اور ملاء اعلیٰ میں اپنا مسکن اور ٹھکانا جوڑ لیتے ہیں اسی طرح وُہ اولیائے کرام جن کی حادثاتِ زمانہ کی وجہ سے قبریں مٹ گئیں انہیں اگر کوئی اہل دعوت حاضر کرنا چاہے تو ان کا تعلق بجائے قبر اور جسم کے اُن کے نام اور اسم سے ہوتا ہے اور نام اور اسم کے واسطے اور ذریعے سے ان کی حاضرات کی جاتی ہے لہٰذا نام اور اسم کا تعلق قبر اور جسم سے زیادہ مستحکم اور پائدار ہے۔ ۔ ۔ ۔ اہل بصیرت باطنی اہل قبور کے ان باطنی، برزخی، ناری غاروں اور نوری بلند ایوانوں کو قبر کے پاس اپنی باطنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کیونکہ اُن کے سینوں میں ایک ایسا باطنی نوری ٹیلی ویژن لگا ہوا ہوتا ہے جو ہر روحانی اہل قبر کے باطنی برزخی حالات کو اس میں دیکھتا اور معلوم کرتا ہے جسے عرفِ تصوّف میں کشف القبور کے نام سے پکارتے ہیں انتہیٰ کلامہٗ [۱]

سماعِ موتیٰ

اگر سماعِ موتیٰ سے یہ مراد لیا جائے کہ مُردہ قبر میں زندہ ہو کر جسدِ عنصری کے ساتھ سنتا ہے تو یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کیونکہ بجسدِ عنصری دوبارہ زندہ ہونا صرف قیامت کے دن ہوگا سماع صرف روحِ انسانی کے لیے مخصوص ہے البتہ جو لوگ رُوح کے سُننے کا بھی انکار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ موت کے بعد رُوح کے لیے سماع و ادراک باقی نہیں رہتا وہ یقیناً فرقۂ معتزلہ سے تعلق رکھتے ہیں بعض حنفی کتب میں بھی سہواً اس قسم کے اقوال کو درج کر دیا گیا ہے اور اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ بعض معتزلہ کے ساتھ احناف کا ارتباط رہا ہے اس لیے ممکن ہے کسی حنفی عالم

---

[۱] عرفان ج ۲ ص ۱۳۳ - ۱۳۴

نے کسی معتزلہ سے سُن کر یا معتزلہ کی تصنیف سے یہ قول سہواً کتاب میں درج کر دیا ہو۔

قرآن کریم میں اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ اور وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ یعنی آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں ان آیاتِ کریمہ کی تفسیر میں علمائے کرام اور مفسرینِ عظام نے یہ لکھا ہے کہ یہاں مردوں سے مراد کفار ہیں اور کافروں کو مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی جس طرح مُردے ہمارے کلام کو سُن کر اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اسی طرح یہ کفار جو مُردہ دل ہیں آپ کے کلام سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے باقی رہا ظاہری سماع تو جس طرح کفار سنتے ہیں اس طرح مُردے بھی سُنتے ہیں لہٰذا ثابت ہُوا کہ ان آیاتِ کریمہ کو عدمِ سماعِ موتٰی پر بطورِ دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ان آیاتِ کریمہ کا سیاق و سباق دیکھا جائے تو وہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم کفار کے حق میں وارد ہے چنانچہ پوری آیات یہ ہیں:

(۱) اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ [1]

آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور بہروں کو پکار نہیں سنا سکتے جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی کے باعث ہدایت دینے والے نہیں آپ تو بس انہیں سناتے ہیں جو ہماری آیات پر یقین رکھتے ہیں پس وہی فرمانبردار ہیں۔

(۲) وما یستوی الاعمٰی والبصیر ولا الظلمت ولا النور ۝ ولا الظل ولا الحرور وما یستوی الاحیاء والاموات ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور ان انت الا نذیر ۝ [2]

اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہو سکتے نہ ہی نور و ظلمت اور نہ ہی سایہ اور لُو اور نہ ہی زندہ و مردہ یکساں ہیں اللہ تعالیٰ جسے چاہے سناتا ہے اور آپ ان لوگوں کو جو قبر میں پڑے ہوئے سنانے والے نہیں آپ ڈر کی خبر پہنچانے والے ہیں۔

ان آیات میں مردوں اور قبروں میں پڑے ہوئے لوگوں سے مراد بطریقِ مجاز کفار ہیں

---

[1] نمل: ع ۶ [2] فاطر: ع ۳

اور سباق بھی اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اعمٰی سے مراد کافر اور بصیر سے مراد مومن ہے اندھیرے سے مراد کفر اور نور سے مراد ایمان ہے اور سایہ سے مراد بہشت اور لُو سے مراد دوزخ ہے اور زندوں سے مراد مومن اور مُردوں سے مراد کفار ہیں پس من فی القبور سے مجازاً کفار ہیں اور نفی سماع سے مراد سماعِ قبول و انتفاع کی نفی ہے پس مطلب یہ ہُوا کہ کفار وعظ و نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھاتے جس طرح کہ مردے فائدہ نہیں اٹھاتے کیونکہ ان کے لیے فائدہ اٹھانے کا وقت دنیوی زندگی ہی تھی موت کے بعد ماننے سے کچھ فائدہ نہیں۔

پس ثابت ہوا کہ ان آیات میں سماعِ خاص (سماعِ انتفاع) کی نفی ہے نہ کہ مطلق سماع کی اگر سیاق و سباق سے قطعِ نظر سماعِ مطلق کی نفی تسلیم کرنی جائے تو ہم کہیں گے کہ یہ نفی مُردوں اور قبر میں پڑے ہُوئے لوگوں کے لیے ہے اور وُہ کیا ہیں اجسامِ بے رُوح۔

چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ تفسیر موضح القرآن میں زیرِ آیت وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ لکھتے ہیں:

"حدیث میں آیا ہے کہ مُردوں سے سلامٌ علیک کرو وُہ سنتے ہیں بہت جگہ مردوں کو خطاب کیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ مُردے کی رُوح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ وہ نہیں سُن سکتا۔"

علامہ عبدالباقی زرقانی نے شرحِ مواہب میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج شریف میں سماعِ موتٰی پر کافی حدیثیں نقل کی ہیں چنانچہ امام احمد قسطلانی نے مواہب شریف میں باب مذکور کی فصلِ خامس میں فرمایا ہے:

كَانَ الْمَقْصُوْدُ بِهٰذَا كُلِّهٖ تَحْقِيْقَ السَّمَاعِ وَنَحْوِهٖ مِنَ الْاَعْرَاضِ بَعْدَ الْمَوْتِ فَاِنَّهٗ قَدْ يُقَالُ اِنَّ هٰذِهِ الْاَعْرَاضَ مَشْرُوْطَةٌ بِالْحَيَاةِ فَكَيْفَ تَحْصُلُ	ان سب سے مقصود موت کے بعد سماع وغیرہ صفات کی تحقیق تھی کہ بعض لوگ کہنے لگتے ہیں ان اوصاف کے لیے زندگی شرط ہے پس (وہ اوصاف) موت کے بعد کیونکر حاصل ہونگے

ل حیات الموات مؤلفہ اعلیحضرت بریلویؒ ص ۱۵۳

بَعْدَ الْمَوْتِ وَهٰذَا خِیَالٌ ضَعِیْفٌ لِاَنَّا لَا نَدَّعِیْ اَنَّ الْمَوْصُوْفَ بِالْمَوْتِ مَوْصُوْفٌ بِالسَّمَاعِ وَاِنَّمَا نَدَّعِیْ اَنَّ السَّمَاعَ بَعْدَ الْمَوْتِ حَاصِلٌ لِّحَیٍّ وَّهُوَ الرُّوْحُ۔

حالانکہ یہ ناقص خیال ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ جو چیز مُردہ ہے وُہ سنتی ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ بعد مرگ سماع اس کے لیے ثابت ہے جو زندہ ہے یعنی روح۔

حیات الارواح

روح مسلمان کی ہو یا کافر کی موت کے بعد ہر حال میں باقی رہتی ہے۔ ارواح کے بارے میں امام جلال الدین سیوطیؒ نے شرح الصدور میں لکھا ہے:

بَاقِیَةٌ بَعْدَ خَلْقِهَا بِالْاِجْمَاعِ۔

روحیں پیدائش کے بعد بالاجماع جاوداں رہتی ہیں۔

اگر یہ کوئی کہے کہ مرنے سے رُوح بھی مرجاتی ہے تو مَعَاذَ اللّٰهِ هٰذَا مِنْ قَوْلِ اَهْلِ الْبِدَعِ خدا کی پناہ یہ بدعتیوں کا قول ہے۔ امام سبکی شفاء السقام میں فرماتے ہیں:

اَلنَّفْسُ بَاقِیَةٌ بَعْدَ مَوْتِ الْبَدَنِ عَالِمَةٌ بِاتِّفَاقِ مُسْلِمِیْنَ بَلْ غَیْرِ الْمُسْلِمِیْنَ مِنَ الْفَلَاسِفَةِ وَغَیْرِهِمْ مِمَّنْ یَّقُوْلُ بِبَقَاءِ النُّفُوْسِ یَقُوْلُوْنَ بِالْعِلْمِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَمْ یُخَالِفْ فِیْ بَقَاءِ النُّفُوْسِ اِلَّا مَنْ لَّا یُعْتَدُّ بِهٖ اھ ملتقطاً۔

یعنی مسلمانوں کا اجماع ہے کہ روح بعد مرگ باقی رہتی ہے اور علم و ادراک رکھتی ہے بلکہ فلاسفہ وغیرہم بھی جو بقائے ارواح کے قائل ہیں وُہ بھی موت کے بعد علم کو مانتے ہیں اور بقائے روح میں کسی نے اختلاف نہیں کیا مگر جو کسی شمار میں نہیں ہیں۔

تفسیر بیضاوی میں ہے:

فِیْهَا دَلَالَةٌ عَلٰی اَنَّ الْاَرْوَاحَ جَوَاهِرُ قَائِمَةٌ بِاَنْفُسِهَا مُغَایِرَةٌ لِّمَا یُحَسُّ بِهٖ مِنَ الْبَدَنِ تَبْقٰی بَعْدَ الْمَوْتِ دَرَّاکَةٌ وَعَلَیْهِ جُمْهُوْرُ

یہ آیت کریمہ دلیل ہے کہ روحیں جوہر قائم بالذات ہیں یہ بدن جو نظر آتا ہے اس کے سوا اور چیز ہیں موت کے بعد اپنے اسی جوش ادراک پر رہتی ہیں جمہور صحابہ

لہ حیاۃ الموات مصنفہ اعلیٰ حضرت بریلویؒ صفحہ ۹۵

الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَبِهٖ نَطَقَتِ الْاٰيَاتُ وَالسُّنَنُ۔

وتابعین کا یہی مذہب ہے اور آیات واحادیث اس پر شاہد ہیں۔

ابن الحاج مدخل میں اور امام قسطلانی مواہب میں اور علامہ زرقانی شرح میں فرماتے ہیں:

وَاللَّفْظُ لِلْمَدْخَلِ مِنَ اتَّصَلَ اِلٰی عَالَمِ الْبَرْزَخِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ يَعْلَمُ اَحْوَالَ الْاَحْيَاءِ غَالِبًا وَّقَدْ وَقَعَ كَثِيْرٌ مِّنْ ذٰلِكَ كَمَا هُوَ مَسْطُوْرٌ فِيْ مَظِنَّةِ ذٰلِكَ مِنَ الْكِتَابِ۔

جو مسلمان برزخ میں ہیں زندوں کے اکثر احوال کا علم رکھتے ہیں اور یہ امر بکثرت واقع ہے جیسا کہ کتابوں میں اپنے محل پر مذکور ہے۔

موت صفتِ بدن ہے نہ رُوح

علامہ مفتی ابوالسعود محمد عمادی نے تفسیر ارشاد العقل السلیم میں زیر آیت احیاء عند ربھم فرمایا:

فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰی اَنَّ رُوْحَ الْاِنْسَانِ جِسْمٌ لَطِيْفٌ لَّا يَفْنٰی بِخَرَابِ الْبَدَنِ وَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ اِدْرَاكُهٗ وَتَاَلُّمُهٗ وَالْتِذَاذُهٗ۔

اس میں دلالت ہے اس بات پر کہ رُوح انسانی ایک جسم لطیف ہے جو بدن کے خراب ہوجانے سے فنا نہیں ہوتا اور روح کا ادراک اور لذت و الم جسم پر موقوف نہیں۔

جس جگہ رُوح پر فنا کا اطلاق کیا گیا ہے وہ مجازاً استعمال ہوا ہے چنانچہ ایک حدیث شریف میں حضور علیہ السلام نے ارواح کو فانیہ فرمایا ہے۔ تفسیر عزیزی میں اس حدیث کے نیچے سراج المنیر میں فرماتے ہیں:

(الارواح الفانیۃ) ای الفانی اجسادھا۔

علامہ زین العابدین مناوی تیسیر میں فرماتے ہیں:

یعنی الْاَرْوَاحُ الَّتِيْ اَجْسَادُهَا فَانِيَةٌ وَّاِلَّا فَالْاَرْوَاحُ لَا تَفْنٰی۔

علامہ حفنی حاشیہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

الفانیۃ اَیِ الفَانِیَۃُ اَجسَادُھَا اِذَا لاَ رْوَاحُ لَا تَفنٰی ۔

(حدیث) امام احمد وابن ابی الدنیا وطبرانی ومروزی وابن مندہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہٗ سے راوی ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اَنَّ الْمَیِّتَ یَعْرِفُ مَنْ یَّغْسِلُہٗ وَیَحْمِلُہٗ وَمَنْ یُّکَفِّنُہٗ وَمَنْ یُّدْلِیْہِ فِیْ حُفْرَتِہٖ۔

بیشک مردہ پہچانتا ہے اسے جو اس کو غسل دے اور جو اٹھائے اور جو کفن پہنائے اور جو قبر میں اتارے

فائدہ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ یہ افعال بدن پر وارد ہیں نہ کہ روح پر اور پہچاننا رُوح کا کام ہے اور جب میت اپنے علم وادراک پر باقی ہے تو اسے موت کہاں ؟ نیند جسے اخت الموت کہا گیا ہے اس میں تو پہچان رہتی نہیں پھر موت میں کیونکر رہ سکتی ہے لہٰذا ثابت ہُوا کہ روح کے افعال کو مُردے کی طرف منسوب کرنا مجازاً ہے ۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ کبھی میّت کے اوصاف کو مجازاً رُوح کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے اور کبھی رُوح کے افعال کو مجازاً میّت کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے ورنہ موت حقیقت میں بدن کے لیے ہے اور رُوح زندہ رہتی ہے اس کی وضاحت حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے تفسیر عزیزی میں یُوں فرمائی ہے :

"موت بمعنی عدمِ حس وحرکت وعدمِ ادراک وشعور جسد را رو میدہد وروح را اصلاً تفسیر نمی شود چنانچہ حامل قوی بود حالا ہم ہست وشعورے وادراکے کہ داشت حالا ہم دارد بلکہ صاف وروشن تر پس ارواح را مطلقاً خواہ روح شہید باشد یا روحِ خاصۂ مومنین یا رُوحِ کافر وفاسق بایں معنی مردہ نتواں گفت مردگی صفتِ بدن است کہ شعور وادراک وحرکات وتصرفات کہ بسبب تعلقِ روح باوے ازوے ظاہر می شدند حالا نمی شوند آرے روح را بدو معنی موت لاحق میشود اول آنکہ بعد از مفارقتِ بدن از ترقی بازمے ماند دوم بعضے تمتعات مثلِ اکل وشرب از دستِ او می روند لہٰذا اورا نیز در شرع حکم بموت میفرمایند دریں امور فقط اما شہیداں راہِ خدا در حقیقت ایں دو معنی ہم نیست بلکہ ایشاں زندگانند دائماً در ترقی وتمتعاتِ جسدانیہ نیز ایشاں موقوف نشدہ الخ مختصراً"[1]

---

[1] تفسیر فتح العزیز ص ۴۷۰

اس تفسیر میں یہ بھی مذکور ہے:

"کہ جانِ آدمی ہر چند در شدائد و مصائب گرفتار شود بحفظِ الٰہی محفوظ است شکستہ شدن و فنا پذیر فتن آں از محالہ تست و لہذا در حدیث شریف وارد ست اِنَّمَا خُلِقْتُمْ لِلْاَبَدِ یعنی جانِ آدمی کہ در حقیقت آدمی عبارت از انست ابدی است ہرگز فنا پذیر نیست و آنچہ در عرف مشہور است کہ موت ہلاک جان میکند محض مجاز ست نہایت کار موت آنست کہ جان از بدن جدا میشود و بدن بسبب نایافت مربی و محافظ از ہم باشد و اِلاّ جان را فنا متصور نیست و اثباتِ عالمِ برزخ و امکانِ حشر و نشر مبنی بر ہمیں مسئلہ است الخ"[1]

تفسیر کبیر میں ہے:

اَلتَّحْقِیْقُ اَنَّ الْاِنْسَانَ جَوْهَرٌ وَّهُوَ الْفَعَّالُ وَهُوَ الدَّرَّاكُ وَ هُوَ الْمُؤْمِنُ وَهُوَ الْمُطِیْعُ وَهُوَ الْعَاصِیْ وَهٰذِهِ الْاَعْضَاءُ اٰلَاتٌ وَّ اَدَوَاتٌ لَّهٗ فِی الْفِعْلِ فَاُضِیْفَ الْفِعْلُ اِلَى الْاٰلَةِ فِی الظَّاهِرِ وَ فِی الْحَقِیْقَةِ یُضَافُ اِلٰى ذٰلِكَ الْجَوْهَرِ۔

اہلسنت کے نزدیک جسم شرطِ حیات نہیں معتزلہ اس میں خلاف کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ادراکات تابع حیات ہیں لہذا ہمارے نزدیک رُوح موت سے متغیر نہیں ہوتی اس کے علوم وادراکات بدستور رہتے ہیں۔

ابن داؤد نے البعث میں حاکم نے تاریخ میں اور بیہقی نے عذابِ قبر میں حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے عمرؓ! تمہاری کیا حالت ہو گی جب مرنے کے بعد فرشتے آئیں گے تجھے ماریں گے اور تو ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔"

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں اس حالت میں ہُوں گا جس

---

[1] بحوالہ حیات الموات ص ۱۹۵

میں اب ہوں؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں۔

پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا: پھر میں ان سے نمٹ لوں گا۔ انتہیٰ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے کا مقصد یہ تھا کہ کیا ہمارے علم و ادراک اور ہماری رُوحانی قوّت جو اس وقت ہم میں ہے وہ اسی طرح ہمارے پاس رہے گی تو پھر کوئی پرواہ نہیں ہم ان سے نمٹ لیں گے۔ معلوم ہُوا کہ روح کی قوتیں مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہیں۔[1]

سماعِ موتٰی کے بارے میں جہاں بھی احادیث میں موتٰی کے لیے سمع و بصر اور علم و ادراک اور اقوال و افعال کو منسوب کیا گیا ہے اس سے مراد روح ہے اور اس پر مجازاً موتٰی کا اطلاق کیا گیا ہے۔

شیخین کی روایت

صحیح مسلم اور بخاری میں ابو سعید خدری رضؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَۃُ وَاحْتَمَلَھَا الرِّجَالُ عَلٰی اَعْنَاقِھِمْ فَاِنْ کَانَتْ صَالِحَۃً قَالَتْ قَدِّمُوْنِیْ وَاِنْ کَانَتْ غَیْرَ صَالِحَۃٍ قَالَتْ لِاَھْلِھَا یٰوَیْلَھَا اَیْنَ تَذْھَبُوْنَ بِھَا یَسْمَعُ صَوْتَھَا کُلُّ شَیْءٍ اِلَّا الْاِنْسَانُ وَلَوْ سَمِعَہٗ صَعِقَ۔[2]

جب جنازہ کو رکھ دیا جاتا ہے اور پھر لوگ اسے اپنی گردنوں پر اٹھا لیتے ہیں اگر وُہ نیک آدمی ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے آگے لے چلو اور اگر نیک نہیں ہوتا تو گھر والوں کو کہتا ہے افسوس مجھے کہاں لیے جا رہے ہو انسان کے سوا ہر چیز اس کی آواز سنتی ہے اگر انسان سُن لے تو غش کھا کر گر جائے۔

اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ جسم کہتا ہے جسے کندھوں پر اٹھا کر لے جایا جاتا ہے لیکن یہ الفاظ رُوح کہتی ہے کیونکہ ہم مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں کہ میت بات چیت

---

[1] شرح الصدور ص ۸۵

[2] بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۴

نہیں کرسکتی اور نہ اس وقت یہ بات اس کے مُنہ سے نکلتی ہے اور اگر میت بات کرے تو وہ میت نہ رہے گی بلکہ وہ زندہ انسان ہوگا اور اگر یہ بات کرامۃً اس کے منہ سے نکل بھی جائے تو کون سی بات مانع ہے کہ انسان نہ سُن سکے اس سے مراد روح کا کلام ہے اور رُوح کا کلام وہی سن سکتا ہے جو رُوح کی مانند ہو اگرچہ یہاں ذکر عام ہے مگر اس سے مراد ملائکہ، جنّ اور خاص روحانی انسان ہیں کیونکہ یہ سب رُوح کی طرح لطیف ہیں۔

اسی طرح جن احادیث میں ہے کہ میّت کو سوال و جوابِ قبر کے وقت فرشتے بٹھا دیتے ہیں اس سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس خاکی جسم کو بٹھا دیا جاتا ہے لیکن دراصل روح کے مثالی جسم کو بٹھا کر عالمِ برزخ میں اس سے سوال و جواب کیا جاتا ہے۔ ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں بہت سی ایسی باتیں لکھ دی ہیں جو بلا تحقیق ناقابل قبول ہیں کئی لوگ اس قسم کے شواہد پیش کرتے ہیں جو ان کے توہمات ہوتے ہیں لہٰذا وہ ناقابلِ التفات ہیں۔

اگر کوئی شخص سوال کرے کہ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ قبر کے اندر جو جسم ہوتا ہے وہ بے حس اور مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے تو پھر قبر پر جانے کی کیا ضرورت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ روح کا تعلق اس جسم سے بہت زیادہ ہوتا ہے اور قبر گویا رُوح سے ملنے اور اس کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے کے لیے برزخ کا ایک دروازہ ہے جس کے ذریعہ رُوح سے بآسانی تعلق پیدا کیا جا سکتا ہے چنانچہ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ السامی حضرت علاء الدین سمنانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں:

"درویشے[1] از شیخ سوال کرد کہ چوں بدن را در خاک ادراک نیست و در عالم ارواح حجاب نیست چہ احتیاج است بسرِ خاک رفتن چہ در ہر مقامیکہ توجہ کند بروح بزرگی ہماں باشد کہ بسر خاک؛ شیخ فرمود فائدہ بسیار دارد یکے آنکہ چوں بزیارت کسے نمے رود چندانکہ میرود توجہ او زیادہ میشود چوں بسر خاک رسد ..... بکلی متوجہ گردد و فائدہ بیشتر دہد دیگر آنکہ ہر چند ارواح را حجاب نیست

---

[1] بحوالہ حیات الاموات ص ۱۲۲

وہمہ جہان اورا یکے است باآں موضع تعلق بیشتر بود" اھ ملخصاً

برزخ میں ارواح کا مسکن

ارواح حقیقی لطیف صورت میں دنیا میں آنے سے پہلے بھی ازل میں موجود تھیں۔ انھوں نے اپنے اپنے وقت پر دنیا میں آکر جسدِ عنصری کا کثیف لباس اختیار کر لیا۔ پھر جب وہ دنیا میں اپنا مقررہ وقت گزار کر راہیِ دارِ عقبیٰ ہو جاتی ہیں تو وہ اس کثیف لباسِ عنصری کو اتار کر ایک لطیف باطنی جُثّے کے ساتھ مقامِ برزخ میں داخل ہو جاتی ہیں اور وہاں زندہ رہتی ہیں۔ بعد ازاں وُہ اپنے لطیف جُثّے کے ساتھ اس دنیا میں آتی ہیں اپنے خویش واقارب کی ہر ممکن امداد کرتی ہیں اور جس قدر رُوح زیادہ پاکیزہ اور طاقت ور ہوتی ہے اسی قدر زیادہ امداد اور فائدہ پہنچاتی ہے تمام ارواح اپنے اعمال، افعال اور ایمان کے مطابق مختلف درجات آرام وراحت اور عذاب وتکلیف سے دوچار ہوتی ہیں ہر رُوح کے ساتھ الگ الگ معاملہ ہوتا ہے اور ظاہری دنیا کے انسانوں کے ساتھ ان کے تعلقات، روابط اور قوت کارکردگی میں بھی ان کی استعداد کے مطابق فرق ہوتا ہے۔ بعض رُوحیں بہت آزاد ہوتی ہیں اور اُن کے ساتھ بآسانی رابطہ و تعلق پیدا کیا جا سکتا ہے مگر بعض اس سلسلے میں بہت مقید اور پابند واقع ہوتی ہیں لہٰذا ان کے ساتھ تعلقات و روابط پیدا کرنا بہت دشوار، مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔

جہنّمی اور معذّب روحوں پر ایک ایک لمحہ ایک ایک سال کی طرح طویل، گراں اور کٹھن گزرتا ہے اور انہیں یُوں محسوس ہوتا ہے گویا وُہ روزِ اوّل سے اس عذاب، مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہیں اور ابدالآباد تک اس میں مبتلا اور گرفتار رہیں گی۔

اس کے برعکس بہشتی اور پاک ارواح پر سالہا سال کا عرصہ ایک لمحے کی طرح سہل، آسان اور خوشگوار گزرتا ہے اور انہیں اس طرح معلوم ہوتا ہے گویا انہوں نے کبھی کوئی تکلیف، عذاب اور سختی دیکھی ہی نہیں اور وُہ ہمیشہ اُسی طرح آرام وراحت، لُطف وسرور اور فرحت و انبساط میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

عالمِ برزخ کی کیفیات صرف تعلیم وحی اور مشاہدات اولیاء اللہ سے اخذ کر کے تحریر

کر رہا ہوں چونکہ عالمِ مادی کے اصول پر ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا اس لیے ہمیں انہیں بے چون وچرا مان لینا ہی ضروری ہے مرنے کے بعد ارواح کہاں رہتی ہیں اس مسئلہ میں شدید اختلاف ہے جس پر لوگوں نے بحث کی ہے حالانکہ اس مسئلہ کا تعلق عقل کے ساتھ نہیں بلکہ سمع کے ساتھ ہے۔

مجاہد فرماتے ہیں کہ ارواح میت کی تدفین کے سات دن بعد تک قبروں پر رہتی ہیں اور اس کے بعد وہاں نہیں ہوتیں اور یہ قول قبروں پر سلام کہنے کی مسنونیت کے خلاف نہیں ہے اس لئے کہ جن احادیث میں السلام علیکم کا حکم آیا ہے ان میں یہ نہیں کہا گیا کہ ارواح قبروں کے صحنوں میں ہمیشہ رہتی ہیں کیونکہ انبیاء اور شہداء کی قبروں پر بھی سلام کہا جاتا ہے مگر ان کی ارواح تو اعلیٰ علیین میں ہوتی ہیں اس کے باوجود ارواح کا بدنوں سے بہ سُرعت اتصال ہوتا ہے جس کی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

ابن ابی الدنیا نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھے یہ روایت ملی ہے کہ ارواح آزاد ہوتی ہیں جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں۔

ابن عبدالبر نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ غیر شہداء کی ارواح قبور کے صحنوں میں ہوتی ہیں اور جہاں چاہتی ہیں چلتی پھرتی ہیں[1]

علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں جن اختلافات کا ذکر کیا ہے وُہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ مومنین کی ارواح خواہ شہید ہوں خواہ غیر شہید جنت میں ہوتی ہیں بشرطیکہ کسی گناہ کبیرہ کی وجہ سے انہیں جنت میں جانے سے روک نہ دیا گیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رحم سے معاف بھی نہ کیا ہو۔ یہ ابو ہریرہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کا مذہب ہے۔

۲۔ مومنین کی ارواح جنت کے دروازہ کے قریب ہوتی ہیں اور جنت کی ٹھنڈی ہوا، رزق اور نعمتیں حاصل کرتی رہتی ہیں۔

۳۔ ارواح قبروں پر ہوتی ہیں۔

۴۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ارواح آزاد ہوتی ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔

---

[1] بحوالہ حیات جاوداں ص ۸۵

۵۔ امام احمدؒ کا قول ہے کہ کفار کی ارواح دوزخ میں اور مومنین کی جنت میں ہوتی ہیں۔
۶۔ کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ مومنین کی ارواح ساتویں آسمان علیین میں ہوتی ہیں اور کفار کی سجین میں۔
۷۔ سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ مومنین کی ارواح برزخ میں ہوتی ہیں جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں اور زمین پر چلتی پھرتی ہیں اور کفار کی سجین میں ہوتی ہیں۔

محاکمہ بعض اکابر نے یہ کہا ہے کہ ارواح قبروں میں رہتی ہیں ان میں ابوعمرو بن عبد البر اس بات کے قائل ہیں۔

اگر اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ وہ یہیں رہتی ہیں اور یہاں سے قطعاً جدا نہیں ہوتیں تو یہ غلط ہے کیونکہ اس کی تردید نص قرآن اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کئی طرح سے پائی جاتی ہے اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ ارواح کچھ مدت تک قبروں میں ہوتی ہیں، یا یہ کہ ان کی توجہ قبروں کی طرف لگی رہتی ہے مگر خود اپنی قرارگاہ میں ہوتی ہیں تو یہ درست ہے۔

جو لوگ روح کی قوت اور سرعتِ سیر کو نہیں سمجھتے ان کے فکر میں بہت اشکال پیدا ہوتے ہیں کاملین کی ارواح تو ملائکہ سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہیں اور یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ جبریل انسانی شکل وصورت میں اکثر حضور کی خدمت میں آیا کرتے تھے چنانچہ حضور علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں ان میں سے صرف دو مشرق سے لے کر مغرب تک چھائے ہوئے تھے اور دوسری طرف یہ بھی آیا ہے کہ جبریلؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گئے اور انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ آپ کے گھٹنوں پر رکھے۔ کیا اس وقت جبریلؑ باوجود اس قدر قرب کے اپنی قرارگاہ ملا اعلیٰ میں ساتوں آسمانوں سے اوپر تھے؟

اس قسم کے اسرار کو سمجھنے کے لیے خاص دل پیدا کیے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے اہل ہیں۔

ارواح کے متعلق جہاں یہ آتا ہے کہ وہ جنت یا دوزخ میں ہیں اس سے مراد حقیقی جنت و دوزخ نہیں بلکہ برزخی جنت و دوزخ ہے وہ حقیقی جنت و دوزخ میں قیامت کے

دن حساب، کتاب اور پلصراط سے گزرنے کے بعد جائیں گے۔ چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی فتوحاتِ مکیہ میں فرماتے ہیں:

وَالْمُرَادُ بِهٰذِهِ الْجَنَّةِ وَهٰذِهِ النَّارِ جَنَّةُ الْبَرْزَخِ وَنَارُهُ لَا الْجَنَّةُ وَالنَّارُ الْكُبْرٰى تَانِ اللَّتَانِ يَدْخُلُهُمَا النَّاسُ بَعْدَ الْحِسَابِ وَالْمُرُوْرِ عَلَى الصِّرَاطِ قَالَ وَهٰذَا مِمَّا غَلِطَ فِيْهِ بَعْضُ اَهْلِ اللّٰهِ فِيْ كَشْفِهِمْ فَاِنَّهُمْ اِذَا اطُّوْلِعُوْا بِشَيْءٍ مِّنْ اَحْوَالِ الْاٰخِرَةِ يَظُنُّوْنَ اِنَّ ذٰلِكَ صَحِيْحٌ وَاِنَّهُمْ شَاهَدُوا الْاٰخِرَةَ عَلَى الْحَقِيْقَةِ لَيْسَ كَذٰلِكَ وَاِنَّمَا هِيَ الدُّنْيَا اَظْهَرَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى لَهُمْ فِيْ عَالَمِ الْبَرْزَخِ بِعَيْنِ الْكَشْفِ اَوِ النَّوْمِ فِيْ صُوْرَةٍ مَّا جَهِلُوْهُ مِنْ اَحْكَامِ الدُّنْيَا فِي الْيَقْظَةِ فَيَقُوْلُوْنَ رَاَيْنَا الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَالْقِيَامَةَ وَاَيْنَ الدَّارُ مِنَ الدَّارِ وَاَيْنَ الْاِتِّسَاعُ مِنَ الْاِتِّسَاعِ وَمَعْلُوْمٌ اَنَّ الْقِيَامَةَ مَا هِيَ الْاٰنَ مَوْجُوْدَةٌ وَاِذَا رُؤِيَتْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَا هِيَ اِلَّا قِيَامَةُ الدُّنْيَا وَنَارُ الدُّنْيَا۔[۱]

یعنی اس جنت اور دوزخ سے مراد برزخ کی جنت و دوزخ ہے نہ بڑی وہ جنت و دوزخ جس میں لوگ حساب اور پلصراط سے گزر کر قیامت میں جائیں گے جن لبعض اہل اللہ نے کشفی طور پر معلوم کیا ہے انہیں غلطی لگی ہے وہ سمجھتے رہے کہ یہ حقیقی جنت و دوزخ نظر آ رہے ہیں حالانکہ وہ برزخی تھے انہوں نے کشف سے یا خواب میں جاگتے ہوئے عین العیان سے جس جنت و دوزخ کا مشاہدہ کیا اور کہنے لگے کہ یہ حقیقی جنت و دوزخ ہے حالانکہ کہاں یہ اور کہاں وہ! اور قیامت ابھی تک قائم نہیں ہوئی انہوں نے جس قیامت کو دیکھا ہے وہ قیامت اور دوزخ دنیا کا ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ جو ارواح مرنے کے بعد عمل کرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں کوئی نماز پڑھتا ہوا، کوئی قرآن مجید پڑھتا ہوا اگرچہ وہ اس کے مکلف نہیں تاہم ان کو ان اعمال کا ثواب ملتا ہے کیونکہ برزخ بھی ایک گونہ دنیا کے حکم میں داخل ہے۔

پھر شیخ اکبرؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو لوگ اکثر ارواح کے متعلق خواب میں یا جاگتے ہوئے کشفی طور پر دیکھتے ہیں وُہ عالمِ امثال ہی میں دیکھتے ہیں اور عالمِ مثال میں جو دیکھا جاتا ہے

---

[۱] فتوحات مکیہ باب ۱۲۶

وہ حقیقت نہیں ہوتی ہاں صرف انبیاء علیہم السلام یا کوئی خاص رُوح جسے خدا تعالیٰ نے کمال بخشا ہو صرف ان کے حالات صحیح اور حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں کیونکہ انہیں دنیا، آخرت اور برزخ سب پر حاوی ہونے کی طاقت حاصل ہوتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم و رسولہٗ۔

مدارجِ ارواح

ارواح کی حالت قوت وضعف اور چھوٹی بڑی ہونے کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، روحِ عظیم کی جو کیفیت ہو گی وہی کیفیت دیگر ارواح کی جو اس سے ادنیٰ ہیں نہیں ہو سکتی اور اس بات میں بھی شبہ نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح عظیم ترین رُوح ہے جو کیفیت و قوت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے وُہ کسی اور کو حاصل نہیں۔ ہم دُنیا کے اندر دیکھتے ہیں کہ ارواح میں بلحاظ قوت وضعف اور سُرعت وسُستی کس قدر تفاوت پایا جاتا ہے مگر جب رُوح بدن کی قید، تمام رکاوٹوں اور تعلقات سے آزاد ہو جاتی ہے تو اسے قدرت، سریان وہمت، قوت اور تصرف وغیرہ اس قدر حاصل ہو جاتا ہے جو بدن میں محبوس رُوح کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب بدن میں مقید ہوتے ہُوئے رُوح کی یہ کیفیت ہے تو بدن سے الگ ہو کر اس کی کیا حالت ہو گی بالخصوص جبکہ رُوح بلند، پاک اور عالی ہمت ہو بدن سے جدا ہونے کے بعد تو ارواح کی جُداگانہ شان اور عجیب کیفیت ہو جاتی ہے چنانچہ مختلف لوگوں کو لاتعداد خواب آئے ہیں جن میں مرنے کے بعد روحوں نے وہ کام کیے ہیں جنہیں ارواح بدن میں رہ کر نہ کر سکتی تھیں مثلاً بہت کم افراد کے ساتھ بڑی بڑی فوجوں کو شکستِ فاش دینا وغیرہ کئی بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گیا اور آپ کے ساتھ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی ہوتے تھے آپ کی ارواح نے کفّار کی فوجوں پر حملہ کیا اور باوجود اس کے کہ مومنین کی فوج کمزور اور ان کی تعداد کم ہوتی کفّار کی فوجیں مغلوب اور شکست خوردہ ہو جاتیں پھر فی الواقعہ بھی ایسا ہی ہوتا۔

چنانچہ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو پاک وہند جنگ شروع ہوئی، پاکستانی افواج کی تعداد بہت کم اور اسلحہ بھی تھوڑی مقدار میں تھا، سترہ دن کی جنگ میں پاکستان کے فرزندانِ توحید کی

ایک چھوٹی سی جماعت نے اپنی بے سر و سامانی کے باوجود کفار کی کثرت کو عبرت ناک شکست دی۔ اسلامی فتح کی سب سے بڑی وجہ اولیائے کرام اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی امداد تھی چنانچہ پاک و ہند جنگ کے سلسلے میں ہفت روزہ "چٹان" لاہور نے یہ لکھا تھا:

"ایک عزیز دوست شرقپور سے بیان کرتے ہیں کہ جنگ کے دنوں میں ایک رات مجھے خواب میں حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی تو آپ کا لباس گرد آلود اور ہاتھ قدرے میلے تھے میں نے پوچھا حضرت اس وقت کون سی مصروفیت ہے؟ آپ نے اشارۃً فرمایا کہ محاذ پر جہاد جاری ہے اور مجاہدین کی اعانت فرض ہے۔

اسی ہفت روزہ میں ایک اور واقعہ شائع ہوا:

"ایک صاحب قصور کے رہنے والے ہیں وہ ہر ہفتہ حضرت داتا گنج بخش رح کے مزار پُر انوار پر حاضری دیا کرتے تھے۔ ایک دن حسبِ معمول مزار پر حاضر ہوئے کوششِ بسیار کے باوجود صاحبِ مزار سے کوئی توجہ نہ مل سکی اسی پس و پیش کے عالم میں انہوں نے تین دن تک وہیں قیام کیا آخری رات چند لمحات کے لیے زیارت ہوئی تو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محاذ پر مصروف تھا سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق تمام بزرگانِ دین پاکستان کی سرحدوں پر متعین کیے گئے ہیں اور پاکستان کی حفاظت کے لیے جہاد کا حکم دے دیا گیا ہے۔"

روزنامہ "حریت" کراچی اور روزنامہ "مشرق" لاہور میں مدینہ منورہ سے ایک صاحب کا خط شائع ہوا جس میں کہا تھا کہ مکتوب نگار کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی دیکھا کہ سرورِ کونین حرمِ نبوی کے باب السلام میں بڑی عجلت میں پا بہ رکاب ہیں اور آپ کے جلو میں صحابہ کرام کا قافلہ بھی ہے رسالتمآب فرما رہے ہیں کہ پاکستان پر کفار نے حملہ کر دیا ہے اس لیے جہاد فرض ہوگیا ہے اور سواری بڑی تیزی سے روانہ ہوگئی۔

حکیم نیر واسطی لاہور جنگ کے دنوں میں وطن عزیز سے باہر تھے ان کا بیان ہے کہ

عمرہ کرنے کے بعد جب زیارت روضۂ اطہر کے لیے مدینہ منورہ پہنچا تو وہاں کے مشہور بزرگ حضرت مولانا عبدالغفور مہاجر مدنی نے دورانِ ملاقات فرمایا کہ ایک رات خواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی زیارت ہوئی میں نے عرض کیا کہ آپ نجف اشرف سے کیسے تشریف لائے؟ تو فرمایا پاکستان پر کفار حملہ آور ہیں اس لیے وہاں جہاد میں شرکت کے لیے جا رہا ہوں۔[1]

غرضیکہ ایسے ہزاروں واقعات اور مشاہدات ہیں جن سے ارواح کی طاقت وقوت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ عبدالبرؒ نے جمہورؒ سے نقل کیا ہے کہ ارواح کہیں بھی ہوں فھی ما ذونٌ لھا فی التصرف ارواح کو تصرف کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔[1]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

سیدی احمد بن زروق کہ از اعاظمِ فقہاء و علماء و مشائخ دیارِ مغرب است گفت روزے شیخ ابوالعباس حضرمی از من پرسید امداد حی قولیست یا امدادِ میت قولیست من گفتم قوی میگویند کہ امدادِ حی قوی تر است و من میگویم کہ امدادِ میت قوی تر است پس شیخ گفت نعم زیرا کہ وے در بساطِ حق است و در حضرت اوست۔

سیدی احمد بن زروق جو دیارِ مغرب کے بہت بڑے فقہاء، علماء و مشائخ سے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ ابوالعباس حضرمی نے مجھ سے سوال کیا کہ زندہ کی امداد قوی ہے یا فوت شدہ کی؟ میں نے کہا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زندہ کی امداد قوی ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ فوت شدہ آدمی کی امداد قوی تر ہے شیخ نے اس کی تصدیق کی کہ واقعی ایسا ہے کیونکہ فوت ہونے کے بعد وہ حضورِ حق میں ہوتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

ونقل دریں معنی ازیں طائفہ بیشتر ازاں است کہ حصر و احصاء کردہ شود و یافتہ نمے شود در کتاب وسنّت واقوال سلف صالح چیزیکہ

اولیائے کرام کے گروہ سے اس قسم کی بہت باتیں نقل کی گئی ہیں جو شمار میں نہیں آتیں اور ارواح کی اعانت کے متعلق کتاب وسنت اور

---

[1] شرح الصدور ص ۱۶۴

منافی و مخالف ایں باشد و رد کند ایں را۔

اقوالِ صالحین سے اس کے خلاف کوئی چیز ایسی ثابت نہیں جو اس کی تردید کرے۔

اسی کتاب میں ہے؛

بسیارے را فیوض و فتوح از ارواح رسیدہ وایں طائفہ را در اصطلاح ایشاں اویسی خوانند۔

بہت لوگوں کو ارواح سے باطنی فیوض اور فتوحات حاصل ہوتی ہیں اولیائے کرام اصطلاح میں انہیں اویسی کہتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام فخر الدین سے نقل فرماتے ہیں؛

چوں مے آید زائر نزدِ قبر حاصل می شود نفس او را تعلقے خاص بقبر چنانچہ نفسِ صاحبِ قبر را و بسبب ایں دو تعلق حاصل می شود میان ہر دو نفس ملاقاتِ معنوی و علاقہ مخصوص پس اگر نفس مزور قوی تر باشد نفس زائر مستفیض واگر بعکس بود برعکس شود[۱]

جب زیارت کرنے والا صاحبِ قبر کے پاس آتا ہے تو اس کی روح کو صاحبِ قبر کی روح سے ایک خاص تعلق پیدا ہوجاتا ہے اور اس تعلق سے ہر دو روحوں کی ملاقات ہوتی ہے اور خاص نسبت ہوجاتی ہے اگر صاحبِ قبر کی روح قوی ہو تو وہ زائر اس سے استفادہ کرتا ہے اور اگر زائر کی روح قوی ہو تو صاحبِ قبر کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ "ہمعات" میں لکھتے ہیں؛

امروز اگر کسے[۲] را مناسبت بروحِ خاص پیدا شود و از انجا فیض بردارد غالباً بیروں نیست از انکہ ایں معنی بہ نسبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یا بہ نسبت حضرت امیر المومن علی کرم اللہ وجہہ یا بہ نسبت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ

اب بھی اگر کسی شخص کو کسی غیبی روح سے مناسبت پیدا ہوجائے اور وہ اس سے فیضیاب ہو تو وہ فیض یا تو حضور علیہ السلام کی روح سے ہوگا یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یا حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی روح سے۔

---

[۱] بحوالہ حیات الموات ص ۱۲۱ - ۱۲۲

[۲] ہمعات ص ۶۲ فارسی مطبع اکاڈمی شاہ ولی اللہ

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا بیان

حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "تکمیل الایمان[1]" میں فرماتے ہیں کہ مشائخ صوفیاء کہتے ہیں کہ بعض اولیاء اللہ کا تصرف عالمِ برزخ میں بھی باقی رہتا ہے اور ان کی ارواح مقدسہ سے استمداد و استعانت فائدہ مند ہوتی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جو حضرات بحالتِ زندگی برکات دیا کرتے تھے وہ بعد از وفات توسّل و برکت دینے کی اہلیت رکھتے ہیں کیونکہ مرنے کے بعد رُوح کا باقی رہنا حدیثوں اور اجماعِ امّت سے ثابت ہے۔ روح بحالتِ حیات اور بعد ممات اپنا تصرف جاری رکھتی ہے بدن کو تصرف سے کوئی تعلق نہیں اور متصرف حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ولایت کے معنیٰ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے ہیں یہ نسبت موت کے بعد اور زیادہ کامل اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ اہلِ کشف اور محققین کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ زیارت کرنے والے کی رُوح اہلِ مزار کی رُوح سے انوار و اسرار کا انعکاس قبول کرتی ہے بعینہٖ جس طرح ایک آئینے کے مقابل دُوسرا آئینہ رکھا جائے اور اس میں عکس دکھائی دے اولیاء اللہ کے مثالی بدن بھی ہوتے ہیں جن میں متشکل ہو کر وہ طالبانِ امداد کی دستگیری کرتے رہتے ہیں جو لوگ اس بات کے منکر ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

چار اولیاء اللہ قبروں میں زندہ ہیں مشائخ میں سے ایک بزرگ نے فرمایا تھا کہ میں نے اولیاءُ اللہ میں سے چار ایسے بزرگوں کو دیکھا ہے جو اپنی قبروں میں بھی تصرف کرتے ہیں اُن کا یہ تصرف ان کی زندگی کی حالت سے کسی طرح کم نہیں ہوتا ایک خواجہ معروف کرخی رضی اللہ عنہ اور دُوسرے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، دوسرے دُو بزرگوں کے نام بھی بتائے گئے[2]۔

---

[1] تکمیل الایمان اردو ص ۱۱۹

[2] ایضاً ، ص ۱۳۰

روح کی عالمِ بیداری میں ملاقات

جن احادیث میں ردّ اللہ علیہ روحہٗ وغیرہ آیا ہے اس کی ایک صحیح توجیہہ تو فقیر نے پہلے لکھ دی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ روح سلام کرنے والے کی طرف متوجہ ہوتی ہے چنانچہ یہی الفاظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بھی احادیثِ صحیحہ میں موجود ہیں یہاں حقیقی معنی متعذر ہیں اس لیے مجازی معنی لیے جائیں گے کیونکہ اگر ان سب صورتوں میں حقیقی معنی لیے جائیں تو کئی اشکال پیدا ہوتے ہیں :

۱۔ روح کے بار بار نکلنے اور جسم میں داخل ہونے سے جسم کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور خاص طور پر انبیاء علیہم السلام اور شہداء کرام کی شان کے شایاں نہیں کیونکہ ان کی روحیں جسموں کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہیں۔

۲۔ رُوح کا بار بار جُدا ہونا اور پھر بار بار جسم میں داخل ہونا نصِ قرآنی کے خلاف ہے اس لیے کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ انسان کے لیے صرف دُو بار مرنا اور دو بار جینا ہے نہ کہ بار بار، اور اس بار بار کے آنے جانے سے تو یہ لازم آتا ہے کہ کئی بار مرنا اور کئی بار جینا ہے اور یہ امر باطل ہے۔

مذکورہ بالا عقیدہ متواتر احادیث کے منافی ہے اور جو حدیث قرآن اور متواتر احادیث کے خلاف ہو ہمیں لازمی طور پر اس کی تاویل کرنا پڑے گی اگر اس میں تاویل ممکن نہ ہو تو اسے باطل قرار دیا جائے گا اس لیے ضروری ہے کہ حدیث کے وہی معنی لیے جائیں جو فقیر نے لکھے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی روحوں کو انہی اجسام میں لوٹا دیا جاتا ہے جو اجسام انہیں دنیا میں عطا کیے گئے تھے اور پھر ان کے جسموں سے خارجی عوامل دُور کر کے انہیں لطافت میں تبدیل کر دیا جاتا ہے تاکہ انہیں کھانے پینے کی ضرورت نہ رہے باقی ارواح خواہ شہداء کرام اور اولیائے عظام کے ہی کیوں نہ ہوں انہیں یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر وُہ چاہیں تو انہیں سابقہ اجسام میں ہی زندہ رکھا جائے چنانچہ ان کو وہی جسم لطیف کر کے دے دیئے جاتے ہیں اور اگر ایسا نہ چاہیں تو انہیں صورتِ مثالی میں زندہ و باقی رکھا جاتا ہے باقی عوام اور کفار و گنہگار لوگوں کی ارواح کو ہر حال میں مثالی صورت دی جاتی ہے جس میں

انہیں ثواب و عقاب کا مزہ چکھایا جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام، شہدائے کرام اور اولیائے عظام کی ارواح کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اجسام لطیفہ کو متشکل اور ظاہر کر کے اس عالم میں جہاں چاہیں لے جا سکتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ارواح مختلف اشکال اختیار کر سکتی ہیں جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و تکریم کے لیے انبیاء علیہم السلام نے اپنے حقیقی اجسام میں متشکل ہو کر بیت المقدس میں حضور کے پیچھے نماز پڑھی۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کو حضور علیہ السلام نے قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسٰی علیہ السلام کو حج کرتے دیکھا۔ (صحیح مسلم)

پھر آپؐ نے معراج کی رات سدرۃ المنتہٰی سے واپسی پر موسٰی علیہ السلام کو وہاں موجود پایا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام کا جسم کے ساتھ اٹھایا جانا اور آسمان پر متمکن ہونا قرآن اور احادیث سے ثابت ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام پر موت طاری نہیں ہوئی لیکن وہ جسم لطیف کے ساتھ آسمان میں زندہ و موجود ہیں۔ اور پھر قیامت کے قریب جب دنیا میں نازل ہونگے تو جسم لطیف کو جسم کثیف سے متبدل کر کے دنیا میں رہیں گے۔

اور بروایت حاکم جسے انہوں نے صحیح قرار دیا ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام اتریں گے تو وہ منصف اور عادل امام ہوں گے، حج یا عمرہ کے لیے آئیں گے اور پھر میری قبر پر آکر مجھے سلام کریں گے اور میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔

الفاظ یہ ہیں :[1]

لَيَهْبِطَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا وَّ اِمَامًا مُّقْسِطًا وَّلَيَسْلُكَنَّ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا وَّلَيَاْتِيَنَّ قَبْرِىْ حَتّٰى يُسَلِّمَ عَلَىَّ وَلَاَرُدَّنَّ عَلَيْهِ -

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اپنے جسموں کو لطیف و کثیف بنا لیتے ہیں اور اس جسم سے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔

اب یہاں پر یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ لطیف جسم کو کھانے پینے کی ضرورت نہیں رہتی

---

[1] ترجمان السنۃ : ۳ : ۵۹۲ بحوالہ درمنثور : ۲ : ۲۴۰ - نیز ملاحظہ ہو انباء الاذکیا سیوطی ص

اور جب جسم کثافت میں تبدیل کرلیں تو کھانے پینے کی حاجت بھی پڑتی ہے۔

بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا ایک مثالی جسم ہوتا ہے اور ایک جسدِ اصلی مگر حیات دونوں میں باقی ہے جیسے جبریل علیہ السلام کا وحیہ کلبی کی صورت میں آنا کہ ان کا جسدِ اصلی بھی زندہ تھا اور جسدِ مثالی بھی اور رُوح جسدِ مثالی میں آکر بے شمار کام کر جاتی ہے جیسا کہ سیوطیؒ نے انباہ الاذکیا میں ذکر کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء اور صلحاءِ امت کے جنازوں پر حاضر ہوتے ہیں چنانچہ علامہ آلوسی بغدادی رُوح المعانی میں فرماتے ہیں:[۱]

قَدْ اُثْبِتَ غَیْرَ وَاحِدٍ تَمَثُّلُ النَّفْسِ وَ تَطَوُّرِهَا لِنَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الْوَفَاةِ وَ اِدَّعٰی اَنَّهٗ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ قَدْ یُرٰی فِیْ عِدَّةِ مَوَاضِعَ فِیْ وَقْتٍ وَّاحِدٍ مَّعَ کَوْنِهٖ فِیْ قَبْرِهِ الشَّرِیْفِ یُصَلِّیْ۔

یعنی حضور علیہ السلام کا وصال کے بعد کئی صورتوں میں متشکل ہوکر آنا ثابت ہوگیا ہے چنانچہ ایک ہی وقت میں کئی مقامات پر آپ کو دیکھا گیا باوجود اس کے کہ وُہ اپنی قبر شریف میں نماز بھی پڑھ رہے ہوتے۔

اسی طرح اور بھی کئی علمائے کرام نے وفات کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہونے کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس کے کہ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں ایک ہی وقت میں کئی مقامات پر دیکھے جاتے ہیں۔ جن بزرگانِ دین نے انبیاء علیہم السلام کی حیات کو دنیوی حیات سے تعبیر کیا ہے جہاں تک میرا خیال ہے ان کا مقصد ہماری دنیوی حیات کی طرح کی زندگی نہیں بلکہ اس سے کہیں اعلیٰ وارفع زندگی مراد لی ہے۔

شیخ علاء الدین قونوی فرماتے ہیں:

اس قسم کا تصرف اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو زندگی ہی میں عطا کر رکھا ہے اور ایک ہی رُوح اپنے معہود جسم کے علاوہ متعدد بدنوں میں تصرف کرتی ہیں چنانچہ بعض محققین نے ابدال کی وجہ تسمیہ میں ذکر کیا ہے کہ ابدال کسی جگہ چلے جاتے ہیں اور پہلی جگہ اپنی مثال اپنے عوض

---

[۱] تفسیر روح المعانی (۲۳ : ۱۳-۱۴)

چھوڑ جاتے ہیں اور اکابر صوفیا سے اس قسم کے واقعات مشہور ہیں۔

برزخ کے احوال دنیا کے حالات سے مختلف ہیں ہم دنیا میں بیک وقت دو طرف توجہ نہیں دے سکتے مگر برزخ میں یہ حال نہیں وہاں انبیاء علیہم السلام، شہداء کرام اور اولیاء عظام جس طرح رب العزّت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہیں اسی طرح ہر زیارت کرنے والے کے سلام کو بھی سنتے ہیں بلکہ دنیا کے کسی کونے سے کوئی درود و سلام پڑھے یا غائبانہ پکارے تو سب کی طرف بھی توجہِ کامل رکھتے ہیں۔ یہ بات جس طرح ہماری عقل سے بالاتر ہے اسی طرح ان کی برزخی زندگی میں ان کے اجسام کا قبور میں بھی موجود رہنا، مختلف جگہوں پر بیک وقت اپنے اجسام سے پایا جانا اور اعلیٰ علیین میں بھی رہنا یہ بات بھی عقل و قیاس سے باہر ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جاوید نامہ میں منصور حلاج کی زبان سے اس مقام کی طرف اشارہ کیا ہے: ؎

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
ما سراپا انتظار او منتظر

عبدہٗ دہر است و دہر از عبدہٗ است
ما ہمہ رنگیم او بے رنگ و بوست

عبدہٗ با ابتداء بے انتہا است
عبدہٗ را صبح و شامِ ما کجاست

کس ز سرِّ عبدہٗ آگاہ نیست
عبدہٗ جز سرِّ اِلاَّ اللہ نیست

حضرت امامِ ربّانی مجدد الف ثانی رح کا ارشاد

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شخصے[۱] بود در لباس صوفیاں کہ بدعتِ اعتقادی مبتلا بود ایں فقیر در حقِ او تردّد داشت اتفاقاً می بینم کہ انبیاء صلوٰۃ اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیہم اجمعین جمع اند وہمہ بزبان واحدی فرمایند درحق آں شخص کہ لیس منّا دریں اثنا بخاطر

ایک شخص صوفیوں کی شکل وصورت اختیار کیے ہوئے تھا حالاں کہ اس کے اعتقادات بدعتیوں کے سے تھے فقیر اس کے حق میں بدگمانی رکھتا تھا اتفاقاً میں نے انبیاء علیہم السلام کو دیکھا کہ وہ یک زبان فرما رہے ہیں کہ یہ شخص ہم میں سے نہیں اسی دوران

---

[۱] مبداء و معاد مصنفہ حضرت مجدد الف ثانی رح ص ۴۳ - ۴۴

رسید کہ از شخص دیگر کہ فقیر در حق او متردد بود	میرے دل میں ایک دوسرے فقیر کے متعلق
استفسار نماید در بارۂ او فرمودند کان منّا	بھی بد گمانی تھی اس کے متعلق انہوں نے فرمایا
نعوذ باللہ سبحانہٗ من سوء الاعتقاد و	کہ وہ ہم میں سے ہے۔
من طعن انبیائہٖ الامجاد۔	

واضح ہو کہ یہاں پر مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ انبیأ کے ساتھ بیداری کے عالم میں اپنی ملاقات کا ذکر فرما رہے ہیں۔

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہم السلام سے ایک ملاقات کا ذکر اس طرح بیان فرماتے ہیں:[1]

"مدت سے حضرت خضر علیہ السلام کے احوال کی نسبت دریافت کیا کرتے تھے چونکہ فقیر کو ان کے حال پر پوری پوری اطلاع نہ دی گئی تھی اس لیے جواب میں توقف کیا کرتا تھا آج صبح کے حلقہ میں دیکھا کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام روحانیوں کی صورت میں حاضر ہوئے اور روحانی ملاقات سے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم عالمِ ارواح میں سے ہیں حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرتِ کاملہ عطا کی ہے کہ اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر وہ کام جو جسموں سے وقوع پذیر ہوں، ہماری ارواح سے صادر ہوتے ہیں اس اثناء میں پوچھا کہ کیا آپ امام شافعیؒ کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ ہم شرائع کے مکلف نہیں لیکن چونکہ قطب مدار کے کام ہمارے سپرد ہیں اور قطبِ مدار امام شافعیؒ کے مذہب پر ہے اس لیے ہم بھی اس کے پیچھے امام شافعیؒ کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں۔"

---

[1] مکتوبات شریف ج ۱ ص ۵۸۴ مکتوب: ۲۸۴ - ۲۸۵

وجود مکتسب

اولیاء اللہ کو بعض صورتوں میں بعد اکتساب ایک خاص قسم کی لطیف صورت مثالی عطا کی جاتی ہے جو ظاہری طور پر بدن عنصری کے مشابہ اور لطافت میں روح کے قریب قریب ہوتی ہے اور قوت میں عوام کی صورتِ مثالی سے بڑھی ہوتی ہے۔

دراصل ہر شخص ایک صورتِ مثالی رکھتا ہے یہ صورت جو ہر شخص میں روح وجسم کے درمیان ایک برزخ ہے، صوری اعتبار سے مشابہ جسم اور حسّی اعتبار سے مشابہ روح ہوتی ہے۔ خواب کی ملاقاتیں انہی مثالی صورتوں کی آپس میں ملاقاتیں ہُوا کرتی ہیں مرنے کے بعد جب انسان عالمِ برزخ میں چلا جاتا ہے تو اسے ایک صورتِ مثالی عطا کی جاتی ہے جو اس کی روح کا مرکب بنتی ہے یہ وہی صورت ہے جو اس دنیا میں بدنِ جسمانی کے اندر حلول کیے ہوئے تھے۔ اولیاء اللہ کسب وریاضت سے اس صورتِ مثالی پر اقتدار حاصل کر لیتے ہیں۔ ان حضرات کو یہ قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ وُہ اپنی صورت ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر ظاہر کر سکتے ہیں بعض اولیاء اللہ کو حیاتِ ظاہری میں اور بعض کو بعدِممات یہ قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ جس شکل وصورت میں چاہیں اپنے آپ کو ایک ہی وقت میں ہزاروں مختلف مقامات پر دکھادیں۔

آسمانی اور عنصری فرشتے بھی مختلف صورتیں بدلتے رہتے ہیں جنات بوجہ اجسام ناری اپنی صفات سے مناسبت رکھنے والی مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں نفوس انسانی میں بھی جو لوگ مرتبۂ کمال پر پہنچ چکے ہیں وُہ خود کو مختلف شکلوں اور صورتوں میں بدل لیا کرتے ہیں اور یہ شکلیں اور صورتیں محسوسات سے ہوتی ہیں انہیں یہ بات بفضلہٖ تعالیٰ اسی دنیا میں حاصل ہو جاتی ہے اور عالمِ آخرت میں منتقل ہونے کے بعد موانع بدنی اٹھ جانے کے باعث یہ قوت اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے یہ حضرات عالمِ ملکوت میں ملکوتی صورتوں سے داخل ہوتے ہیں اہلِ مکاشفہ کے خیالات تک ان حضرات کا گزر ہوتا ہے۔ ملائکہ اور دیگر برگزیدہ ہستیوں کی شان سے یہ ان میں ظہور فرماتے ہیں اور صاحبِ وجدان ان میں اور فرشتوں میں امتیاز کر سکتے ہیں جیسا کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے متعلق احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے کہ وُہ شہادت کے بعد اپنے

دونو بازوؤں سے فرشتوں کے ساتھ عالمِ ملکوت میں اڑ رہے تھے عالمِ برزخ میں یہ دو اڑنے والے بازو درحقیقت ان کے اُن دونو جسمانی بازوؤں کی مثال ہیں جو میدانِ جنگ میں ان کے جسم سے کٹ کر گر گئے تھے اور اس پر بھی وہ اسلام کے عَلَم کو کٹے ہوئے بقیہ بازو اور گردن کے سہارے سے پکڑے ہُوئے تھے۔

شہداء کی برزخی زندگی کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ یعنی وُہ ایسے زندہ ہیں کہ رزق دیئے جاتے ہیں، رزق کھانا زندوں کے افعال میں سے ہے لہٰذا معنیٰ یُوں ہُوئے کہ اگرچہ غیر شہداء بھی زندہ ہیں مگر شہداء کو رزق ملتا ہے۔ لہٰذا اوروں کے مقابلہ میں یہ زندہ کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو ایک ایسی صورتِ مثالی حِسّی دی جاتی ہے جس سے وہ زندوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ان کی صورتِ مثالیہ حِسیہ کو بیان فرمایا گیا ہے کہ شہداء سبز رنگ کے پرندوں کے معدوں میں داخل ہو کر جنّت میں جاتے ہیں۔ موطا کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شہداء کو سبز پرندوں سے تشبیہ دی گئی ہے نہ کہ سبز رنگ کے پرندوں میں ان کی ارواح ہوں گی اور وُہ ان کے لیے ظرف کا کام دیں گے۔

نہ یہ مقصد ہے کہ شہداء جو انسان تھے انہیں پرندہ بنا دیا جاتا ہے یہ کون سا کمال اور فضیلت ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ وُہ سیر کرتے ہیں ان کا نوری لباس سبز رنگ کا ہوتا ہے اور وُہ برزخی جنت کے میوے کھاتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُن کے جسم قبروں میں نہ بوسیدہ ہوتے ہیں اور نہ ہی روح ان کے جسم سے الگ ہوتی ہے ان کی روح مع الجسد قبروں میں زندوں کی طرح ہوتی ہے یہ بالکل غلط ہے اگر خدا تعالیٰ چاہے تو ان کے اجسام کو بھی محفوظ رکھ سکتا ہے اور یہ ان کے اجسام کا احترام ہے چنانچہ کئی شہداء اور اولیاء اللہ کے اجسام بھی محفوظ رہتے ہیں لیکن یہ ان کی زندگی کی دلیل نہیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کے جسم فنا بھی ہو جاتے ہیں اور فاسد بھی ہو جاتے ہیں لیکن پھر بھی وُہ زندہ ہیں کیونکہ اُن کی زندگی سے مراد برزخی زندگی ہے جو دوسرے لوگوں سے اعلیٰ اور افضل ہوتی ہے اور اور انہیں اس قسم کی مثالی صورت دی جاتی ہے جس سے زندوں کی طرح افعال کا صدور ہوتا ہے

بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ میں مومنین کو ان الفاظ میں خطاب کر کے تنبیہ کر دی ہے کہ وُہ ایسی زندگی کا تجسّس نہ کریں جو مشاہدہ و احساس میں آسکتی ہو بلکہ ان کی زندگی ایسی ہوتی ہے کہ اس کا ادراک و احساس تم نہیں کر سکتے اگر جسم کی زندگی مراد ہوتی تو اللہ تعالیٰ ولکن لا تشعرون نہ فرماتا کیونکہ جسم کا زندہ ہونا تو ایسا ہے کہ ہم اسے مشاہدہ کر سکتے ہیں ہاں البتہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنے بعض اولیاء کرام کو شہداء کی زندگی کا علم بذریعہ کشف عطا کر دیتا ہے تو وہ انہیں آنکھوں سے زندہ دیکھ لیتے ہیں۔

محض روح کی زندگی بھی مراد نہیں اس لیے کہ سب مسلمانوں کو معلوم ہے کہ تمام ارواح زندہ ہیں پھر شہید اور غیر شہید میں کون سا فرق رہا۔ اس صورت میں بھی ولٰکن لا تشعرون کا کوئی مطلب نہیں رہتا کیونکہ عوام کی روحوں کی زندگی کا تو سب کو علم ہے شہداء کرام کی وُہ زندگی ہے جو رُوح مع الجسد کی زندگی ہے لیکن وُہ جسم مثالی اس قسم کا ہوتا ہے جو زندوں کی طرح کام کرتا ہے۔

بہت سے اچھے پڑھے لکھے لوگ بعض علماء اور صوفیاء بھی اس قسم کی مثالیں دے کر کہ فلاں ولی اللہ اور شہید کی قبر کھودی گئی اور اس کا جسم بالکل محفوظ تھا اور اس کے اعضاء بالکل نرم تھے اور فخریہ طور پر کہتے ہیں کہ کون کہتا ہے کہ ولی اللہ زندہ نہیں ہوتے اتنے سالوں کے بعد بھی ان کا جسم محفوظ رہا اس قسم کی زندگی تو کوئی زندگی نہیں جو مٹّی کے ڈھیر کے نیچے مدتوں بے حس و حرکت زندہ رہے یہ کون سا کمال ہے یہ جسم تو کئی ایک دواؤں اور مسالوں سے بھی محفوظ رکھا جا سکتا ہے جس طرح مصر میں لاشوں کو ممی کر دیا جاتا تھا اور وہ مدتوں محفوظ رہتی تھیں چنانچہ پچھلے دنوں جب اہرام مصر میں کھدائی کا کام شروع کیا گیا تو بہت سی لاشوں کو محفوظ دیکھا گیا یہاں تک کہ فرعون کی لاش بھی محفوظ پائی گئی اور اسے مصر کے عجائب گھر میں ابھی تک لوگوں کو دکھانے کے لیے محفوظ رکھا ہوا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی یہ امتیازی شان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ارواح مقدسہ کو صورتِ مثالی کی جگہ ان کے لطیف اجسام پہنا دیتا ہے اور انبیائے کرام کے بعض خاص متبعین کو بھی یہ کمال حاصل ہو جاتا ہے چنانچہ جو اولیائے کرام دنیوی زندگی میں یہ کمال حاصل کر لیتے ہیں

کہ وہ اپنے ظاہری جسم کو لطیف کر کے عالم ملکوت و لاہوت کی سیر کر لیتے ہیں انہیں موت کے بعد کیا مشکل ہے کہ وہ اسی جسم کے ساتھ زندہ رہیں اور عالم برزخ میں بھی صورتِ مثالی کی جگہ اسی جسم کو اپنے ساتھ رکھیں چنانچہ حضرت سلطان العارفین سلطان باہُو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ع جثہ را برم بر لا مکاں یکدم

میں اس ظاہری جسم کو ایک لمحہ بھر میں لامکان تک پہنچا دیتا ہوں۔

سیّد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

حضرت شاہ صاحبؒ نے فیض الباری[1] شرحِ صحیح بخاری میں حیاتِ انبیاء پر مفصل بحث کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

لوگوں کو اس حدیث کا مفہوم سمجھنے میں دقّت پیش آئی ہے کیونکہ روح تو بذاتِ خود زندہ ہے اور اسے فنا نہیں خواہ کافر کی رُوح ہو خواہ مومن کی لہٰذا جب تمام روحیں زندہ ٹھہریں تو انبیاء کے زندہ ہونے کا کیا مطلب ہوا۔ یاد رہے کہ احادیث، نفس روح کے زندہ ہونے اور اس کی مدّتِ حیات کو بیان کرنے کے لیے وارد نہیں ہُوئیں کیونکہ اُن کے زندہ ہونے کا تو پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے بلکہ ان سے مراد رُوح کا افعال سے معطّل ہونا یا نہ ہونا ہے لہٰذا اس حدیث کا مطلب یہ ہُوا کہ انبیاءؑ کی ارواح پاکیزہ عبادات اور مبارک افعال کرنے سے معطّل نہیں ہیں بلکہ اپنی قبروں میں بھی ان اعمال کی بجا آوری میں بعینہٖ اسی طرح مشغول ہیں جس طرح دنیوی زندگی میں تھیں۔ چنانچہ انبیاء نماز بھی پڑھتے ہیں اور حج بھی کرتے ہیں یہی حال ان کے متبعین اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق ہے البتہ جو لوگ دنیا میں ان افعال سے معطّل ہیں آخرت میں بھی معطّل ہوں گے مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ أَعْمٰى وَأَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یصلّون کا لفظ فرما کر اسی امر کی طرف اشارہ کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عبادت کا ذکر کیا ہے تاکہ اس بات پر تنبیہ کر دیں کہ ان کے زندہ

---

[1] فیض الباری: ۲ : ۶۴ کتاب الصلوٰۃ باب رفع الصوت

ہونے سے کیا مراد ہے لہٰذا وہ اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں اور حج بھی کرتے ہیں اور زندہ لوگوں کے افعال ان سے صادر ہوتے ہیں ان کے زندہ ہونے سے یہی مراد ہے چنانچہ بالعموم کہتے ہیں کہ فلاں مُردہ ہے یعنی افعال سے معطل ہے حالانکہ وُہ زندہ ہوتا ہے پس معلوم ہُوا کہ زندگی سے مراد در اصل زندہ لوگوں کے افعال ہیں اور حقیقی موت ان افعال سے معطل ہونا ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ علم زندگی ہے اور جہالت موت۔

زندگی کے لاتعداد مراتب ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا اور انبیاءؑ کی زندگی سب سے اعلیٰ و اکمل ہے اس کے بعد صحابہ کرامؓ کا مرتبہ ہے اسی طرح درجہ بدرجہ برخلاف کافر کے کہ وُہ مُردہ ہے یعنی تمام نیک کاموں سے معطل ہے اس کے لیے سوائے ہلاکت اور تباہی کے کچھ نہیں اور اس کے مردہ ہونے سے یہ مراد نہیں کہ اس کی روح بھی فنا ہو گئی ہے چنانچہ ارشادِ باری ہے:

لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى ط ان کے نہ مرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کی روح کو فنا اور موت نہیں اور عدمِ حیات سے یہ مراد ہے کہ ان میں زندہ لوگوں کے افعال نہیں پائے جاتے۔ زندہ لوگوں کے افعال نیک اعمال ہیں نہ کہ فسق و فجور جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ذکرِ الٰہی زندگی ہے اور ذاکر زندہ ہے اور خدا سے غافل مُردہ ہے

لَيْسَ مَنْ مَّاتَ فَاسْتَرَاحَ بِمَيِّتٍ
اِنَّمَا الْمَيِّتُ مَيِّتُ الْاَحْيَاءِ

جوارح خبیثہ افعال خبیثہ کرتی رہتی ہیں انہیں افعالِ حیات نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی یہ برکت کی چیزیں ہیں جیسا کہ ظاہری زندگی میں کفّار کو افعالِ خبیثہ کی وجہ سے مُردہ کہا گیا ہے حالانکہ وہ زندہ ہوتے ہیں چلتے پھرتے ہیں اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ وہ مردہ ہیں زندہ نہیں کیونکہ ان کے افعال زندہ لوگوں کے سے افعال نہیں اور وُہ شہید جو ظاہری طور پر مُردہ جسم سے دکھائی دے رہا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

مذکورہ بالا آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ شہدائے کرام کو مُردہ مت کہو اس لیے کہ

ان کے افعال مُردہ لوگوں کے سے نہیں بلکہ ان کے افعال زندہ لوگوں کے سے ہیں۔

ارواحِ خبیثہ اگرچہ عالمِ برزخ میں رہ کر اپنے متبعین ومعتقدین کی امداد کرتی ہیں جیسا کہ جادو ٹونہ وغیرہ کے اثرات سے ظاہر ہے لیکن وُہ شیاطین کی طرح برزخ میں بھی حجاب میں رہتی ہیں ان کے حق میں ارشادِ ربّ العزت ہے کہ مَنْ کَانَ فِی هٰذِہٖ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی جو دنیا میں دل کے اندھے ہیں وہ آخرت یعنی برزخ میں بھی دل کے اندھے ہی رہیں گے۔ جس طرح شیاطین باوجود اس کے کہ وُہ سب کچھ جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے منکروں، بداعمالوں اور اسلام کے باغیوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ پھر دوزخ کو ابلیس نے دیکھا ہُوا بھی ہے مگر اس پر بھی وہ ایمان نہیں لاتا۔ قدرتِ خداوندی کو دیکھنے کے باوجود اور دنیا میں قوموں کو عذاب ہوتے دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتا اور اپنے متبعین کو غلط راستے ہی پر لگاتا رہتا ہے۔ ارواحِ خبیثہ کا بھی یہی حال ہے کہ وہ باوجود اس کے کہ برزخ میں سب کچھ ملاحظہ کرتی ہیں لیکن متبعین کو یہ نہیں بتاتیں کہ جس طریقے پر تم جارہے ہو یہ غلط ہے بلکہ گمراہی اور کفر پر قائم رکھنے کے لیے ہر طرح سے ان کی غیبی امداد کرتی ہیں۔

ارواحِ خبیثہ چونکہ شیطان میں کامل فنا حاصل کرلیتی ہیں تو جس طرح شیطان کو قیامت سے پہلے ہر طرح کی آزادی حاصل ہے اسی طرح ارواحِ خبیثہ کو بھی قیامت تک آزادی حاصل ہے اور ان کی موت اس آزادی میں حائل نہیں ہوتی۔

اولیاء اللہ جو زندگی میں فنا و بقا کی منزلیں طے کرلیتے ہیں اور دنیوی زندگی میں وہ مظہرِ صفاتِ الٰہی بن کر ہر طرح سے تصرف کرتے ہیں، موت کے بعد بھی ان سے یہ صفات سلب نہیں کی جاتیں بلکہ اور زیادہ ہو جاتی ہیں موت ان کے باطنی کمالات میں حائل نہیں ہوتی۔

ارواحِ خبیثہ کا بھی یہی معاملہ ہے البتہ قیامتِ کبریٰ میں حساب وکتاب کے بعد جب نیک و بداعمال کی جزاء وسزا شروع ہوگی اس وقت ارواحِ طیبہ اور ارواحِ خبیثہ پر ان کے اعمال کے مطابق نعمت وزحمت کا ظہور ہوگا اور کہہ دیا جائے گا کہ وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝

حقیقی امتیاز قیامتِ کبریٰ میں ہوگا جہاں مجرموں کو مکمل طور پر جرم کی سزا شروع ہوگی

اور نیک لوگوں کو مکمل طور پر نیک اعمال کی جزاء شروع ہو گی اس وقت جبکہ شیطان سے تمام قوتیں سلب کر لی جائیں گی اور اسے ابد الآباد تک جہنم میں ڈال دیا جائے گا اس وقت اس کے تبعین سے بھی تمام قوتیں سلب کر لی جائیں گی اور انھیں بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈال دیا جائیگا چونکہ عالمِ برزخ کا ایک پہلو اس دنیا سے منسلک ہے اور دوسرا آخرت سے اس لیے اس میں حقیقی امتیاز پیدا نہیں ہو گا بلکہ برزخ میں ارواحِ خبیثہ کی آزادی اسی طرح برقرار رہے گی جس طرح انھیں دنیا میں میسّر تھی البتہ مجرم لوگ خواہ مسلمان ہوں یا کافر انہیں برزخ میں قدرے عذاب دیا جائے گا اور مکمل سزا و جزا قیامتِ کبریٰ میں ہو گی۔

مسلمان اپنے جرم کی سزا بھگت کر آخر کار جنت میں چلا جائے گا اور کافر ابد الآباد تک جہنم میں رہے گا۔

انبیاء و اولیاء کی ارواح کے متعلق محققین کی آراء

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کی رُوحیں اعلیٰ علیین میں رہتی ہیں اور ان روحوں کو قبر سے بھی تعلق ہوتا ہے کہ جس سے وُہ قبر پر زیارت کرنے والوں، رشتہ داروں اور دیگر دوستوں کے آنے سے آگاہ اور انس پذیر ہوتی ہیں کیونکہ مکانی قرب و بُعد رُوح کو اس دریافت سے نہیں روکتا اور اس کی مثال وجودِ انسانی میں نگاہ ہے کہ سات آسمانوں کے ستاروں کو کنوئیں کے اندر دیکھ سکتی ہے۔ (تفسیر عزیزی، پارہ عم، سورہ مطففین)

عارف[۱] ربانی شیخ عبدالوہاب شعرانی نے اپنی کتاب الجواھر والدرر میں ذکر کیا ہے کہ کسی شیخ نے اُن سے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ ولی کی قبر پر ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو لوگوں کی حاجتیں پُوری کرتا رہتا ہے جیسا کہ امام شافعی اور سیدہ نفیسہ اور سیدی احمد بدوی رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے لیے فرنگیوں کے شہروں میں سے پکڑے ہُوئے ایک قیدی کے چھڑانے میں واقع ہُوا اور بعض اوقات ولی بذاتِ اپنی قبر سے نکلتا ہے اور لوگوں کی حاجتیں پُوری کرتا ہے کیونکہ برزخ

---

[۱] بحوالہ کتاب البرزخ مؤلفہ مولانا نوری توکلی ایم اے

میں ولیوں کے لیے چلنا پھرنا اور ان کی روحوں کے لیے آزادی ہے الیٰ آخرہٖ۔

مصنف کے قول (اور بعض اوقات ولی بذاتِ خود اپنی قبر سے نکلتا ہے الخ) کی تحقیق یہ ہے کہ محققین صوفیہ اس امر پر متفق ہیں کہ عالمِ برزخ و آخرت کی حالت عالمِ دنیا کے خلاف ہے پس انسان عالمِ دنیا میں کہ جس کو عالمِ شہادت کہتے ہیں ایک صورت پر منحصر ہوتا ہے سوائے اولیاء اللہ کے جیسا کہ قضیب البان کی نسبت منقول ہے کہ وُہ بہت سی صورتوں میں دیکھے گئے اور بہت سے اولیائے کرام کو دنیوی زندگی میں یہ قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ ایک وقت میں متعدد جگہوں پر موجود ہوتے ہیں اس میں راز یہ ہے کہ ان کی روحانیت ان کی جسمانیت پر غالب ہو جاتی ہے پس درست ہے اگر وہ بہت سی صورتوں میں دیکھے جائیں۔ محققین صوفیہ کا قول ہے کہ رُوح جب کلیہ ہو جائے جیسا کہ ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ہے تو وہ بعض دفعہ ستّر ہزار صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے اسے محقق ابن جمرہؒ نے ذکر کیا ہے۔

پس جب یہ جائز ہُوا کہ عالم دنیا میں اولیاء اللہ کی ارواح ایک صورت پر منحصر نہیں رہتیں بلکہ ان کی جسمانیت پر روحانیت کے غلبہ کے سبب مختلف صورتوں میں نظر آئیں تو یہ سزاوار تر ہے کہ عالمِ برزخ میں جہاں عالمِ دنیا کی نسبت روحانیت کو جسمانیت پر زیادہ غلبہ ہوتا ہے ان کی رُوحیں ایک صورت پر منحصر نہ رہیں انہیں صوفیائے کرام کا قول ہے کہ ولی جب ولایت میں ثابت قدم ہو جاتا ہے تو اسے مختلف صورتوں میں ظاہر ہونے کی قدرت دی جاتی ہے اور اس کی روحانیت ایک وقت میں متعدد اطراف میں ظاہر ہوتی ہے پس وہ صُورت جو ایک دیکھنے والے کو نظر آتی ہے حق ہے اور وہ صورت جو دوسرے دیکھنے والے کو اس وقت دوسرے مکان میں نظر آئی وہ بھی درست ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ متوفی ۱۲۲۵ھ تفسیر مظہری میں زیر آیت ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُعْطِی لِاَرْوَاحِہِمْ قُوَّۃَ[1] یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو اجسام کی قوت

---

[1] تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۵۲-۱۵۳

الْاَجْسَادِ فَیَذْھَبُوْنَ مِنَ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ وَالْجَنَّۃِ حَیْثُ یَشَاؤُنَ وَیَنْصُرُوْنَ اَوْلِیَاءَھُمْ وَیُدَمِّرُوْنَ اَعْدَاءَھُمْ الخ

عطا کر دیتے ہیں لہذا وہ زمین ، آسمان اور جنت میں سے جہاں چاہیں چلے جاتے ہیں اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور دشمنوں کو فنا کرتے ہیں الخ

اس کے علاوہ قاضی صاحبؒ موصوف اپنی کتاب تذکرۃ الموتٰی والقبور میں وضاحت سے فرماتے ہیں :

حق تعالیٰ درحق شہداء میفرماید بل احیاء عند ربھم اقول مراد شاید آں باشد کہ حق تعالیٰ ارواح شاں را قوت اجساد میدھد ہر جا کہ خواہند سیر کنند وایں حکم مخصوص بشہداء نیست انبیاء وصدیقاں از شہداء افضل اند واولیاء ہم در حکم شہداء اند کہ جہاد بالنفس کردہ اند کہ جہاد اکبر است رَجَعْنَا مِنَ الْجِہَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِہَادِ الْاَکْبَرِ ازاں کفایت است ولہذا اولیاءاللہ گفتہ اند اَرْوَاحُنَا اَجْسَادُنَا وَاَجْسَادُنَا اَرْوَاحُنَا یعنی ارواحِ ما کارِ اجساد مے کنند وگاہے اجساد از غایتِ لطافت برنگِ ارواح مے برآیند و مے گویند کہ رسولِ خدا راسایہ نبود صلی اللہ علیہ وسلم ارواحِ ایشاں در زمین وآسمان وبہشت ہر جا کہ خواہند میروند ودوستاں ومعتقداں را در دنیا وآخرت مددگاری می فرمایند ودشمناں را ہلاک می نمایند[1]

اللہ تعالیٰ شہیدوں کے حق میں فرماتا ہے بل احیاء عند ربھم یرزقون (بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے نزدیک) میں کہتا ہوں شاید مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی روحوں کو جسموں کی قوت دیتا ہے وہ جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں اور یہ حکم شہیدوں کے لیے خاص نہیں انبیاء اور صدیقین شہیدوں سے افضل ہیں اور اولیاء بھی شہیدوں کے حکم میں ہیں کیونکہ انہوں نے نفس کے ساتھ جہاد کیا ہے جو جہاد اکبر ہے حدیث میں رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر (ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے) اس کی کافی دلیل ہے اسی واسطے اولیاء اللہ نے فرمایا ہے اروا حنا اجسادنا واجسادنا اروا حنا یعنی ہماری روحیں جسموں کا کام کرتی ہیں اور کبھی ہمارے جسم نہایت لطافت کے سبب برنگ ارواح ظاہر ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا ان کی روحیں زمین و آسمان و

---

[1] تذکرۃ الموتٰی والقبور مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۳۰ - ۳۱

وازارواحِ شاں بطریقِ اویسیہ فیض باطنی مے رسد۔

بہشت میں جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں اور دنیا و آخرت میں اپنے دوستوں اور معتقدوں کی مدد کرتی ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں اور ان کی روحوں سے بطریقِ اویسیہ باطنی فیض پہنچتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "انفاس العارفین" میں اپنے نانا ابوالرضا محمد سے نقل کیا ہے:

گفتے فرمودند یکبار حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ را در یقظہ دیدم اسرار عظیم دراں محل تعلیم فرمودند۔[1]

فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار حضرت غوث الاعظمؓ کو بیداری کی حالت میں دیکھا اور اس جگہ انہوں نے بہت بڑے اسرار مجھے تعلیم فرمائے۔

اسی کتاب میں حضرت شیخ محمد کے حالات میں لکھا ہے:

عجوزہ را از مخلصاں بعد از وفات ایشاں تپ ولرزہ گرفت بغایت نزار گشت شیلے بنوشیدن آب و پوشیدن لحاف محتاج شد وطاقت آں نداشت وکسی حاضر نبود ایشاں متمثل شدند وآب دادند ولحاف پوشانیدند آں گاہ غائب شدند۔[2]

ایک بڑھی آپ کے مریدوں میں سے تھی آپ کی وفات کے بعد اسے بخار ہوا اور اس قدر لاغر ہوگئی کہ اسے ایک رات پانی پینے اور لحاف اوڑھنے کی حاجت ہوئی لیکن وہ اس کی طاقت نہ رکھتی تھی اور کوئی آدمی بھی پاس نہ تھا چنانچہ شیخ مثالی صورت میں تشریف لائے اور انہوں نے اسے پانی بھی پلایا اور لحاف بھی اوڑھایا اور پھر غائب ہو گئے۔

ابن حجر مکی "فتاویٰ حدیثیہ" میں لکھتے ہیں کہ تین مستند طریقوں سے مروی ہے کہ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے ساتھ اپنے شیخ حماد (متوفی رمضان ۵۲۵ھ ودفن بالشونیزیہ) کی قبر کی زیارت کو گئے اور وہاں دیر تک مراقب رہے پھر خوشی خوشی واپس آئے آپ سے خوشی کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا:

---

[1] انفاس العارفین ص ۸۰

[2] ایضاً ص ۱۷۸

ایک بار میں بغداد میں شیخ حماد کے ساتھ جمعہ کی نماز کے لیے جا رہا تھا جب دریا کے پُل پر پہنچا تو آپ نے مجھے دریا میں دھکا دے دیا۔ جاڑے کا موسم تھا اور آپ مجھے آزمانا چاہتے تھے کہ میں سردی کو کہاں تک برداشت کر سکتا ہُوں مگر مجھ پر جاڑے اور سرد پانی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس پر حضرت حماد نے میرے بارے میں اپنے مریدوں سے کہا کہ یہ غیر متزلزل پہاڑ ہے۔ اب جو ان کی قبر پر آیا تو آپ کو اچھی حالت میں پایا مگر ان کا دایاں ہاتھ حرکت نہ کرتا تھا میں نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ یہ وہی ہاتھ ہے جس سے میں نے تجھے دھکا دیا، کیا اب مجھے معاف کرتے ہو یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے معاف کیا۔ حماد کہنے لگے: پھر اللہ تعالیٰ سے درخواست کرو کہ میرے ہاتھ کو ٹھیک کر دے۔ لہٰذا میں دُعا کرنے کے لیے ٹھہر گیا اور پانچ ہزار ولی اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہُوئے انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری درخواست قبول ہو۔ میں اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرتا رہا یہاں تک کہ مولا کریم نے ان کا ہاتھ ٹھیک کر دیا اور انہوں نے مجھ سے اُسی ہاتھ سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد بغداد کے مشائخ نے سید عبد القادر سے اس بات کا ثبوت مانگا سید عبد القادر نے کہا کوئی دو آدمی منتخب کر لو جن کی زبانی میں اس کا ثبوت پیش کر دوں۔ انہوں نے دو ایسے شخصوں کا نام دیا جو وہاں موجود نہ تھے اور کہا، آپ کو ہم مہلت دیتے ہیں۔ سید عبد القادرؒ نے کہا کہ اب ان کی گواہی سُنے بغیر یہاں سے نہ اُٹھنا ابھی تھوڑی دیر ہُوئی تھی کہ ایک شخص دوڑتا ہُوا آ پہنچا کہ ابھی شیخ حماد نے مجھے اللہ سے بطور گواہ طلب کیا اور کہا کہ اے یوسف! جلدی سے شیخ عبد القادر کے مدرسہ میں جاؤ اور ان مشایخ سے جو وہاں ہوں کہہ دو کہ عبد القادر نے سچ کہا ہے۔ ابھی اس کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ دوسرا شخص بھی آ پہنچا، اس نے بھی یہی کہا اس پر تمام مشایخ استغفار پڑھتے ہُوئے اُٹھ کھڑے ہُوئے۔[1]

شیخ حماد نے صورت مثالی میں آکر بیداری کی حالت میں اُن لوگوں کو گواہ بنا کر بھیجا۔ ان تمام واقعات اور دلائل سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ گئی کہ اولیاء اللہ فوت ہونے کے بعد صورت مثالی میں زندوں کی طرح کام سرانجام دیتے ہیں اور دنیوی ظاہری زندگی رکھنے والے

---

[1] الفتاوی الحدیثیہ مطبوعہ مصر ص ۲۵۹

لوگوں سے متمثل ہو کر ملاقات کرتے ہیں۔

مزید برآں فتاویٰ حدیثیہ میں یافعی سے منقول ہے کہ ایک دفعہ مصر میں سخت قحط سالی ہوئی۔ شیخ کبیر ابو عبداللہ قرشی نے قحط دُور کرنے کے لیے دُعا کرنی چاہی ندا آئی کہ دُعا مت کرو کیونکہ اس معاملہ میں تم میں سے کسی کی کوئی بات نہ مانی جائے گی ابو عبداللہ قرشی شام کی طرف روانہ ہوئے اور جب ابراہیم خلیل اللہ کی قبر کے قریب پہنچے تو وہ ظاہری طور پر ملاقات کے لیے تشریف لے آئے۔ ابو عبداللہ قرشی نے حضرت خلیل اللہ سے عرض کی کہ آپ اہل مصر کے لیے دُعا فرمائیں یہی میری ضیافت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے قحط دُور کر دیا[1]۔

مصنف البدائع نے ابن الجوزی سے نقل کیا ہے کہ علم شریعت کے سیکھنے کے لیے حضرت خضر علیہ السلام ہر روز صبح کے وقت حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں آیا کرتے تھے جب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو حضرت خضر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ ابو حنیفہ کی رُوح کو قبر میں لوٹا دے تاکہ وہ علمِ شریعت ان سے مکمل کر لیں چنانچہ خضر علیہ السلام اپنی عادت کے مطابق ہر روز صبح کے وقت ابو حنیفہ کی قبر پر آیا کرتے اور اُن سے فقہ اور شریعت کے مسائل سیکھا کرتے تھے[2]۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ طریق صوفیہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَمِنْ اَوَّلِ الطَّرِيْقَةِ تَبْتَدِی الْمُكَاشِفَاتُ وَالْمُشَاهَدَاتُ حَتّٰى اَنَّهُمْ فِیْ يَقْظَتِهِمْ يُشَاهِدُوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ وَاَرْوَاحَ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَيَسْمَعُوْنَ مِنْهُمْ اَصْوَاتًا وَّيَقْتَبِسُوْنَ مِنْهُمْ فَوَائِدَ ثُمَّ يَتَرَقَّى الْحَالُ مِنْ مُشَاهَدَةِ الصُّوَرِ وَالْاَمْثَالِ اِلٰى دَرَجَاتٍ يَضِيْقُ عَنْهَا نِطَاقُ النُّطْقِ[3]

اس طریقے میں پہلے مکاشفات و مشاہدات شروع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ صوفیائے کرام حالت بیداری میں فرشتوں اور پیغمبروں کی روحوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان سے آوازیں سنتے ہیں اور ان سے فائدے حاصل کرتے ہیں پھر یہ حال صور و امثال کے مشاہدے سے ترقی کر کے ایسے درجوں تک پہنچ جاتا ہے جو احاطہ بیان میں نہیں آسکتے۔

---

[1] الفتاویٰ الحدیثیہ ص ۲۵۶ مطبوعہ مصر [2] مشارق الانوار ص ۸۸ [3] المنقذ من الضلال ص ۵۰ مطبوعہ مصر

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے شیخ اور والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کا ایک مشاہدہ انفاس العارفین میں نقل فرمایا ہے کہ ایک مقام پر شاہ عبدالرحیم صاحبؒ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے مزار پُر انوار پر حاضر ہُوئے، بیان فرماتے ہیں:

دراں[1] محل روحِ ایشاں ظاہر شد۔ اس جگہ حضرت قطب صاحبؒ کی روح مبارک ظاہر ہوئی۔

ان میں جو گفتگو ہُوئی اس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

فرمایا (حضرت بختیار کاکیؒ): شعر کے حق میں تم کیا کہتے ہو؟

میں نے کہا: کَلَامٌ حَسَنُہٗ حَسَنٌ وَ قَبِیْحُہٗ قَبِیْحٌ۔

فرمایا: بارک اللہ۔ خوش آواز کے حق میں کیا کہتے ہو؟

میں نے کہا: ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کر دے۔

فرمایا: بارک اللہ۔ جب دونوں جمع ہو جائیں تو اس میں تم کیا کہتے ہو؟

میں نے کہا: نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ یعنی نور پر نور ہدایت فرماتا ہے اپنے نور کی جانب جسے چاہتا ہے۔

فرمایا: بارک اللہ۔ جو کچھ ہم کرتے تھے وہ اس سے زیادہ نہ تھا تم بھی کبھی کبھی ایک دو بیت سنتے رہو۔

سیدی و مرشدی حضرت فقیر نور محمد صاحب قادری سروری کلاچوی قدس سرہٗ اپنی کتاب سلطان[2] الاوراد میں رسالہ روحی شریف کی شرح کرتے ہُوئے عالم مثال کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

اور یہ عالمِ ملکوت ہے اس عالم میں میت سے قبر میں سوال و جواب ہوتا ہے اور اسی عالم میں اُسے برزخ کے اندر عذاب ہوتا یا راحت ملتی ہے کامل لوگوں کی ارواح اور ملائکہ اسی عالم میں بود و باش رکھتے ہیں اور مختلف مثالی شکلیں اختیار کرتے ہیں حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام کو اسی مقام میں زندگی حاصل ہے اور ارواح شہداء اکبر اور اصغر کو اسی مقام میں بہ نسبت دیگر ارواح کے بڑھ کر زندگی اور بیداری حاصل ہوتی ہے انسان کے سچے خواب اسی مقام میں

---

[1] انفاس العارفین ص ۴۲ مطبوعہ المعارف گنج بخش روڈ۔ لاہور

[2] سلطان الاوراد ص ۳۲

واقع ہوتے ہیں۔"

حضرت سیّد محمد ذوقیؒ کے ملفوظات تربیت العشاق میں مذکور ہے :

ایک[1] دن فرمایا کہ حبیب اللہ لَوگرود (LOVE GROVE) ایک نومسلم انگریز تھے ان کو روحانیت کی طرف کافی میلان تھا اور تلاشِ حق میں بہت پھرے ایک رات خواب میں مولانا روم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں مسجد میں جانے کا اشارہ فرمایا وہ مطلب سمجھ گئے اور صبح جاکر مشرف بہ اسلام ہُوئے اس کے بعد حضرت مولانا رومؒ ان کو تعلیم فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ صورتِ مثالی میں اُن کے سامنے آکر تعلیم فرماتے ایک دفعہ انہوں نے حضرت مولاناؒ سے اجازت لے کر اُن کا فوٹو لے لیا ۔

حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ ہم نے ایک دفعہ انگریزی میں تصوّف پر ایک مضمون صوفی ازم کے نام سے لکھا تھا جو ایشیاٹک ریویو (ASIATIC REVIEW) میں چھپا تھا وہ رسالہ لندن میں کہیں اُن کی نظر سے گزرا جس سے متاثر ہو کر ایڈیٹر رسالہ کی معرفت ہمارے ہاں خط لکھا اس کے بعد ہماری خط و کتابت ان کے ساتھ ہوتی رہی ایک دفعہ انہوں نے مولانا رومؒ کی وہ تصویر بھی ہمارے پاس بھیج دی۔ ایک دن حیدر آباد میں ہمارے ایک دوست نے باتوں باتوں میں کہا کہ میرے پاس حضرت مولانا رومؒ کی ایک دستی تصویر ہے ہم نے کہا کہ تصویر ہمیں ضرور دکھائیے۔ اس نے کہا : جی ہاں تلاش کروں گا۔ ہم نے کہا کہ تلاش ولاش نہیں ابھی دکھائیے۔ چنانچہ وُہ گھر گئے اور تصویر لے آئے جب ہم نے تصویروں کا مقابلہ کیا تو دونوں ایک جیسی تھیں احقر نے بھی ایک دفعہ پاکستان ٹائمز کے سالانہ نمبر میں حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کی ایک تصویر دیکھی جو کہ ایران کے کسی کتب خانہ سے نقل کی گئی تھی اُس میں اور مولانا رومؒ کے اس فوٹو میں جو حضرت اقدسؒ کے پاس تھا بہت مشابہت تھی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی ولی اللہ ظاہری شکل میں متشکل ہو کر آجائے تو اس کا کیمرہ سے فوٹو بھی لیا جا سکتا ہے۔

---

[1] سیّد محمد ذوقی خلیفہ مولانا وارث حسنؒ جو کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے خاص معتقدین میں سے تھے اور علمائے دیوبند کے خاص مقبول ترین بزرگ تھے۔

ولی اللہ کا متعدد مقامات پر موجود ہونا

ولی اللہ کے مختلف مقامات پر موجود ہونے پر علمائے کرام اور ائمہ عظام نے تصریحات کی ہیں منجلہ ان کے چند حضرات یہ ہیں:

۱۔ علامہ علاء الدین القونوی شارح الحاوی
۲۔ شیخ تاج الدین سبکی
۳۔ کریم الدین الاملی
۴۔ شیخ الخانقاہ الصلاحیہ سعید السعداء
۵۔ صفی الدین بن ابی المنصور
۶۔ عبدالغفار بن نوح القوضی صاحب (الوحید)
۷۔ العفیف الیافعی
۸۔ شیخ تاج الدین بن عطار
۹۔ السراج بن الملقن
۱۰۔ البرہان الانباسی
۱۱۔ شیخ عبداللہ المنوفی
۱۲۔ تلمیذہ شیخ خلیل المکی صاحب المختصر
۱۳۔ ابوالفضل بن ابراہیم التلمانی المالکی رحمہم اللہ تعالیٰ

ان کے علاوہ اور بھی حضرات ائمہ کرام ہیں[۱]۔

حضرت شیخ الامام جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی قدس سرہٗ نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تحریر کیا ہے جس میں انہوں نے اس مسئلہ کو بہت واضح کیا ہے، جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ جب کسی ولی کی ولایت متحقق ہو جاتی ہے تو اُسے اپنی روحانیت کے ذریعہ متعدد صورتوں اور مختلف

---

[۱] رسالہ المنجلی فی تطور الولی مصنفہ جلال الدین سیوطی ص ۱-۳

شکلوں میں متشکل ہونے کی قدرت دی جاتی ہے اور یہ بات محال نہیں کیونکہ متعدد ہونے والی صورت روحانیہ صورتیں ہیں اور یہ قاعدہ عارفین میں عام مشہور رہے۔

جب جنات کو مختلف اشکال بدلنے کی قوت حاصل ہے اور فرشتوں کو بھی یہ قوت عطا کی گئی ہے تو اولیاء اللہ کو جو روحانی قوت میں ان دونوں سے بڑھ کر ہیں کیونکر یہ قوت حاصل نہ ہوگی؟ علامہ علاء الدین قونوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "الاعلام" میں فرماتے ہیں[1] کہ:

۱۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی خاص بندے کو بوجہ اس کے نفس ملکیہ قدسیہ اور خدا داد قدرت کے چن لے کہ اپنے بدنِ حقیقی میں دائمی تصرف کے علاوہ دوسرے بدن میں متصرف و قادر ہو اس لیے ابدال کو ابدال کہتے ہیں کہ جب وہ کسی جگہ سے کوچ کر جاتے ہیں تو اپنی جگہ اپنی شبیہ (مثالی صورت) چھوڑ جاتے ہیں جو اس کے قائم مقام رہ کر تصرف کرتی ہے۔

۲۔ وَاِذَا جَازَ فِی الْجِنِّ اَنْ یَّتَشَکَّلُوْا فِیْ صُوَرٍ مُّخْتَلِفَۃٍ فَالْاَنْبِیَاءُ وَ الْاَوْلِیَاءُ اَوْلٰی بِذٰلِکَ۔ جب جنات مختلف شکلوں میں متشکل ہونے کی قدرت رکھتے ہیں تو پھر انبیاء و اولیاء اس قدرت کے زیادہ مستحق ہیں۔

۳۔ نیز صوفیائے کرام کے ہاں ایک عالمِ مثال ہے جو عالمِ اجساد و عالمِ ارواح کے درمیان برزخی حالت رکھتا ہے جو عالمِ اجساد سے زیادہ لطیف اور عالمِ ارواح سے زیادہ کثیف ہے ان کی شان یہ ہے کہ ارواح مختلف شکلیں اختیار کر کے دنیا میں ظاہر ہوں اس کی دلیل قرآن حکیم کی آیت فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا ہے۔ اس آیت سے یہ مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ ایک روح حضرت جبریل علیہ السلام کی طرح بیک وقت جسم اصلی اور جسم مثالی میں بھی تصرف کر سکتی ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں:

وَھُوَ اَنْ یَّکُوْنَ جِسْمُہُ الْاَوَّلُ بِحَالِہٖ	یعنی جسم اوّل اپنے حال پر رہے اس میں
لَمْ یَتَغَیَّرْ وَقَدْ اَقَامَ اللّٰہُ لَہٗ شَبَحًا	کسی قسم کا تغیر نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کے

---

[1] "الاعلام" بحوالہ المنجلی فی تطور الولی ص ۳۔۴

اٰخَرَ وَرُوْحُهٗ تَتَصَرَّفُ فِیْهِمَا جَمِیْعًا فِیْ وَقْتٍ وَّاحِدٍ وَّکَذٰلِکَ الْاَنْبِیَاءُ وَلَا بُعْدَ فِیْ ذٰلِکَ۔

قائم مقام دوسرا جسم بنا دے اور پھر روح میں بیک وقت تصرف کرے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہے یہ کوئی بعید امر نہیں ہے۔

جب ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء مردے کو زندہ کرتے اور عصا کو سانپ بنا سکتے ہیں تو انہیں قدرت حاصل ہے کہ ایک لحظہ میں آسمان وزمین میں بطور خرقِ عادت ہر مسافت طے کر لیں پھر کون سا امر مانع ہے کہ یہ حضرات دو بدنوں یا اس سے زاید میں تصرف نہ کر سکیں۔

لوگوں نے حضرت قضیب البان الموصلی رحمۃ اللہ علیہ (آپ ابدالِ وقت تھے) نماز پڑھتے نہ دیکھا تھا کسی نے آپ پر تارک الصلوٰۃ ہونے کی تہمت لگائی آپ اسی وقت چند صورتوں میں متشکل ہو کر فرمانے لگے فِیْ اَیِّ هٰذِهِ الصُّوَرِ رَأَیْتَنِیْ مَا اُصَلِّیْ تو نے مجھے ان صورتوں میں سے کون سی صورت میں نماز پڑھتے نہیں دیکھا ہے۔

حضرت قضیب البان رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اڑنا کوئی کمال نہیں بلکہ اس میں ہے کہ ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں اور ایک دوسرے کی زیارت کا شوق رکھتے ہوں اب وہ ایک دوسرے کو مل بھی رہے ہیں اور گفتگو بھی کر رہے ہیں واپس آکر اپنے مکان میں پہنچتے ہیں لیکن لوگوں کو پتہ بھی نہیں چلتا بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ صاحبان اپنے مکان سے کہیں اور جگہ نہیں گئے۔[1]

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے سینکڑوں اولیاء اللہ کے ایسے واقعات لکھے ہیں کہ وہ ایک وقت میں کئی جگہ دیکھے گئے حالانکہ وہ گھر میں بھی موجود تھے بطور مشتے نمونہ از خروارے چند ایک واقعات ہدیۂ ناظرین ہیں:

شیخ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ طبقاتِ کبریٰ میں حضرت ابو العباس الملثم کے حالات میں لکھتے ہیں کہ وہ صاحب الکرامات والاحوال تھے ان کے خصوصی صحبت یافتہ شاگرد حضرت شیخ صالح عبد الغفار بن نوح صاحبِ کتاب "الوحید فی علم التوحید" ہیں۔ مصنف نے کتاب مذکور میں

---

[1] المنجلی فی تطور الولی ص ۸ - ۹

اپنے شیخ کی بہت کرامات لکھی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے:

حکایت ہم اُن کی (ابو العباس الملثم) خدمت میں جمعہ کے دن حاضر ہوئے آپ باتیں سنا رہے تھے اور آپ کی باتیں نہایت لذیذ تھیں ہم باتیں سن رہے تھے اور اُن کا غلام وضو کرا رہا تھا آپ نے فرمایا اے مبارک! کہاں جاتے ہو؟ عرض کی: جامع مسجد میں۔ آپ نے فرمایا: جماعت ہو گئی میں بھی جماعت میں شامل ہوا تھا۔ غلام جامع مسجد گیا، واپس لوٹ کر کہنے لگا کہ لوگ نماز سے فارغ ہو کر واپس آرہے ہیں۔ شیخ عبد الغفار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں جامع مسجد چلا گیا اور لوگوں سے اپنے شیخ کے متعلق پوچھا۔ لوگوں نے کہا کہ شیخ ابو العباس رحمہ اللہ تعالیٰ ابھی نماز میں تھے اور لوگ آپ کو سلام کرتے رہے شیخ عبد الغفار نے واپس آکر اپنے شیخ سے ماجرا پوچھا۔ آپ نے فرمایا: اُعْطِیْتُ التَّبَدُّلَ مجھے مختلف شکلوں میں متشکل ہونے کی قدرت عنایت ہوئی ہے۔

حکایت حضرت صفی الدین بن ابی منصور رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ شیخ مفرج رحمہ اللہ تعالیٰ کو اپنے شہر میں ایک عجیب واقعہ پیش ہوا وہ اس طرح کہ ایک شخص نے کہا کہ شیخ مفرج کو میں نے عرفہ کے دن حج کرتے ہوئے دیکھا ہے دوسرے نے کہا غلط ہے شیخ تو ہمارے گھر سے کہیں نہیں گئے ہر ایک نے کہا اگر بات غلط ہو تو زن طلاق۔ پہلے نے کہا کہ اگر میں نے شیخ کو عرفہ میں نہ دیکھا ہو تو میری عورت کو طلاق ہو۔ دوسرے نے کہا اگر میں نے شیخ کو عرفہ کے دن گھر نہ دیکھا ہو تو میری عورت کو طلاق ہو۔ یہ دونوں اپنا جھگڑا لے کر شیخ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ نے ماجرا سن کر فرمایا جاؤ کسی کی عورت کو طلاق نہیں، تم دونو سچے ہو۔ میں نے شیخ سے پوچھا: یہ کیا راز ہے؟ آخر ایک کو ان میں سے ضرور حانث ہونا چاہئے اس وقت ہمارے ہاں بہت لوگ موجود تھے شیخ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے رازوں سے ایک یہ راز ہے جو ہمیں عطا ہوا ہے سب کو آپ نے بات سمجھائی۔ مجھے اس کی وضاحت معلوم ہو گئی آپ نے مجھے فرمایا کہ اس کی وضاحت کر دو میں نے کہا کہ جب ولی کو ولایت عطا ہوتی ہے تو اسے متعدد

---

[1] المنجلی فی تطور الولی ص ۱۰-۱۱

صورتوں میں متشکل ہونے کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے وُہ اپنی روحانیت کے ذریعہ متعدد جہات میں بہ یک وقت ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اسے اس طرح بدلنے اور مختلف صورتوں میں متشکل ہونے کے لیے اپنے ارادہ کے مطابق قوت دی جاتی ہے پس وُہ صورت جو عرفہ میں ظاہر ہُوئی وہ بھی حق ہے بنابریں ہر دیکھنے والا اپنی یمین میں سچّا ہے جب میں نے اس تقریر کو ختم کیا تو شیخ نے فرمایا: (ھٰذَا ھوالصحیح) یہی بات صحیح ہے۔

حضرت سیدنا امام ربّانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ مکتوبات شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

ہرگاہ جنیاں را بتقدیر اللہ سبحانہٗ ایں قدرت بود کہ متشکل باشکال گشتہ اعمال غریبہ بوقوع آرند ارواحِ کمّل را اگر ایں قدرت عطا فرمایند چہ محل تعجب است وچہ احتیاج ببدن دیگر ازیں قبیل است آنچہ از بعضے اولیاء اللہ نقل می کنند کہ دریک آن در امکنہ متعددہ حاضر می گردند وافعال متباۂنہ بوقوع می آرند۔ انتہیٰ[1]

جب جِنوں کو قدرت الٰہی سے یہ طاقت ہوتی ہے کہ وُہ مختلف شکلوں میں متشکل ہو کر عجیب وغریب کام کرتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کامل اولیاء اللہ کو یہ طاقت عنایت کر دے تو کون سی تعجب کی بات ہے اور ان کو دوسرے مثالی بدن کی کیا ضرورت ہے اسی طرح بعض اولیاء اللہ سے منقول ہے کہ وُہ متعدد جگہوں پر حاضر ہوتے ہیں اور ان سے مختلف قسم کے کام وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

سیّد احمد بن مبارک سلجماسیؒ نے غوثِ زماں حضرت سید عبدالعزیز دبّاغ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ صالحین کا دیوان جو غارِ حرا میں لگتا ہے اس میں چھوٹے اور بڑے اولیاء اللہ کس طرح حاضر ہوتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: چھوٹے[2] ولی دیوان میں اپنی ذات سے حاضر ہوا کرتے ہیں مگر بڑے ولی پر کوئی پابندی نہیں مطلب یہ ہے کہ جب چھوٹا ولی دیوان میں آتا ہے تو اپنی جگہ اور اپنے گھر سے غائب ہو جاتا ہے اور وُہ اپنے شہر میں موجود نہ ملے گا کیونکہ وُہ اپنی ذات کے ساتھ دیوان میں جایا کرتا ہے برخلاف بڑے ولی کے کہ وہ دماغ وفکر سے کام لیتا ہے اور اپنے

---

[1] مکتوبات شریف جلد دوم مکتوب ۵۸

[2] ابریز اردو ترجمہ جلد دوم ص ۲۹۵

گھر سے غائب نہیں ہوتا کیونکہ بڑا ولی جو صورت چاہے اختیار کر سکتا ہے اور کمالِ روح کی وجہ سے تین سو چھیاسٹھ مختلف صورتیں اختیار کر سکتا ہے۔

یہاں تک تو یہ ثابت ہُوا کہ اس عالم میں انبیاء و اولیاء علیہم السّلام کو مختلف صورتوں اور شکلوں میں متشکل ہونے کی قوت حاصل ہے۔

اسی طرح فوت ہونے کے بعد بھی ان کی یہ قوت باقی رہتی ہے اور وُہ برزخی مقام سے عالم ناسوت کی طرف متوجہ ہو کر کئی مقامات پر بیک وقت موجود ہوتے ہیں اور اپنی اصلی شکل و صورت میں متشکل ہو کر اپنے متوسلین و محبین سے ملاقات کرتے ہیں اور انہیں فیض پہنچاتے ہیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"نفوس کاملۂ انسانیہ در دار دنیا مے توانند کہ بہ اشکال شتّیٰ متشکل گردند در عالِم برزخ بطریقِ اولیٰ زیراکہ این قوت بسببِ ارتفاع حجبِ بدنی زیادہ تر شدہ است"۔[1]

یعنی کامل اولیاء اللہ کی روحوں کو جب دنیا میں یہ قوت حاصل ہے کہ وہ مختلف شکلوں میں متشکل ہو جاتی ہیں تو عالمِ برزخ میں بطریق اولیٰ ان کو یہ قوت حاصل ہے اس لیے کہ جسمانی حجابات کے اُٹھ جانے سے تو یہ قوت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

نسبتِ اویسیہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے رسالۂ فارسی "ہمعات" میں نسبتِ اویسیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں[2]:

ان نفوس کو جب یہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے تو اس وقت ان کے آئینۂ دل پر اُوپر سے ایک رنگ کا فیضان ہوتا ہے جس کی برکت سے ان کو نیک روحوں کی کیفیات مثلاً انس و سرور، انشراحِ قلبی، عالمِ غیب کی طرف جذبہ و توجہ اور اُن حقائق اشیاء کا انکشاف جو

---

[1] انفاس العارفین ص ۱۱

[2] ملاحظہ ہو اردو ترجمہ ہمعات مطبوعہ سندھ ساگر اکادمی لاہور صفحہ ۱۲۳-۱۱۴

دوسروں کے لیے راز سربستہ کا حکم رکھتے ہیں غرضیکہ ان نیک روحوں کے ساتھ اس طرح کی مناسبت سے یہ نفوس ان کیفیات سے بہرہ مند ہو جاتے ہیں اب یہ دوسرا سوال ہے کہ یہ مناسبت انبیاء کی نیک روحوں سے ہو یا اولیائے اُمت کی رُوحوں سے یا فرشتوں سے۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ سالک کو کسی خاص رُوح سے خصوصی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس طرح کہ سالک نے اس بزرگ کے فضائل سُنے اور اسے اس بزرگ سے غیر معمولی محبت ہو گئی چنانچہ اس محبت کی وجہ سے سالک اور اس بزرگ کی رُوح کے درمیان ایک کشادہ راہ کھل جاتی ہے یا یہ ہوتا ہے کہ یہ خاص روح جس سے کہ سالک کو مناسبتِ خصوصی پیدا ہو گئی اس کے مرشد یا آباء و اجداد میں کسی بزرگ کی رُوح تھی اور اس بزرگ کی روح میں ان لوگوں کے لیے جو اس سے منسوب ہیں ارشاد و ہدایت کی ہمت موجود ہے یا یوں ہوتا ہے کہ سالک اپنے فطری جذبے یا جبلّی تقاضے سے جس کا کہ سمجھنا مشکل ہے کسی خاص رُوح سے مناسبت پیدا کر لیتا ہے اور اس سے مستفیض ہوتا ہے ....

اس سلسلہ میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ "نسبت اویسی" رکھنے والے کو اس خاص نسبت کی جو اوراد ہیں ان سے اس طرح کا رابطہ پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ چیز اس شخص کی روح کے جوہر اصلی میں داخل ہو جاتی ہے اور وہ بیداری اور حالتِ خواب میں اس کیفیت کو اپنے اندر یکساں پاتا ہے .... آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے جس شخص نے کہ سب سے پہلے "جذب" کا دروازہ کھولا اور اس راہ پر وہ سب سے پہلے گامزن ہوئے وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں ....

حضرت علیؓ کے بعد اولیائے کرام اور اصحابِ طرق کا سلسلہ چلتا ہے ان میں سب سے قوی الاثر بزرگ جنھوں نے راہِ جذب کو باحسن وجوہ طے کر کے نسبت اویسیہ کی اصل کی طرف رجوع کیا اور اس میں نہایت کامیابی سے قدم رکھا وہ شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کی ذاتِ گرامی ہے اسی بنا پر آپ کے متعلق کہا گیا ہے کہ آپ اپنی قبر میں زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں اس ضمن میں فقیر کو اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ حضرت شیخ عبد القادر قدس سرہٗ کا مسلکِ طریقت یہ ہے کہ جذب کی راہ کو طے کرنے کے بعد نسبت اویسی کا جو حاصل مقصود ہے اس کے رنگ میں سالک اپنے آپ کو رنگ دے مزید برآں ملتِ مصطفویؐ میں بالعموم اور اس زمانے میں خاص طور پر ان دونوں بزرگوں

یعنی حضرت علیؓ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے بڑھ کر کوئی اور بزرگ خرقِ عادات اور کرامات میں مشہور نہیں ہے اس لیے ان کی یہ شہرت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ سالک جب عالمِ غیب کی توجہ کو اپنی طرف مبذول پائے تو وہ اس توجہ کو ان بزرگوں میں سے کسی نہ کسی صورت میں متشکل دیکھے الغرض ان امور کے پیشِ نظر اگر سالک کو کسی خاص رُوح سے مناسبت حاصل ہو جائے اور وہاں سے اسے فیض پہنچے تو اس واقعہ کی اصل حقیقت غالباً یہ ہو گی کہ اُسے یہ فیض یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے حاصل ہُوا یا امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی نسبت سے یا اسے یہ فیض حضرت غوث اعظم کی نسبت سے ملا ۔ ۔ ۔ ۔

یہ فقیر جب مشائخ صوفیا کی ارواح کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے ان کی توجہ اور اس کے اثرات کو مختلف صورتوں میں اپنے اندر منعکس پایا اس توجہ کے اثرات میں سے ایک اثر یہ تھا کہ اس کی طبیعت کی بہیمی قوتیں یکسر ملکی رنگ میں اس طرح رنگی گئیں گویا کہ بہیمیت ملکیت میں بالکل فنا ہو گئی اس سلسلہ میں فقیر کو بتایا گیا ہے کہ جب مشائخ صوفیا کو انتقال فرمائے چار سو سال یا پانچ سو سال یا اس کے قریب گزر جاتے ہیں تو ان کے نفوس کی طبعی قوتیں جو زندگی میں ان کی ارواح کو خالص مجرد صورت میں ظاہر نہیں ہونے دیتی تھیں اتنا عرصہ گزرنے کے بعد یہ طبعی قوتیں بے اثر ہو جاتی ہیں اور اس دوران میں ان نفوس کے "نسمہ" یعنی روح ہوائی کے اجزاء منتشر ہو جاتے ہیں اس حالت میں جب ان مشائخ کی قبور کی طرف توجہ کی جاتی ہے تو ان مشائخ کی ارواح سے اس توجہ کرنیوالے کی رُوح پر ایک رنگ کا فیضان ہوتا ہے ۔

توجہِ ارواح کی اثر آفرین ایک صورت یہ ہے کہ مثلاً سالک نے ایک بزرگ کی قبر پر توجہ کی ۔ چنانچہ صاحبِ قبر کی رُوح اس پر منکشف ہو گئی اور سالک نے اس بزرگ کی روحانی کیفیات کا واضح طور پر مشاہدہ کر لیا بعینہٖ اس طرح جیسے کوئی شخص آنکھ کھولے اور اس کے سامنے جو چیز پڑی ہو اسے وُہ اچھی طرح سے دیکھ لے لیکن یاد رہے کہ سالک کا یہ دیکھنا چشمِ ظاہر سے نہیں بلکہ چشمِ باطن سے ہوتا ہے ۔

اسی کتاب " ہمعات " میں دُوسری جگہ لکھتے ہیں کہ خیالات و وساوس کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ وُہ مشائخ کی پاک روحوں کی طرف توجہ کرے ان پر فاتحہ پڑھے ان کی قبروں کی زیارت کرے اور

ان بزرگوں کی ارواح سے جذب وشوق کی توفیق چاہے۔[1]

حضرت شاہ صاحبؒ آگے چل کر لکھتے ہیں:

ملائکہ، جنّ اور رُوحیں جو اپنے جسموں سے الگ ہو کر دُوسرے عالم میں پہنچ چکی ہوتی ہیں مختلف شکلوں میں انسانوں کے لیے ظہور پذیر ہوتی ہیں ۔۔۔۔ انسان کو ملائکہ، جن اور ان روحوں کی صورتوں میں سے کسی صورت کا ادراک حدِ کمال میں صرف اسی وقت ہوتا ہے جب کہ وہ گرد و پیش کے علائق اور ان کے اثرات سے یکسر منقطع ہو جاتا ہے ۔۔۔۔ الغرض ملائکہ، جنّ اور ان ارواح کی صورتیں جب اس عنصر میں منعکس ہوتی ہیں اس کی ایک مثال وُہ واقعہ ہے جو صحیح مسلم میں حضرت جبریلؑ کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کا مروی ہے جس میں کہ آپؐ سے حضرت جبریلؑ نے اسلام، ایمان اور احسان کے متعلق سوالات کیے تھے۔[2]

حضرت شاہ رفیع الدینؒ کا بیان

حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں "بیعتِ وسیلت" کے فوائد میں تحریر کرتے ہیں:

ثمرۂ آں اتصال باآں بزرگان است در قبر و حشر و امدادِ ایشاں ایں طالب را وقتاً بعد وقت۔ (ص ۲۷)

فائدہ اس بات کا یہ ہے کہ (طریقہ کے ائمہ اور بزرگوں) سے قبر اور حشر میں بیعت کرنے والوں کو ایک قسم کا اتصالی رشتہ قائم ہو جاتا ہے اور طالب یعنی مرید کو وقتاً فوقتاً ان سے امداد ملتی رہتی ہے۔[3]

---

[1] اردو ترجمہ "ہمعات" ص ۸۔

[2] ایضاً ص ۲۲۵ ۔ ۲۲۶

[3] شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے چند رسائل کا ایک مطبوعہ مجموعہ ہے جس میں "بیعت" کے نام کا بھی ایک رسالہ پایا جاتا ہے ڈیڑھ دو ورق سے زیادہ ضخامت اس رسالہ کی نہیں ہے۔ بحوالہ مقالات احسانی ص ۴۸۔ ۵۱

بیعتِ طریقت کے متعلق لکھتے ہیں:

مردِ خوش ہمت ہرگاہ فضائل و مناقب اولیاء وتصرفات عجیبہ ایشاں، مثلِ حصول مراد مردم وقوت ہمت وتصرف بر دلہا و کشفِ احوال موتیٰ وکشف مستقبلات و ملاقاتِ ارواح طیبہ و مانند آں شنود وشوق تحصیل او در دل او غالب مے شود۔ الیٰ آخرہٗ

بلند ہمت والے لوگ اولیاء اللہ کے اوصاف اور ان کی بزرگی کے قصے سنتے ہیں اور اس طبقہ کے عجیب وغریب حالات ان کے گوش گزا ہوتے ہیں مثلاً سنتے ہیں کہ لوگوں کی مرادیں پوری ہوتی ہیں دلوں پر تصرف کرتے ہیں اور ان کے قلوب مسخر ہوتے ہیں مُردوں کے احوال سے ان کو آگاہی حاصل ہوتی ہے انہیں آیندہ آنے والے واقعات کا علم ہوجاتا ہے اور پاک روحوں سے ان کی ملاقات ہوجاتی ہے الغرض اس قسم کی باتوں سے سننے والوں کے دلوں میں ان باتوں کا شوق پیدا ہوجاتا ہے جی چاہتا ہے کہ ان کمالات کو حاصل کیا جائے۔

اس بیعتِ طریقت میں مجاہداتِ نفسانی وجسمانی کے حاصل کرنے کے بعد جب سالک اپنی روح کو پاک وصاف کرلیتا ہے انوار وتجلیات ربانی سے روح کو مکمل آراستہ کرلیتا ہے تو اس راہ کے کاملین کی ذات عوام کا مرجع بن جاتی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

مبداء فیض گشتن برائے بندگانِ الٰہی وحلِ مشکلات۔ الیٰ آخرہٗ

اللہ کے بندوں کے لیے فیض کا سرچشمہ اور لوگوں کی مشکلات کے حل کا واحد ذریعہ ان کی ذات بن جاتی ہے۔

غرضیکہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ کی مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ کامل اولیاءاللہ مقدس اور پاک روحوں سے ملاقات کرلینے میں مشہور ہوتے ہیں اور اسی کمال کو حاصل کرنے کے لیے لوگ ان کے مرید ہوتے ہیں اور فوت شدہ اولیاء اللہ سے نسبت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ وُہ برزخ اور حشر میں اپنے متوسلین کی امداد کرتے ہیں۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ ابوالحجاج یوسف، اشبیلیہ کے مشرقی جانب ایک آبادی شبریل میں رہتے تھے یہ ان لوگوں میں سے تھے جو پانی پر چلتے تھے روحوں سے ان کی ملاقات ہوتی تھی مجھے ان کی صحبت سے براہِ راست مستفید ہونے کا موقع میسر آیا[۱]۔

بیداری میں دیدارِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء

بیداری میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہونا دلائلِ واضحہ سے ثابت ہے۔ علمائے کرام نے اس والہانہ عقیدت کی وجہ سے جو انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس بارے میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے مشہور و معروف کتب حسب ذیل ہیں:

۱۔ تحفۃ الطالب المستہام فی رؤیۃ النبی علیہ السلام مؤلفہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد الاطعانی الحلبی۔

۲۔ تنبیہ النبی فی رؤیۃ النبی مؤلفہ شیخ محمد یوسف بن یعقوب خلوتی شیخ الحرام النبوی (ترکی زبان میں)

۳۔ حور الخیام و عذراء ذوی الہیام فی رؤیۃ خیر الانام فی الیقظۃ کما فی المنام مؤلفہ محمد بن ابراہیم المعروف بجنبلی زادہ متوفیٰ ۹۷۱ھ

۴۔ غایۃ الاعلام فی رؤیۃ النبی علیہ السلام مؤلفہ شیخ جمال الدین علی بسطامی۔

۵۔ الکواکب الزاہرہ فی اجتماع الاولیاء بسید الدنیا والآخرہ۔ مؤلفہ شیخ ابوالفضل عبد القادر بن حسین بن علی شاذلی متوفیٰ ۸۹۴ھ

۶۔ مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام فی الیقظۃ والمنام مؤلفہ امام محمد بن موسیٰ بن نعمان مراکشی فاسی مالکی متوفیٰ ۶۸۳ھ۔

---

[۱] بہ حوالہ مقالاتِ احسانی صفحہ ۶۱ ہم زیر عنوان شیخ اکبر کے چند اکابر مؤلفہ سید مناظر احسن گیلانی رح

حدیث عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَةِ وَلَا یَتَمَثَّلُ الشَّیْطَانُ بِیْ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں بھی دیکھے گا اور شیطان میرا ہمشکل نہیں ہو سکتا۔ (روایت کیا اسے امام بخاریؒ و مسلمؒ نے)

علامہ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث پاک کے تحت لکھتے ہیں:

ایں بشارت است برائیان جمالِ او را در خواب کہ آخر بعد از ارتفاعِ کدوراتِ نفسانیہ وقطعِ علائق جسمانیہ بمرتبہٗ برسند کہ بے حجاب کشفاً و عیاناً در بیداری بایں سعادت فائز باشند چنانچہ اہلِ خصوص از اولیاء را مے باشند و برایں معنی ایں حدیث دلیل می شود برحمت رؤیت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم در یقظہ[2]

یہ بشارت ہے ان لوگوں کے لیے جو آپ کے جمال کو خواب میں دیکھتے ہیں کہ آخر کار نفسانی تاریکیوں کے اُٹھ جانے اور جسمانی موانع کے ختم ہونے کے بعد اس مرتبہ پر پہنچتے ہیں کہ بغیر حجاب کشفی اور عیانی طور پر بیداری میں اس سعادت سے بہرہ مند ہوتے ہیں چنانچہ خاص اولیاء اللہ کو (عالم بیداری میں) زیارت نصیب ہوتی ہے اس معنٰی کے بنا پر یہ حدیث دلیل ہے کہ حضور علیہ السلام کی بیداری میں زیارت نصیب ہوتی ہے اور یہ صحیح اور درست ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیداری میں دیدار کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت خواب میں کی جب بیدار ہوئے تو یہ حدیث کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَةِ یاد آئی امیدوار ہوئے کہ یہ نعمت

---

[1] مشکوٰۃ ص ۳۹۴ [2] اشعۃ اللمعات جلد ثالث ص ۶۴۰

حالتِ بیداری میں نصیب ہوگی۔ پس آپ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ آئینہ ان کو عطا فرمایا جس میں آپ اپنا چہرہ مبارک دیکھا کرتے تھے تاکہ ابن عباس اس میں نظر کریں جب ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آئینہ میں نظر کی تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ پاک نظر آئی اور اپنی صورت نظر نہ آئی۔[1]

شیخ ابوالعباس قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیداری میں دیدار کرنا

مواہب لدنیہ میں ہے کہ ابن منصور نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے:

در آمد[2] شیخ ابوالعباس قسطلانی بر آنحضرت پس دعا کرد آنحضرت او را و فرمود اَخَذَ اللّٰهُ بِیَدِكَ یَا اَحْمَدُ۔

شیخ ابوالعباس قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ خدمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے لیے دعا کی اور فرمایا اے احمد اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ کو تھامے۔

شیخ ابوالمسعود کا بیداری میں دیدار کرنا

از[3] شیخ ابوالمسعود آوردہ کہ مصافحہ مے کرد آں حضرت را بعد از ہر نماز۔

شیخ ابوالمسعود رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ ہر نماز کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرتے تھے۔

شیخ ابوالعباس المرسی کا بیداری میں دیدار کرنا

قَالَ[4] رَجُلٌ لِلشَّیْخِ اَبِی الْعَبَّاسِ الْمُرْسِیِّ

ایک شخص نے شیخ ابوالعباس المرسی سے عرض کیا کہ

---

[1] اشعۃ اللمعات جلد ثالث ص ۶۴۱ — [2] و [3] ایضاً ص ۶۴۰

[4] الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۳۴۴

يَا سَيِّدِيْ صَافِحْنِيْ بِكَفِّكَ هٰذِهٖ فَاِنَّكَ لَقِيْتَ رِجَالًا وَّبِلَادًا فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا صَافَحْتُ بِكَفِّيْ هٰذِهٖ اِلَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَقَالَ الشَّيْخُ لَوْ حَجَبَ عَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ مَّا عَدَدْتُّ نَفْسِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

مجھ سے مصافحہ کیجئے کیونکہ بڑے بڑے ملکوں میں پھرے ہیں اور بڑے بڑے مردانِ خدا سے مصافحہ کیا ہے شیخ نے فرمایا کہ میں نے یہ ہاتھ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی سے نہیں ملائے اور فرمایا کہ اگر حضور کی ذات ایک لمحہ کے لیے بھی میری آنکھ اوجھل ہو جائے تو میں اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھتا۔

ابو عبداللہ قرشی نے ابراہیم علیہ السلام کا بیداری میں دیدار کیا

ابو عبداللہ قرشیؒ کہتے ہیں کہ میں نے شام کا سفر کیا جب ابراہیمؑ کے روضۂ اقدس پر پہنچا تو آپ مجھے ملے میں نے عرض کیا کہ آپ کے ہاں میری مہمانی یہ ہے کہ اہلِ مصر کے لیے دعا فرمائیں، آپ نے دُعا فرمائی تو اہلِ مصر کی مصیبت دُور ہوگئی۔ اس روایت کو سن کر امام یافعی نے فرمایا:

قَالَ الْيَافِعِيُّ وَقَوْلُهٗ تَلَقَّانِي الْخَلِيْلُ قَوْلُ حَقٍّ لَّا يُنْكِرُهٗ اِلَّا جَاهِلٌ بِمَعْرِفَةِ مَا يَرِدُ اِلَيْهِمْ مِّنَ الْاَحْوَالِ الَّتِيْ يُشَاهِدُوْنَ فِيْهِ مَلَكُوْتَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَيَنْظُرُوْنَ الْاَنْبِيَاءَ اَحْيَاءً غَيْرَ اَمْوَاتٍ كَمَا نَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى مُوْسٰى فِي الْاَرْضِ وَنَظَرَهٗ اَيْضًا هُوَ وَجَمَاعَةً مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ وَسَمِعَ مِنْهُمْ مُخَاطَبَاتٍ۔[1]

قرشی کا یہ قول کہ میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی اس کا انکار صرف جاہل ہی کرے گا جو صوفیہ کے احوال سے ناواقف ہے وہ لوگ آسمان اور زمین کا مشاہدہ کرتے ہیں انبیاء کو زندہ دیکھتے ہیں جیسا حضور علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زمین پر دیکھا اور ان کو مع جماعت کے آسمان پر دیکھا اور ان سے باتیں سنیں۔

[2] قَالَ الْبَارِزِيُّ وَقَدْ سَمِعَ مِنْ جَمَاعَةٍ مِّنَ الْاَوْلِيَاءِ فِيْ زَمَانِنَا وَقَبْلَهٗ اِنَّهُمْ

علامہ بارزی نے کہا کہ محقق بات یہ ہے کہ ایک جماعت اولیاء نے ہمارے زمانے میں بھی اور

---

۱ الحاوی للفتاوی جلد دوم ص ۲۴۳

۲ ایضاً ص ۲۴۲

رَاٰهُ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْیُقْظَةِ حَیًّا بَعْدَ وَفَاتِهٖ۔

اس سے پہلے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد وفات زندہ حالت بیداری میں دیکھا۔

از بعض صالحین[1] حکایات دریں باب آمدہ و بصحت رسیدہ و حکایات و روایاتِ مشائخ بسیار است نزدیک بحد تواتر رسیدہ است۔

بعض نیک لوگوں کی حکایات اس سلسلہ میں صحت تک پہنچ گئی ہیں اور روایات مشائخ (اس معاملے میں) حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔

حضور غوث الثقلین سیّدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ نے حضور علیہ السّلام کو بیداری میں دیکھا

بہجۃ الاسرار میں ہے کہ ایک دفعہ مجلسِ وعظ میں دس ہزار آدمیوں کا مجمع تھا شیخ علی بن ہیئتی رضی اللہ عنہ شیخ کے سامنے کرسی کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے ان کو نیند آ گئی پس شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ نے لوگوں کو فرمایا: اُسْکُتُوْا (خاموش ہو جاؤ)۔ سب خاموش ہو گئے یہاں تک کہ کہنے والا کہتا ہے کہ سوائے سانس کے کچھ سُنا نہیں جاتا تھا پھر آپ کرسی سے نیچے اُترے اور شیخ علی کے سامنے با ادب کھڑے ہو گئے اور ان کی طرف دیکھنا شروع کیا پھر شیخ علی بن ہیئتی رح بیدار ہوئے تو شیخ نے فرمایا کہ کیا تو نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا انہوں نے عرض کی ہاں فرمایا اسی لیے میں نے ادب اختیار کیا پھر آپ نے فرمایا آپ نے تجھے کیا وصیت کی تو عرض کی کہ آپ کی ملازمت کا حکم دیا۔

علی ہیئتی نے فرمایا:

اَلَّذِیْ رَاَیْتُهٗ فِی الْمَنَامِ رَاٰهُ فِی الْیَقْظَةِ[2]۔

جس ذات (جناب رسالتمآبؐ) کو میں نے خواب میں دیکھا آپ نے انہیں بیداری میں دیکھا۔

اسی کتاب میں بہت سی روایات موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے کئی مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیداری میں دیدار کیا۔

---

[1] اشعۃ اللمعات جلد سوم ص ۶۳۹

[2] بہجۃ الاسرار ص ۲۶

چنانچہ شیخ بقاء بن بطو نے شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم کے دیکھنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ ان کے ارواح ظاہری صورت اختیار کر لیتے ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ قوت عنایت فرمائی ہے کہ اس سے ظاہر ہوتے ہیں۔[۱]

شیخ ابو سعید قیلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؛

[۲] رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرَهُ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ صَلَوٰتُ اللهِ عَلَيْهِمْ فِيْ مَجْلِسِ الشَّيْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَّاَنَّ اَرْوَاحَ الْاَنْبِيَاءِ صَلَوٰتُ اللهِ عَلَيْهِمْ لَتَجُوْلُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَوْلَانَ الرِّيَاحِ فِي الْاٰفَاقِ وَرَاَيْتُ الْمَلٰئِكَةَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ يَحْضُرُوْنَهٗ طَوَائِفَ بَعْدَ طَوَائِفَ۔

میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء صلوات اللہ علیہم کو شیخ عبد القادر جیلانی کی مجلس میں کئی مرتبہ دیکھا اور بیشک انبیاء صلوات اللہ علیہم آسمانوں اور زمین میں ایسے گھومتے ہیں جیسا کہ ہوا اطراف میں گھومتی ہے اور میں نے فرشتوں کو دیکھا جو آپ کی بارگاہ میں جوق در جوق حاضر ہوتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور علیہ السلام سے بیداری میں قرآن مجید پڑھا

حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا:

[۳] وَاِنْ سَاَلْتَنِيْ عَنِ الْخَبَرِ الصِّدْقِ فَاِنِّيْ تِلْمِيْذُ الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ بِلَا وَاسِطَةٍ كَمَا اَنِّيْ اُوَيْسِيٌّ لِرُوْحِ حَضْرَةِ الرِّسَالَةِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اگر تو مجھ سے سچی بات پوچھے (تو وہ یہ ہے) کہ میں نے جناب رسالتمآب سے بلا واسطہ قرآن عزیز پڑھا ہے بعینہ جس طرح میں روح سید عالم سے (فیض باطن کے اکتساب میں) اویسی ہوں۔

---

[۱] بہجۃ الاسرار ص ۹۷ قلائد الجواہر ص ۵، [۲] ایضاً ص ۹۵ ایضاً ص ۴، [۳] الفوز الکبیر ص ۴۷

جلال الدین سیوطیؒ نے سترّ مرتبہ بیداری میں دیدار کیا

علّامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ شیخ صالح عطیہ ابناسی، شیخ قاسم مغربی اور قاضی زکریاؒ نے امام سیوطیؒ سے سنا ہے:

یَقُوْلُ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ یَقْظَۃً بِضْعًا وَّ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً ۔[1]

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سترّ سے زیادہ مرتبہ بیداری میں دیکھا ہے۔

سیّدی ابراہیم متبولی رضی اللہ عنہ حضورؐ کا بیداری میں دیدار کیا کرتے تھے

علّامہ شعرانیؒ الطبقات الکبریٰ میں فرماتے ہیں کہ سیّدی ابراہیم متبولی رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کثرت سے خواب میں دیکھتے اور اپنی ماں سے بیان کرتے تو وہ کہتی تھیں کہ بیٹا! مرد وہ لوگ ہیں جو بیداری میں مشرف ہوا کرتے ہیں۔ مگر جب بیداری میں باریاب ہونے اور اپنے معاملات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورے لینے لگے تو ان کی ماں نے کہا کہ اب تمہاری رجولیت کا مقام شروع ہوا۔[2]

شیخ محمد بن ابی جمرہؓ کا دعویٰ تھا کہ مجھے حضور علیہ السلام کی رؤیت بیداری میں ہوا کرتی ہے

علّامہ شعرانیؒ طبقات الکبریٰ میں فرماتے ہیں کہ شیخ محمد بن ابی جمرہ رضی اللہ عنہ بڑی شان والے بزرگ تھے ظاہر میں تنگ حال باطن میں مالا مال تھے ان پر جلال کی صفت غالب تھی شرع کی بڑی عظمت اور اس کے شعائر کی پابندی کرنے والے تھے ان کے اس دعویٰ کا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بیداری میں ہوا کرتی ہے لوگوں نے انکار کیا اور

---

[1] الیواقیت والجواہر جلد اوّل ص ۱۲۳ [2] اردو ترجمہ الطبقات الکبریٰ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ص ۱۵۵

[3] ایضاً ص ۳۰۶

اس کے لیے مجلس منعقد کی اس لیے یہ گھر میں رہنے لگے اور صرف نمازِ جمعہ کے لیے باہر آتے تھے اور ان کے منکرین بدترین حال میں مرے اور ان کی کرامت سے واقف ہوئے۔

شیخ ابو المواہب شاذلیؒ کو دیدار بے حجاب نصیب تھا

آپ کو اکثر عالم خواب اور بیداری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوا کرتی تھی۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ۸۲۵ھ میں جامعہ ازہر کی چھت پر دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک میرے قلب پر رکھا آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب ولی مرتا ہے تو کل انبیاء و اولیاء کی ارواح اس پر نماز پڑھتی ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود بھیجنے کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس بغیر کسی واسطہ کے ان کو تعلیم دیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ لوگ مجھے جھٹلاتے ہیں کہ میرا آپ کو دیکھنا صحیح نہیں ہے اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی عزت وعظمت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو شخص اس پر ایمان نہیں لایا جس نے اس بارہ میں تجھ کو جھٹلایا وہ نہ مرے گا مگر یہودی یا نصرانی یا مجوسی ہو کر۔ علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ مضمون شیخ ابو المواہب رضی اللہ عنہ کی قلم کی لکھی ہوئی تحریر سے نقل کیا ہے۔

شیخ ابو المواہب فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ عثمان رحمۃ اللہ علیہ کو پڑھاتے وقت علی رؤس الاشہاد کہتے سنا کہ اللہ تعالیٰ لعنت کرے اس شخص پر جو اس طریق کا انکار کرے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان ہے اس کو چاہئے کہ ایسے شخص پر لعنت بھیجے جس نے اس طریق کا انکار کیا یا اعتراض کیا۔ اس کو کبھی فلاح نہ ہوگی۔[1]

---

[1] اردو ترجمہ الطبقات الکبریٰ ص ۵۳۱ - ۵۳۲

سیّد عبدالعزیز دبّاغ رحمۃ اللہ علیہ کو بیداری میں دیدار نصیب ہُوا

آپ فرماتے ہیں کہ جب عید الاضحیٰ کا تیسرا دن تھا تو مجھے سید الوجود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہُوئی اس وقت عبداللہ برناوی نے فرمایا: اے عبدالعزیز اب تک تو مجھے تمہارے متعلق اندیشہ تھا مگر آج چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی رحمت کاملہ یعنی سید الوجود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا دیا ہے اس لیے میرا دل مطمئن ہو گیا ہے اب میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے جاتا ہوں چنانچہ مجھے چھوڑ کر وہ اپنے وطن چلے گئے دراصل اُن کا میرے ساتھ رہنے کا مقصد یہ تھا کہ جو مشاہدات مجھے پیش آ رہے تھے ان میں ظلمت کا دخل ہونے سے مجھے بچائے رکھیں حتیٰ کہ مشاہدہ محمدیہ نصیب ہو جائے کیونکہ صاحبِ فتح پر اس کے بعد کوئی اندیشہ نہیں رہتا جو کچھ اندیشہ و خطرات ہوتے ہیں وہ اس مشاہدہ سے پہلے ہی ہوتے ہیں[1]

اسی کتاب کی جلد دوم میں ہے کہ آپ سے بیداری میں دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

جب آدمی صاحبِ فتح ہو جاتا ہے، اس کی نظر صاف ہو جاتی ہے اور اس کی بصیرت کا نور مکمل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر ایسی رحمت فرماتا ہے جس کے بعد کسی قسم کی بدبختی کا خطرہ نہیں رہتا تو اللہ تعالیٰ اسے سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار عطا کرتے ہیں چنانچہ وہ آپ کو آنکھوں سے دیکھتا اور بیداری میں آپ کا مشاہدہ کرتا ہے۔[2]

سیّد احمد رفاعی کے لیے دستِ مبارک کا ظاہر ہونا

سید ابو العباس احمد بن ابی الحسن علی بن ابی العباس المعروف شیخ احمد رفاعی متوفّٰی ۵۷۰ھ صوفیائے کبار میں سے ہُوئے ہیں اور آپ کے متبعین کو رفاعیہ کہا جاتا ہے۔ آپ کی مشہور ترین کرامت یہ ہے کہ ۵۵۵ھ میں حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر روضۂ اقدس کی زیارت

---

[1] اردو ترجمہ ابریز ص ۱۴ [2] اردو ترجمہ ابریز ج ۲ ص ۳۱۴

کے لیے گئے گنبدِ خضراء کے قریب پہنچ کر آپ نے باآوازِ بلند کہا السّلام علیك یا جدّی (نانا جان السلام علیکم) فوراً روضۂ اطہر سے آواز آئی وعلیك السّلام یا ولدی اس ندا کو سن کر آپ پر وجد طاری ہوگیا آپ کے علاوہ جتنے آدمی وہاں موجود تھے سب نے آواز کو سنا تھوڑی دیر بعد بحالت گریہ آپ نے دو شعر پڑھے: ؎

فِی حَالَتِ الْبُعْدِ رُوْحِی کُنْتُ اُرْسِلُھَا
تُقَبِّلُ الْاَرْضَ عَنِّیْ وَھِیَ نَائِبَتِیْ
وَھٰذِہٖ دَوْلَتُہُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ
فَامْدُدْ یَمِیْنَكَ کَیْ تَحْظٰی بِھَا شَفَتِیْ

ترجمہ: میں دوری کی حالت میں اپنی رُوح کو اپنا نائب بنا کر زمین بوسی کے لیے بھیجا کرتا تھا مگر اب تو اجسام کی باری آگئی لہذا آپ اپنا مبارک دایاں ہاتھ نکالیں تاکہ میرے ہونٹ (ان کو بوسہ دے کر) سعادت مندی حاصل کریں۔

اسی وقت روضۂ مطہرہ سے دستِ مبارک نکلا اور آپ نے اس کو بوسہ دیا اس وقت روضۂ مطہرہ پر لوگوں کا ایک جمِ غفیر جمع تھا جس میں حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ عدی بن مسافر اموی، شیخ عبدالرزاق حسینی واسطی رحمہم اللہ بھی تھے[1]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی بیعت

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی بیعت کا ذکر فرماتے ہیں:

چوں ایں معرفتِ جلیلہ بخاطرم جا گرفت	جب میرے دل میں معرفتِ الٰہی جاگزیں ہوگئی تو
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبسم کناں سراز	حضور علیہ السلام مراقبہ سے تبسم فرماتے ہوئے باہر
جیبِ مراقبہ بیروں آوردند و دو دستِ خویش	تشریف لائے آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر

[1] مشارق الانوار بحوالہ "حیات جاوداں" ص ۱۸۱

واشارت فرمودند به بیعت و مصافحہ ایں فقیر برخاست وزانو بزانو متصل ساختہ دو دستِ خود درمیان دو دستِ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہادہ بیعت کردند و بعد از فراغ از بیعت چشم فرو بستند[1]۔

مجھے مصافحہ اور بیعت کرنے کی طرف اشارہ کیا یہ فقیر اٹھا اور حضور نے میرے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھ کر بیعت فرمایا اور بیعت کرنے کے بعد پھر آنکھیں بند کر کے مراقبہ میں چلے گئے۔

شیخ احمد شہاب الدّین بن حجر مکّی کا عقیدہ

آپ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ سے فوائد حاصل کرنا بیداری میں ممکن ہے تو آپ نے یہ جواب دیا:

نَعَمْ یُمْکِنُ ذٰلِکَ فَقَدْ صَرَّحَ بِاَنَّ ذٰلِکَ مِنْ کَرَامَاتِ الْاَوْلِیَاءِ الْغَزَالِیُّ وَالْبَارِزِیُّ وَالتَّاجُ السُّبْکِیُّ وَالْعَفِیْفُ الْیَافِعِیُّ مِنَ الشَّافِعِیَّۃِ وَالْقُرْطَبِیُّ ابْنُ اَبِیْ جُمْرَۃَ مِنَ الْمَالِکِیَّۃِ وَقَدْ حَکٰی عَنْ بَعْضِ الْاَوْلِیَاءِ اَنَّہٗ حَضَرَ مَجْلِسَ فَقِیْہٍ فَرَوٰی ذٰلِکَ الْفَقِیْہُ حَدِیْثًا فَقَالَ لَہُ الْوَلِیُّ ھٰذَا الْحَدِیْثُ بَاطِلٌ قَالَ وَمِنْ اَیْنَ لَکَ ھٰذَا قَالَ ھٰذَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاقِفٌ عَلٰی رَاْسِکَ یَقُوْلُ اِنِّیْ لَمْ اَقُلْ ھٰذَا الْحَدِیْثَ وَکُشِفَ لِلْفَقِیْہِ فَرَاٰہُ[2]۔

ہاں یہ اجتماع ممکن ہے تحقیق تصریح فرمائی کہ یہ کراماتِ اولیاء میں سے ہے امام غزالی اور بارزی اور تاج سبکی اور امام یافعی شافعی اور امام قرطبی اور ابن ابی جمرہ مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بعض اولیاء سے حکایت کی ہے کہ وہ ایک فقیہ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو فقیہ نے ایک حدیث روایت کی تو ولی نے اس سے کہا کہ یہ حدیث باطل ہے ولی نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سر پر تشریف فرما ہیں اور فرما رہے ہیں کہ میں نے یہ حدیث بیان نہیں فرمائی اور فقیہ کے لیے بھی کشف ہوا اور اس نے بھی حضورؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

---

[1] الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۷

[2] فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۵۴

سیّد علی وفا کی تصریح

ابن فارس[1] حضرت سید علی وفا رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میری عمر پانچ برس کی تھی ایک استاد سے قرآن مجید پڑھا کرتا تھا، ایک دفعہ میں اپنے استاد کے پاس آیا تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھا نہ کہ خواب میں آپ نے روئی کا سفید قمیص پہن رکھا تھا پھر وُہ قمیص اپنے اوپر دیکھا یعنی آپ نے مجھے اپنا قمیص پہنایا اور مجھے فرمایا قرآن مجید پڑھ کر سُناؤ تو میں نے آپ کو سورۂ والضحٰی اور الم نشرح پڑھ کر سُنائی پھر آپ مجھ سے غائب ہو گئے جب میں اکیس برس کا ہوا اور مقام قرافہ میں نمازِ صبح کی نیت باندھی تو اپنے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا پھر آپ نے مجھ سے معانقہ فرمایا اور فرمایا: وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔

حکایت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خط ان کے دوست شیخ عبدالقادر شاذلی کے پاس دیکھا جو آپ نے ایک شخص کے جواب میں لکھا تھا جس نے آپ سے بادشاہِ وقت کے ہاں سفارش کے متعلق سوال کیا تھا، آپ نے اس کو اپنے خط میں یہ مضمون لکھا:

"میرے بھائی تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں اب تک حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت عالمِ بیداری میں پچھتّر دفعہ کر چکا ہوں اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ ان حکام کے پاس جانے سے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے محروم ہو جاؤں گا۔ تو میں تیرے ساتھ ہو کر بادشاہ کے پاس تیری سفارش کرتا مگر میں ایک ایسا مرد ہوں جو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی حدیثوں کی خدمت کرتا ہوں اور مجھے ہر وقت اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کی ضرورت رہتی ہے تاکہ احادیث کی تصحیح کر سکوں جنھیں محدثین نے اپنے طریقے سے ضعیف کہا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تیرے فائدے سے اس میں زیادہ فائدہ ہے کیونکہ اس میں تمام مسلمانوں کا فائدہ ہے"[2]۔

---

[1] فتاوٰی حدیثیہ ص ۲۵۶ [2] میزان الکبرٰی ص ۴۴

علامہ محمود آلوسیؒ صاحبِ تفسیر روح المعانی کی فیصلہ کن تشریح

وَلَا یَحْسُنُ مِنِّیْ اَنْ اَقُوْلَ کُلَّ مَا یُحْکٰی عَنِ الصُّوْفِیَّۃِ مِنْ ذٰلِکَ کِذْبٌ لَّا اَصْلَ لَہٗ لِکَثْرَۃِ حَاکِیْہِ وَجَلَالَۃِ مُدَّعِیْہِ وَکَذَا لَا یَحْسُنُ مِنِّیْ اَنْ اَقُوْلَ اِنَّہُمْ اِنَّمَا رَاَوُا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنَامًا فَظَنُّوْا ذٰلِکَ لِخِفَّۃِ النَّوْمِ وَقِلَّۃِ وَقْتِ یَقْظَۃً فَقَالُوْا رَأَیْنَا یَقْظَۃً لِمَا فِیْہِ مِنَ الْبُعْدِ وَلَعَلَّ فِیْ کَلَامِہِمْ مَا یَأْبَاہُ وَغَایَۃَ مَا اَقُوْلُ اَنَّ تِلْکَ الرُّؤْیَۃَ عَنْ خَوَارِقِ الْعَادَۃِ کَسَائِرِ کَرَامَاتِ الْاَوْلِیَاءِ وَمُعْجِزَاتِ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ ۔

اور مجھے یہ بات کسی طرح زیب نہیں دیتی کہ میں یہ کہہ دوں کہ وُہ تمام واقعات جو حضور علیہ السلام کے ظاہر وباہر تشریف لانے کے متعلق صوفیائے کرام سے منقول ہیں وُہ سب جھوٹ ہیں اور ان کی کوئی اصل نہیں کیونکہ ان کی حکایت کرنے والے بہت ہیں اور ان کے دعویٰ کرنے والے جلیل القدر ہیں اور مجھے یہ بات بھی گوارا نہیں کہ میں یہ کہہ دوں کہ جن حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر باہر دیکھا اور وقت کی قلت اور کم خوابی کی وجہ سے یہ گمان کر لیا کہ ہم نے بیداری میں حضور کی زیارت کی کیونکہ یہ بات بہت بعید ہے اور غالباً ان حضرات کا کلام بھی اس تاویل سے انکار کرتا ہے میری غایت گفتگو یہ ہے کہ یہ رؤیت خوارقِ عادت سے ہے جیسا کہ اولیاء اللہ کی کرامات اور انبیاء کے معجزات۔

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی اور انبیاء علیہم السّلام اور ان کے متبعین اولیائے کرام کو بطور خرقِ عادت یہ قوت حاصل ہے کہ وُہ اپنے جسم اور رُوح کے ساتھ عالمِ ناسوت کے رہنے والوں کو بیداری میں اپنا دیدار کرا سکتے ہیں بعض حضرات نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ یہ دُوسری صورت بعینہٖ ذات کی ہے یا صورت مثالی کی ؛ بعض نے کہا ہے کہ رُوح کی مثال کی زیارت ہوتی ہے نہ بعینہٖ جسمِ مقدس کی لیکن اکثر صوفیائے کرام نے تصریح کی ہے کہ بعینہٖ ذات کی زیارت ہوتی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام تو اپنے جسمِ پاک سے ہی زندہ ہیں جس کی وضاحت بہت سی احادیث سے ہوتی ہے۔ باقی رہا اولیائے کرام کا حال تو وہ بھی کرامۃً اپنے جسم کو عالم برزخ میں اپنے ساتھ لیجا سکتے ہیں

اور اسی جسم سے ظاہر ہو کر عالمِ بیداری میں لوگوں کو زیارت کرا سکتے ہیں جب دنیا میں بیک وقت اپنے ناسوتی جسم سے متعدد مقامات پر حاضر ہو سکتے ہیں تو فوت ہونے کے بعد بھی اسی بدن سے زیارت کرا سکتے ہیں۔ یہ کوئی اَمر محال نہیں خواب میں دیکھنا یا صورت مثالی میں دیکھ لینا یہ دیکھنے والے کا کمال ہے کہ اس نے صفائے باطن حاصل کی اور حجاباتِ ظلماتِ بشریت کو اٹھا کر ملکوتی صفات پیدا کر کے کسی نبی، ولی یا فرشتے کی زیارت کر لی۔ لیکن بعینہٖ اپنے جسم میں بیداری کی حالت میں زیارت کرانا یہ انبیاء علیہم السلام، اولیائے کرام اور فرشتوں کا کمال ہے کہ وُہ اپنی خداداد قوت سے لوگوں کو عالم ناسوت میں آکر زیارت کرا دیں جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں جبریل علیہ السلام کا انسانی شکل میں آکر حضورؐ کی خدمت میں گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھنا، مختلف سوالات کرنا اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کا دیکھنا جو حدیثِ پاک سے ثابت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیداری کی حالت میں دیدار کرانا تو کثرت سے ثابت ہے۔ یہ حضور علیہ السلام کا معجزہ ہے اور یہ بات جمہور کے نزدیک ثابت ہو چکی ہے کہ جو امور انبیاء سے معجزات کی حیثیت سے صادر ہوتے ہیں اولیاء اللہ سے بمنزلہ کرامت ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

وَقَدْ تَقَرَّرَ اَنَّ مَا جَازَ لِلْاَنْبِیَاءِ مُعْجِزَۃً[1] جَازَ لِلْاَوْلِیَاءِ کَرَامَۃً۔	یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جو چیز انبیاء کے لیے معجزہ ہے اولیاء کے لیے کرامت ہے۔

ہمارا تو یہ ایمان ہے کہ جو تصرف اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو عنایت فرماتا ہے بعینہٖ اسی قسم کا تصرف اولیاء کرام کو بھی عطا کرتا ہے اگر رُوحانی قوت کا مظاہرہ نبی کے ہاتھ سے ہو تو اسے معجزہ کہیں گے اور اگر اس کا ظہور ولی کے ہاتھ سے ہو تو اسے کرامت کہیں گے لیکن ابنِ کثیرؒ نے اسی کمال کو اولیائے کرام کے لیے دوسری طرح سے مانا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

اِنَّا لَا نُجَوِّزُ[2] ظُهُوْرَ الْکَرَامَۃِ عَلَی الْوَلِیِّ عِنْدَ اِدِّعَاءِ الْوَلَایَۃِ اِلَّا اِذَا اَقَرَّ عِنْدَ ذٰلِكَ الدَّعْوٰی بِکَوْنِهٖ عَلٰی دِیْنِ ذٰلِكَ النَّبِیِّ	ہم کسی مدعی ولایت سے ظہور کرامت کے اس وقت قائل ہوں گے جب وہ اس دعویٰ کے ساتھ یہ اقرار بھی کرے کہ میں اس نبی کے دین پر ہوں اور

---

[1] فتاویٰ حدیثیہ ج ۲ ص ۲۵۶

[2] تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۴۶۸

وَمَتٰی کَانَ الْاَمْرُکَذٰلِکَ صَارَتْ تِلْکَ الْکَرَامَۃُ لِذٰلِکَ النَّبِیِّ مُعْجِزَۃً وَّ مُؤَکِّدُ رِسَالَتِہٖ۔

جب دعویٰ اس صورت میں ہوا تو یہ کرامت اس نبی کا معجزہ ہوگا اور اس کی رسالت کی تائید ہوگی۔

بہرحال یہ تو ثابت ہوگیا کہ جس قسم کی خرق عادت قوت کا مظاہرہ نبی سے ہوسکتا ہے ولی سے بھی ہوسکتا ہے۔

علامہ نابلسی نے حدیقہ ندیہ میں فرمایا:

کرامات الاولیاء باقیۃ بعد موتہم ایضًا من زعم خلافہ ذٰلک فہو متعصب ولنا رسالۃ فی خصوص اثبات الکرامۃ بعد موت الولی۔

اولیاء کی کرامتیں بعد انتقال بھی باقی ہیں جو اس کے خلاف زعم کرے وہ جاہل اور متعصب ہے ہم نے ایک رسالہ خاص اس امر کے ثبوت میں لکھا ہے[1]

انبیاء علیہم السلام کے لیے تو ضروری ہے کہ ان کی روحوں کو اپنے اصلی اجسام کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے لیکن اولیاء کرام اور شہداء عظام کو اختیار دیا جاتا ہے اگر چاہیں تو اس کے دنیوی جسم ہی کو نورانی بنا کر پہنا دیا جاتا ہے یا ایک نیا نورانی جسم عطا کیا جاتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے ابن مندہ راوی حیان بن ابی جبلہ نے فرمایا:

بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الشَّہِیْدَ اِذَا اسْتُشْہِدَ اَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی جَسَدًا کَاَحْسَنِ جَسَدٍ ثُمَّ یُقَالُ لِرُوْحِہٖ اُدْخُلِیْ فِیْہِ فَیَنْظُرُ اِلٰی جَسَدِہِ الْاَوَّلِ مَا یُفْعَلُ بِہٖ۔[2]

مجھے حدیث پہنچی کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید کے لیے ایک جسم نہایت خوب صورت یعنی اجسامِ مثالیہ سے اترتا ہے اور اس کی روح کو کہتے ہیں اس میں داخل ہو پس وہ اپنے پہلے بدن کو دیکھتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں

اہل کشف میں سے اکثر نے بیان کیا ہے کہ وہ فوت شدہ آدمیوں کو ان کے شفاف نورانی جسموں کے ساتھ دیکھتے ہیں اور ایسے جسم جن کے ساتھ وہ دنیا وجہان میں زندگی بسر کرتے تھے وہ ان کی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں اور ان سے خطاب کرتے ہیں اور بعض مادی جسم ہی میں متشکل ہو کر اپنے

---

[1] حدیقہ ندیہ بحوالہ حیات الاموات ص ۱۱۳

[2] حیات الاموات مصنفہ اعلیٰ حضرت بریلویؒ ص ۴۴

دوستوں کی خدمات بجالاتے ہیں۔

كَمَا حَصَلَ لِلشَّيْخِ عَبْدِ اللهِ الْمَنُوْفِيِّ فَإِنَّهُ بَعْدَ وَفَاتِهِ كَانَ يَحْضُرُ لِكَرِيْمَتِهِ جَسَدًا ظَاهِرًا وَيَقْضِيْ لَهَا مَصَالِحَهَا۔[1]

جیسا کہ حضرت شیخ عبداللہ منوفی کو حاصل تھا کہ وہ اپنی وفات کے بعد اپنے اہل خانہ پر ظاہری جسم کے ساتھ حاضر ہوتے اور ان کی مصلحتوں اور ضرورتوں کو پورا کرتے۔

چنانچہ بے شمار واقعات اس قسم کے علامہ شعرانیؒ نے اپنی کتاب الطبقات الکبرٰی میں بیان فرمائے ہیں۔

شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں الابریز میں مذکور ہے کہ انہوں نے فرمایا عالمِ برزخ موجود ہے اہل حقایق کے لیے تمام ارواح جو فوت ہو چکے ہیں سب وہاں ظاہر ہیں کیونکہ عالمِ برزخ جنات، ملائکہ اور انسانوں کے تمام ارواح کا مسکن ہے اور اہل حقایق صوفیاء کے لیے ان ارواح کے ساتھ ملاقات کرنا اور باتیں کرنا ممکن ہے بلکہ اس کتاب میں یہ بھی ذکر آتا ہے کہ فوت شدہ اکابر کی ارواح اولیاء اللہ کی مجالس میں مشورہ کے لیے حاضر ہوتی ہیں اور ان سے صرف عالمِ برزخ میں اموات کے امور میں مشورے ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ مناویؒ کے لیے تمام عالمِ برزخ ظاہر تھا آپ عالمِ برزخ کی ارواح سے ہمکلام ہوتے تھے۔ برزخ سے مراد وہ فضا ہے جو اثیر سے پُر ہے اور اس کی وسعت عرش تک ہے۔[2]

ارواح کبھی اپنے اختیار سے حاضر ہوتی ہیں اور کبھی ان کو بلایا جاتا ہے

علامہ سید محمد الحریری البیومی اپنی کتاب الروح وماہیتہا میں لکھتے ہیں:

وَحُضُوْرُ الْاَرْوَاحِ لِمَجَالِسِ الصَّالِحِيْنَ تَارَةً[3] بِاخْتِيَارِ الْاَرْوَاحِ الصَّالِحَةِ لِاَنَّهَا مُطْلَقَةُ الْحُرِّيَّةِ تَأْتِيْ لِلتَّبَرُّكِ بِالصَّالِحِيْنَ اَوْ

کبھی نیک لوگوں کی مجلسوں میں ارواح کا حاضر ہونا صالح ارواح کے اختیار میں ہوتا ہے کیونکہ وہ بالکل آزاد ہوتے ہیں اور وہ صالحین کے پاس برکت کیلئے یا

---

[1] الروح وماہیتہا مطبوعہ مصر ص ۱۶۶ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۱۶۶ - ۱۶۷

بِاِمْدَادِهِمْ مِّنْ اَنْوَارِهِمْ اِنْ كَانُوْا مِنْ اَرْوَاحٍ عَالِيَةٍ وَّلَهُمْ فِي الْمَجَالِسِ اَحْبَابٌ اَوْ مُرِيْدُوْنَ بَلْ ذَكَرَ كَثِيْرٌ مِّنَ الصَّالِحِيْنَ اَنَّهٗ كَانَ يَحْضُرُ كِبَارَ الْاَوْلِيَاءِ الْمَنْقُوْلِيْنَ لِعَالَمِ الْبَرْزَخِ وَمِنْهُمْ مَنْ رَاٰى حَضْرَتَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فِيْ مَجْلِسِهٖ اِكْرَامًا لِهٰؤُلَاءِ الْجَمَاعَةِ وَاِمْدَادًا لَهُمْ لِمَا هُمْ فِيْهِ مِنْ صَلَاحٍ وَّتَقْوٰى وَهِيَ مَسْئَلَةٌ مَفْرُوْغٌ مِنْهَا عِنْدَ السَّادَةِ الصُّوْفِيَّةِ ذَكَرَهَا الْكَثِيْرُوْنَ وَدُوِّنَتْ فِيْ كُتُبِهِمْ مِّنْ عَهْدِ ظُهُوْرِ الْاِسْلَامِ لِلْاٰنِ وَمَا زَالَتْ هٰذِهِ الطَّبَقَةُ مَوْجُوْدَةً وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ -

ان کی امداد کے لیے آتے ہیں جو اپنی روحی انوار سے ان کی امداد کرتے ہیں اگر وہ ارواح عالیہ ہوں تو مجلس میں ان کے احباب یا مرید ہوتے ہیں بلکہ صالحین میں سے اکثر نے ذکر کیا کہ وُہ کبار اولیاء جو برزخ میں جا چکے ہیں حاضر ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے مجلس میں حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اس جماعت کی کرامت یا امداد کیلئے کیونکہ اس میں اصلاح و تقوٰی تھا اور یہ مسئلہ صوفیائے کرام کے نزدیک مشہور ہے اور اس کو بہت سے صوفیائے کرام نے ذکر کیا ہے اور اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور عہدِ اسلام کے ظہور سے لے کر آج تک یہ طبقہ موجود ہے والحمدُ للہ۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی مجلس میں کسی روحانی کا ذکر کیا جائے یا اس کی یادگار منائی جائے مثلاً اس کا میلاد یا اس کا عرس اور ان مجالس میں ان کی روحوں کو قرآن مجید پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا جائے اور ان سے پوری محبت کا اظہار کیا جائے تو اس محبتِ روحی کی کشش سے وُہ رُوح جس کی یاد منائی جا رہی ہو، حاضر ہوتی ہے اور اس میں شمولیت کرنے والوں کو حسبِ استعداد اور محبت و اعتقاد کے مطابق فیض بخشتی ہے چنانچہ سید احمد بدویؒ کا مولد بہت مشہور تھا اس میں آپ لوگوں کو کبھی خواب کے ذریعے اور کبھی ظاہری طور پر لوگوں کو بلاتے تھے فوت ہونے کے بعد ان کی رُوح ہر ایک مرید کو کہتی کہ فلاں تاریخ کو میرا مولد ہے فوراً پہنچو علامہ عبدالوہاب شعرانی نے طبقات الکبرٰی میں ان کے اس قسم کے بہت سے واقعات تحریر کیے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ۹۴۸ ھ میں ان کے مولد میں معمول کے دن نہ پہنچا مجھے دیر ہوگئی وہاں بعض اولیاء اللہ موجود تھے انہوں نے مجھے خبر دی کہ اُس دن سید احمد رضی اللہ عنہ اپنے مرقد کا پردہ اٹھا کر کہتے تھے کہ عبدالوہاب نے دیر لگائی نہ آیا اور ایک سال میں نے ارادہ کیا تھا کہ اب کے نہ جاؤں گا اس پر میں نے سید احمدؓ کو

دیکھا کہ سبز لکڑی ہاتھ میں لیے ہیں اور تمام اطراف سے لوگوں کو بُلا رہے ہیں بے شمار خلقت ان کے پیچھے اور دائیں بائیں ہے پھر وہ میرے پاس پہنچے اور میں مصر میں ہوں اور مجھ سے کہا کہ کیا تو نہیں جائے گا؟ میں نے جواب دیا کہ مجھ کو درد ہے انہوں نے فرمایا کہ درد عاشق کو نہیں روک سکتا، بعدہٗ مجھے اولیاء، غیر اولیاء، زندوں اور مردوں کا ایک انبوہِ کثیر دکھلایا جس میں بہت بوڑھے اور اپاہج تھے ان کے بعد مجھے قیدیوں کی ایک جماعت دکھائی جن کے زنجیریں اور بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور فرنگیوں کے ملکوں سے کھسکتے ہوئے آرہے تھے ان کو دکھلا کر مجھ سے کہا کہ ان لوگوں کو دیکھو کہ اس حال میں بھی غیر حاضر رہنا نہیں چاہتے یہ ماجرا دیکھ کر میرا حاضری کا ارادہ قوی ہوا —— میں نے یہ واقعہ شیخ محمد شناوی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ "سارے اولیاء تو لوگوں کو قاصدوں کے ذریعہ بلاتے ہیں اور سیدی احمد رضی اللہ عنہ خود ہی لوگوں کو حاضر ہونے کے لیے کہتے پھرتے ہیں۔

جو لوگ آپ کے مولد میں شریک ہوتے وہ فیض و برکات سے جھولیاں بھر کر لے جاتے اسی طرح جو لوگ کامل اولیاء اللہ کی یادگاریں مناتے ہیں وہ ان کے روحانی فیوض و برکات سے ضرور بہرہ یاب ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ کی ارواح خود حاضر ہو کر روحانی فیض تقسیم کرتی ہیں۔ کبھی اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو محبت سے نام لے کر پکارا جائے تو اس طریق سے بھی فیض ہوتا ہے لیکن اس میں توجہ تام اور تصور شرط ہے۔ عالمِ ناسوت میں کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہو تو اُسے آواز دیتے ہیں اور پکارتے ہیں اسی طرح عالمِ ارواح یعنی ملکوت میں کسی کو اپنی جانب متوجہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا تصوّر کرتے ہیں اور اس کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ روح بھی متوجہ ہو جاتی ہے لہٰذا جب چند روحانی لوگ ایک پاکیزہ جگہ پر بیٹھ کر کسی رُوحانی بزرگ کی طرف کامل طور پر توجہ کرتے ہیں تو ان سب کی توجہ مل کر ایک کامل ترین توجہ اور زبردست قوت بن جاتی ہے۔ چنانچہ وُہ روح بھی متوجہ ہو جاتی ہے اور اپنے مرکزِ اصلی سے جُدا بھی نہیں ہوتی۔

ارواح جب کسی صورت میں متشکل ہوتی ہیں تو وہ اس صورت سے بالذات جُدا نہیں ہو سکتیں اور اپنی لبساطِ اصلی کی طرف نہیں لوٹ سکتیں لیکن اس کی طاقت رکھتی ہیں کہ اپنی اصلی

صورت کو چھوڑے بغیر جس صورت کے ساتھ چاہیں متشکل ہو سکیں۔

سیّد احمد زروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ اکابر علماء و اولیاء دیارِ مغرب سے ہیں اپنے قصیدے میں ارشاد فرماتے ہیں: ؎

أَنَا لِمُرِيدِي جَامِعٌ لِّشَتَاتِهٖ
إِذَا مَا سَطَا جَوْرُ الزَّمَانِ بِنَكْبَتٖ

(میں اپنے مرید کی پریشان حالی کو تسلّی دینے والا ہوں جب زمانہ کا ظلم اپنی نحوست سے اس پر تعدی کرے)

فَإِنْ كُنْتَ فِي ضَيْقٍ وَّكَرْبٍ وَّ وَحْشَةٍ
فَنَادِ بِيَا زَرُّوقُ اٰتِ بِسُرْعَتٖ

(اگر تو کسی تنگی بے چینی اور وحشت میں ہو تو یا زروق کہہ کر پکار میں فوراً موجود ہو جاؤں گا)

امام عبدالوہاب شعرانی سیدنا شیخ محمد بن احمد فرغل رضی اللہ عنہ (متوفی چند سال بعد ۸۵۰ھ) کے متعلق فرماتے ہیں:

وَكَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ أَنَا مِنَ الْمُتَصَرِّفِينَ فِي قُبُورِهِمْ فَمَنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ فَلْيَأْتِ إِلَى قُبَالَةَ وَجْهِي وَيَذْكُرُهَا لِي أَقْضِيهَا لَهٗ۔[۲]

یعنی شیخ محمد فرغلؒ فرماتے تھے کہ میں اُن میں سے ہوں جو اپنی قبروں میں تصرف فرماتے ہیں اس لیے جسے کوئی حاجت ہو تو وہ میرے پاس میرے سامنے آئے اور اپنی حاجت بیان کرے میں (باذن اللہ) اس کی حاجت پوری کروں گا۔

ابو المعالی عبدالرحیم بن منظفر بن مہذب قرشی نے بیان کیا کہ حافظ ابو عبداللہ محمد بن محمود بن النجار البغدادی نے بغداد میں ہمیں خبر دی کہ مجھے عبداللہ جبائی نے لکھا اور میں نے اس کے خط سے نقل کیا کہ میں ہمدان میں اہل دمشق میں سے ایک شخص سے ملا جس کو ظریف کہتے تھے اس نے

---

[۱] بستان المحدثین ص ۳۰۶ [۲] الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۵

کہا کہ میں نیشاپور یا خوارزم کے راستے میں بشر قرظی سے ملا اور اس کے ساتھ چودہ اونٹ شکر سے لدے ہوئے تھے اس نے مجھ سے ذکر کیا کہ ہم ایک خوفناک جنگل میں اترے جہاں بھائی بھائی کا ساتھ نہ دیتا تھا جب ہم نے شروع رات سے بوجھ لادے تو چار لدے ہُوئے اونٹوں کو نہ پایا میں نے ہر چند تلاش کی مگر نہ ملے اور قافلہ چل دیا میں اونٹوں کو ڈھونڈھنے کے لیے پیچھے رہ گیا اور شتربان بھی میری مدد کے لیے میرے ساتھ ٹھہر گیا ہم نے اونٹوں کو ڈھونڈھا مگر نہ پایا جب صبح نمودار ہوئی تو مجھے سید نا شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی کا قول یاد آیا کہ " اگر تو کسی سختی میں مبتلا ہو تو مجھے پکار ، وہ سختی جاتی رہے گی "۔ اس لیے میں نے یُوں پکارا ؛ یا شیخ عبد القادر میرے اونٹ جاتے رہے ، یا شیخ عبد القادر جیلانی میرے اونٹ جاتے رہے ۔ پھر مشرق کی طرف جو میں نے توجہ کی تو فجر کی روشنی میں ایک شخص کو میں نے ٹیلے پر دیکھا جو نہایت سفید کپڑے پہنے ہُوئے تھا وہ اپنی آستین سے مجھے اشارہ کر رہا تھا یعنی کہہ رہا تھا کہ ادھر آؤ مگر جب ہم ٹیلے پر چڑھے تو کوئی شخص نظر نہ آیا ، پھر ہم نے چاروں اونٹ ٹیلے کے نیچے جنگل میں بیٹھے دیکھے ہم نے پکڑ لیے اور قافلہ سے جا ملے ۔ ابو المعالی کا قول ہے کہ پھر میں شیخ ابو محسن علی خباز کے پاس آیا اور اس سے یہ حکایت بیان کی ۔ اس نے کہا کہ میں نے شیخ ابو القاسم عمر بزاز سے سُنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے شیخ محی الدین عبد القادر سے سنا کہ فرماتے تھے " جس نے کسی مصیبت میں مجھ سے فریاد کی وہ مصیبت دُور ہو گئی ، جس نے کسی سختی میں میرا نام پکارا تو وہ سختی جاتی رہی ، جس نے کسی حاجت میں اللہ کی طرف میرا وسیلہ پکڑا وہ حاجت پُوری ہو گئی "۔[1]

حصن حصین میں ہے :

اِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّتُهٗ فَلْيُنَادِ اَعِيْنُوْنِيْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ ۔ — جب اس کا جانور بھاگ جائے تو پکار کر کہے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو ۔

نیز اسی صفحہ پر ہے ؛

وَاِنْ اَرَادَ عَوْنًا فَلْيَقُلْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِيْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِيْ ۔ — اور اگر مدد چاہے تو تین بار کہے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو ۔

آگے فرماتے ہیں قَدْ جُرِّبَ ذٰلِكَ یعنی یہ بات آزمائی ہُوئی ہے ۔[2]

---

[1] بہجۃ الاسرار ص ۱۰۲ — [2] حصن حصین ص ۲۸۳

استمداد اولیاء اللہ کے جواز پر دلائل واضحہ سے بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور یہ ثبوت بھی براہین ساطعہ سے دیئے گئے ہیں کہ جن حضرات سے ظاہری زندگی میں امداد لی جا سکتی ہے بعد وصال بھی ان سے مدد لی جا سکتی ہے کما قال حجۃ الاسلام محمد الغزالی مَنْ یُسْتَمَدُّ فِی حَیَاتِہٖ یُسْتَمَدُّ بَعْدَ مَمَاتِہٖ۔

لیکن یہ ہمارا موضوع نہیں اس کے لیے دوسری کتابیں ملاحظہ فرمائیں۔ ہمارا مقصد اس بات کو واضح کرنا ہے کہ ارواح کاملین کو بلایا بھی جا سکتا ہے چونکہ بعض غیر مقلدین کو یہ شرک معلوم ہوتا ہے اس لیے مختصر طور پر عرض کیا جاتا ہے کہ اگر ارواح اولیاء اللہ کو مظہر عون الٰہی سمجھ کر یا یُوں سمجھو کہ اعانتِ الٰہی کا سبب سمجھ کر پکارا جائے تو یہ شرک کیسے ہو سکتا ہے ہم اولیاء اللہ کی پُوجا نہیں کرتے خدا تعالیٰ کے مقرب بندے اور محبوب شخصیتیں سمجھ کر ان کی تعظیم کرتے ہیں قرآن کریم ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا و آخرت میں ملائکہ اہل ایمان کی مدد کرتے ہیں بدر میں مسلمانوں کی اعانت کے لیے ملائکہ کا نزول ہُوا خدا تعالیٰ نے ان کے سبب صحابہ کرام کی مدد کی پس بجائے ملکوتی ارواح کے انسانی روحوں سے بھی اگر پہنچے تو ہم انہیں خدا تعالیٰ کی مدد ہی کا سبب قرار دیں گے آخر ہم اسے مشرکانہ عقائد میں کیسے داخل کر سکتے ہیں؛ صاف اور واضح مسئلہ یہ ہے کہ امداد حاصل کرنے کے لیے ملکوتی ارواح ہوں یا انسانی رواح ہر ایک کی عبادت شرک ہے اور وہ ایسا گناہ ہے جو کبھی بخشا نہیں جا سکتا۔ لیکن اگر فرشتوں یا بزرگوں کی روحوں کو امدادِ الٰہی کا سبب یا مظہر عونِ الٰہی سمجھ کر ان سے مدد طلب کی جائے تو اس کو شرک سمجھنا غباوت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اور پھر ہمارے اس طریقہ دعوت الارواح میں تو صرف توجہ اور تصور سے کام لیا جاتا ہے جس میں شرک کا اشتباہ بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔

عالم غیبی کی لطیف مخلوق تین قسم کی ہے: اوّل جنّ، دوم ملائکہ، سوم ارواح۔ جنّات اور ملائکہ یعنی موکّلات کو بلانے اور حاضر کرنے کے طریقے عاملین میں مشہور و معروف ہیں جنّات اور ارواحِ خبیثہ کو بلانے اور ان سے مدد لینے کے طریقے سفلی عاملوں میں بہت پائے جاتے ہیں جادو اور ٹونہ وغیرہ کو اسی لیے کفر قرار دیا گیا ہے کہ وہ لوگ شیاطین، جنّاتِ خبیثہ اور ارواحِ سفلیہ کو جو خدا و رسول کے دشمن ہیں بلا کر ان سے مدد لیتے ہیں اور وُہ مدد اسی صورت میں کرتے ہیں کہ سفلی عامل

پُوری طرح خدا و رسول کا منکر ہو اور ہر بُرے عمل کا پابند ہو اور وُہ سخت ناپاک اور غلیظ رہے۔

ملائکہ اور ارواحِ مقدسہ کو بُلانے کے طریقے بزرگانِ دین جانتے ہیں جب وہ نیک اعمال کرتے ہیں نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن، ذکر و فکر تہِ دِل اور خلوص سے کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی امداد کے لیے ملائکہ اور ارواحِ طیبہ کو مقرر کر دیتا ہے۔

روح کو بلانے کا ثبوت قرآن کریم سے

قرآن کریم کے پہلے پارے اور سورۂ بقرہ میں موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا ایک قصہ مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کے اندر ایک بڑا آدمی قتل ہو گیا جس کے قاتل کا پتہ نہیں لگتا تھا اس کے سبب قوم میں جھگڑے اور فساد رُونما ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا چنانچہ اس وقت ان لوگوں نے اس معاملہ کی تحقیق کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع کیا کہ آپ اپنی باطنی اور غیبی طاقت سے اصل قاتل کا پتہ لگا دیں تاکہ قوم میں جھگڑا اور فساد رُونما نہ ہونے پائے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو ایک خاص قسم کی گائے تلاش کرنے کا حکم دیا بہت تلاش اور جستجو کے بعد ویسی گائے مل گئی اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اس گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا جب وُہ ذبح کی گئی تو آپ نے حکم دیا کہ اس کے فلاں عضو کے گوشت کو اس مقتول کے جسم پر مارو جب اس طرح کیا گیا تو مقتول ایک لحظہ کے لیے زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے قاتل کا نام بتا دیا اور اس طرح یہ جھگڑا مِٹ گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا ۖ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ [1]

اے بنی اسرائیل یاد کرو اس وقت کو جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اور تم اس کے قاتل کی نسبت شک میں پڑ گئے تھے تو اللہ تعالیٰ ہی ظاہر کرنے والے ہیں اس معاملے کو جس کو تم نے چھپایا تھا پس ہم نے کہا کہ اس گائے کے بعض حصّے کو مقتول کے جسم پر مارو تو وہ جی اٹھا تب

---

[1] البقرہ ۱: ۹

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اس طرح مُردہ کو زندہ کرتے ہیں اور تمہیں اپنی قدرت کے کرشمے دکھاتے ہیں تاکہ تم سمجھ جاؤ۔

حضرت قبلہ سیّدی و مرشدی فقیر نور محمد صاحب قادری سروری قدس سرہٗ اپنی کتاب "عرفان" حصہ اوّل میں اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں:

"اس سے ثابت ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے باطنی علم اور روحانی طاقت سے اس مقتول کی رُوح کو حاضر کیا اور تمام لوگوں کے سامنے اس سے ہمکلام ہو کر اس سے صحیح حالات دریافت کیے ایسی صورت اگر ایک فرد میں صحیح ہو سکتی ہے تو تمام افرادِ انسانی میں بھی صحیح ہونی چاہیے بشرطیکہ کوئی شخص اس غیر معمولی علم کا ماہر ہو اور صحیح طریقے پر رُوح کی حاضرات کرے تو ضرور روحانی حاضر ہو کر ہم سخن اور ہم کلام ہوتے ہیں اور یہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے بعض لوگ کہیں گے کہ یہ تو پیغمبر کا معجزہ تھا کہ وہ مردہ زندہ ہو گیا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر معجزہ تھا اور حاضراتِ ارواح کا علم نہ ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام ہاتھ پھیر کر اسے زندہ کر دیتے ایک خاص قسم کی گائے کو ذبح کرنے اور اس کے جسم کے خاص حصے کو مقتول کے جسم پر مارنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ ساری ترتیب حاضراتِ ارواح کا طریقہ تھا اور دُوسری بات یہ ہے کہ اگرچہ نبوّت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے لیکن امتِ مرحومہ کے اندر پیغمبر کی آسمانی کتاب، اس کا علم اور اس کی رُوحانی طاقت بطور ورثہ موجود ہے اور قیامت تک رہے گی جیسا کہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (ترمذی) کہ میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہوں گے اور ویسی روحانی طاقت رکھیں گے اور یہ بھی فرمایا کہ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ (مشکوٰۃ) علماء انبیاء کے وارث ہیں یہ وراثت محض مسئلے مسائل اور قیل و قال کی نہیں ہے بلکہ رُوحانی طاقت اور حال کی بھی ہونی چاہیئے"[1]۔

رُوح کو بلانے کا ثبوت کتابِ مقدس یعنی پُرانا اور نیا عہد نامہ سے

کتاب مقدس عیسائیوں کی معتبر اور مشہور کتاب ہے اس میں سموئیل پیغمبر کے تذکرہ میں

---

[1] عرفان حصہ اول ص ۳۲۸

یُوں درج ہے :

"اور سموئیل مرچکا تھا اور سب اسرائیلیوں نے اس پر نوحہ کر کے اسے اس کے شہر رامہ میں دفن کیا تھا اور ساؤل نے جنات کے آشناؤں اور افسوں گروں کو ملک سے خارج کر دیا تھا اور فلستی جمع ہُوئے اور آکر شونیم میں ڈیرے ڈالے اور ساؤل نے بھی سب اسرائیلیوں کو جمع کیا اور وہ جلبوعہ میں خیمہ زن ہُوئے اور جب ساؤل نے فلستیوں کا لشکر دیکھا تو ہراساں ہُوا اور اس کا دِل بہت کانپنے لگا اور جب ساؤل نے خداوند سے سوال کیا تو خداوند نے اُسے نہ تو خوابوں اور نہ اُوریم اور نہ نبیوں کے وسیلہ سے کوئی جواب دیا تب ساؤل نے اپنے ملازموں سے کہا کوئی ایسی عورت میرے لیے تلاش کرو جس کا آشنا جن ہو تاکہ میں اس کے پاس جا کر اس سے پُوچھوں ۔ اس کے ملازموں نے اس سے کہا : دیکھ عین دور میں ایک عورت ہے جس کا آشنا جن ہے سو ساؤل نے اپنا بھیس بدل کر دُوسری پوشاک پہنی اور دو آدمیوں کو ساتھ لے کر چلا اور وہ رات اس عورت کے پاس آئے اور اس نے کہا ذرا میری خاطر جن کے ذریعہ سے میرا فال کھول اور جس کا نام تجھے بتاؤں اُسے اُوپر بُلا دے تب اس عورت نے اس سے کہا دیکھ تو جانتا ہے کہ ساؤل نے کیا کِیا کہ اس نے جنات کے آشناؤں اور افسوں گروں کو ملک سے کاٹ ڈالا ہے پس تُو کیوں میری جان کے لیے پھندا لگاتا ہے تاکہ مجھے مروا ڈالے تب ساؤل نے خداوند کی قسم کھا کر کہا کہ خداوند کی حیات کی قسم اس بات کے لیے تجھے کوئی سزا نہیں دی جائے گی ۔ تب اس عورت نے کہا میں کس کو تیرے لیے اُوپر بلاؤں ؟ اس نے کہا سموئیل کو میرے لیے بُلا دے ۔ جب اس عورت نے سموئیل کو دیکھا تو بلند آواز سے چلائی اور ساؤل سے کہا تُو نے مجھ سے کیوں دغا کی ؟ کیونکہ تُو تو ساؤل ہے ۔ تب بادشاہ نے اس سے کہا : ہراساں مت ہو تجھے کیا دکھائی دیتا ہے ؟ اُس نے ساؤل سے کہا : مجھے ایک دیوتا زمین سے اُوپر آتے دکھائی دیتا ہے تب اُس نے اس سے کہا اس کی شکل کیسی ہے ؟ اس نے کہا ایک بُڈھا اُوپر کو آرہا ہے اور جُبہ پہنے ہے ۔ تب ساؤل جان گیا کہ وہ سموئیل ہے اور اس نے مُنہ کے بل گِر کر زمین پر سجدہ کیا سموئیل نے ساؤل سے کہا تُو نے مجھے کیوں بے چین کیا کہ مجھے اُوپر بلوایا ؟ ساؤل نے جواب دیا میں سخت پریشان ہُوں کیونکہ فلستی مجھ سے لڑتے ہیں اور خدا مجھ سے الگ ہو گیا ہے اور نہ تو نبیوں اور نہ خوابوں کے وسیلہ سے مجھے

جواب دیتا ہے اس لیے میں نے تجھے بلایا تاکہ تُو مجھے بتائے کہ میں کیا کروں، سموئیل نے کہا پس تُو مُجھ سے کس لیے پُوچھتا ہے جس حال کہ خداوند تجھ سے الگ ہوگیا اور تیرا دشمن بنا ہے اور خداوند نے جیسا میری معرفت کہا تھا ویسا ہی کیا ہے خداوند نے تیرے ہاتھ سے سلطنت چاک کر لی اور تیرے پڑوسی داؤد کو عنایت کی ہے اس لیے کہ تُو نے خداوند کی بات نہیں مانی اور عمالیقیوں سے اس کے قہر شدید کے موافق پیش نہیں آیا اسی سبب سے خداوند نے آج کے دن تجھ سے یہ برتاؤ کیا۔ ماسوا اِس کے خداوند تیرے ساتھ اسرائیلیوں کو بھی فلستیوں کے ہاتھ میں کر دے گا اور کل تُو اور تیرے بیٹے میرے ساتھ ہوں گے اور خداوند اسرائیلی لشکر کو بھی فلستیوں کے ہاتھ کر دے گا تب ساؤل فوراً زمین پر لمبا ہو کر گرا اور سموئیل کی باتوں کے سبب سے نہایت ڈر گیا۔"[1]

حاضراتِ ارواح کا علم قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے

سیّد محمد الحریری البیومی المصری لکھتے ہیں۔ یہ علم (حاضراتِ ارواح) قدیم علم ہے اور قدیم مذہبی کتابوں میں بھی اس کا ذکر موجود ہے خصوصاً ہنود، مصری اور کلدانیوں میں اس کا بہت چرچا ہے اور اپنے قدیم ہونے کی وجہ سے یہ علم مشہور تھے، اور جب اسلام کا ظہور ہوا تو یہ علم صوفیائے کے لیے ان کی ریاضت اور سلوک کے درمیان ظاہر ہو جاتا ہے اور یہ ایک ایسی جلی اور ظاہر حالت ہے جس میں کوئی ابہام یا شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے صوفیاء کو فتح نصیب ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے نیک اور سعید ارواح ان کے لیے ظاہر ہو جاتے ہیں اور وہ جنات، ملائکہ اور انسانی ارواح میں امتیاز کر لیتے ہیں.....

صوفیائے کرام نے گزرے ہوئے ارواح سے ملاقات کر کے بات چیت کی ہے کیونکہ جس صوفی کو باطنی فتح نصیب ہو جاتی ہے تو وہ عالمِ برزخ میں ارواح کو بنفسہ دیکھتا ہے اور موت کے بعد ارواح کی زندگی دینِ اسلام کے خلاف نہیں ہے اور بہت سے صوفیائے کرام

---

[1] کتاب مقدس ص ۲۹۰ ب ۲۸ مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور

ان ارواح کو اُن کے نورانی شفاف وجودوں کے اندر دیکھتے ہیں اور ان سے باتیں بھی کرتے ہیں اور وہ ارواح ان کی مجلسوں میں حاضر ہو کر علوم و معارف اور ارشاد میں امداد کرتے ہیں اور بعض ارواح زندہ لوگوں کی مجلسوں میں تبرک کے لیے حاضر ہو جاتے ہیں لیکن وہی ارواح ایسی مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں جو عالمِ برزخ میں آزاد ہوتے ہیں اور یہ نیک اور صالح لوگوں کے سعید روح ہیں جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کر چکے ہیں[1]....

اسی طرح امام عبدالوہاب شعرانیؒ نے اپنی کتاب طبقات الاولیاء میں ذکر کیا ہے۔ الابریز میں مذکور ہے کہ حضرت عبدالعزیز دباغؒ نے فرمایا عالمِ برزخ اپنے تمام ارواح کے ساتھ اہلِ فتح یعنی کامل صوفیا کے لیے ایک کھلی کتاب ہے۔

دیوان صالحین کا غارِ حرا میں انعقاد

سید عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ ابریز شریف میں صالحین کی ایک کچہری یعنی دیوان کا ذکر فرماتے ہیں جس میں زندہ اور فوت شدہ ولی جمع ہوتے ہیں اور اس میں کئی قسم کے بڑے بڑے فیصلے کیے جاتے ہیں اس میں کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شرکت فرماتے ہیں اکثر وقت کا غوث اس دیوان کا صدر ہوتا ہے اس کی پوری تفصیل ابریز میں پڑھیں[2]۔

حضرت امام عبدالوہاب شعرانیؒ بھی فرماتے ہیں:

[3]وَقَدِ اشْتَهَرَ عَنْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَوْلِيَاءِ الَّذِيْنَ هُمْ دُوْنَ الْاَئِمَّةِ الْمُجْتَهِدِيْنَ فِي الْمَقَامِ بِيَقِيْنٍ اِنَّهُمْ كَانُوْا يَجْتَمِعُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرًا وَّيُصَدِّقُهُمْ اَهْلُ عَصْرِهِمْ عَلٰى ذٰلِكَ۔

اولیاء کرام جو ائمہ مجتہدین سے کم رتبہ ہیں ان سے مشہور ہے کہ وہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکثر جمع ہوتے ہیں۔ اس بات پر اہل عصر نے تصدیق کی ہے۔

---

[1] الروح و ماہیتہا ص ۲۷، ۲۸

[2] اردو ترجمہ ابریز حصہ دوم ص ۳۸۳ - ۴۰۹

[3] میزان کبریٰ ص ۴۴

حضرت سلطان العارفین سلطان باہُو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس وقت فقراللہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس منور میں حاضر ہوتے ہیں جب نماز کا وقت آتا ہے تو اس وقت حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم صادر ہوتا ہے کہ جو اولیاء اللہ حاضرِ مجلس بقید حیات ہیں وہ جا کر ظاہری نماز ادا کریں ورنہ حضور سے سلب ہو جائیں گے۔"[1]

الحاصل یہ ثابت ہُوا کہ کبھی روحانی مجالس میں زندہ ولیوں کو فوت شدہ ولی بلا لیتے ہیں اور کبھی ظاہری حیات کے حامل اولیاء اللہ اپنی ظاہری مجالس میں فوت شدہ اولیاء اللہ کی روحوں کو بلا لیتے ہیں اور یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا ہے۔

ارواح کا ازلی رابطہ

جن لوگوں کی روحیں پاک وصاف اور قوی ہوتی ہیں وُہ ازل ہی سے ایک دوسرے کو جانتی پہچانتی ہیں چنانچہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں جنہیں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا خطاب اور بَلٰی کا کہنا اب تک یاد ہے۔[2]

حافظ ابونعیم نے حارث بن عمیر سے روایت کی ہے کہ میں نے سفر کیا، مدائن آیا تو ایک شخص ملا جس پر پرانے کپڑے ہیں اور اس کے پاس ایک سُرخ چمڑا ہے جسے وُہ مل رہا ہے، وہ متوجہ ہُوا مجھے دیکھا اور کہا اے اللہ کے بندو وہیں ٹھہرو میں نے اس شخص سے جو میرے پاس تھا پُوچھا: یہ شخص کون ہے؟ اس نے بتایا کہ یہ سلمانؓ ہیں پھر آپ گھر میں تشریف لے گئے اور سفید کپڑے پہنے پھر آئے اور میرا ہاتھ پکڑ لیا مصافحہ کیا اور حال پُوچھنے لگے میں نے عرض کیا اے ابو عبداللہ! نہ آپ نے مجھ کو کبھی پہلے دیکھا نہ میں نے آپ کو نہ آپ مجھے پہچانتے ہیں نہ میں آپ کو، فرمایا: ہاں! مگر قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جب وقت میں نے تم کو دیکھا ہے اسی وقت میری رُوح نے تمہاری رُوح کو پہچان لیا ہے کیا تم حارث بن عمیر نہیں ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! - فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرماتے تھے کہ

---

[1] بحوالہ سلطان الاوراد ص ۲۱۲ [2] جمال الاولیاء مصنفہ مولانا اشرف علی تھانوی ص ۴۹

"روحیں ایک جمع کیا ہوا لشکر تھیں ان میں سے جن میں تعارف ہو گیا تھا اُن میں انس ہے اور جن میں اجنبیت رہی تھی ان میں اختلاف ہوا"

ارواح آپس میں ملاقات کرتی ہیں

حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ رُوحیں دُو قسم کی ہیں یا عذاب میں یا نعمتوں میں، جو عذاب میں ہیں وہ تو اس عذاب کی وجہ سے ایک دُوسرے کی زیارت و ملاقات نہیں کر سکتیں اور جو نعمتوں میں ہیں ان میں جو آزاد ہیں اور محبوس نہیں ہیں وہ آپس میں ملتی بھی ہیں اور ایک دوسرے سے دنیا کے احوال کا تذکرہ بھی کرتی ہیں چنانچہ ہر روح اپنی اس رفیق روح کے ساتھ ہوتی ہے جس کے اعمال اس جیسے[۱] ہوتے ہیں۔

احادیث میں صراحتاً بیان کیا گیا ہے کہ ارواح آپس میں ملتی اور ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں۔ ابن ماجہ نے محمد بن المنکدر سے روایت کی ہے کہ جب جابر بن عبداللہ کی وفات کا وقت آیا تو میں اس کے پاس گیا تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام کہنا[۲]

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا فتویٰ

سوال: بعض جگہ دستور ہے کہ جب مردہ کو نہلا کر کفن پہنایا جاتا ہے اس وقت مُردے کے کان میں کہہ دیتے ہیں کہ میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہنا، یہ کیسا ہے؟

جواب: بعض سلف سے ثابت ہے کہ مُردہ کے ہاتھ برزخ والوں کو سلام کہہ دیتے تھے، اس بنا پر جائز ہے مگر یہ اسی حالت میں ہو سکتا ہے جب مُردہ بات سوچنے سمجھنے کے لائق ہو یعنی موت سے قبل ہوش میں ہو نہ کہ بعد کفنانے کے کہ محض جہل ہے[۳]۔

---

[۱] کتاب الروح ص ۱۹ [۲] شرح الصدور ص ۵۹

[۳] امداد الفتاویٰ جلد اوّل ص ۵۰۴ سوال نمبر ۶۴ بحوالہ حیاتِ جاوداں

زندوں کی روحوں کی ملاقات مُردوں کی روحوں سے ہوتی ہے

حافظ ابن قیم کتاب[1] الروح میں فرماتے ہیں کہ اس کے لاتعداد شواہد پائے جاتے ہیں اور ہم آئے دن مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ زندوں اور مُردوں کی رُوحوں کی آپس میں ملاقات ہوتی ہے ابن قیم نے اس کی شہادت میں بہت سی خوابیں بیان کی ہیں چند ایک درج ذیل ہیں:

صعب بن جثامہؓ اور عوفؓ بن مالک کا معاملہ

صعب بن جثامہؓ اور عوف بن مالکؓ دونوں صحابی ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر ان دونوں کو بھائی بھائی بنا دیا تھا ان کی آپس میں بہت دوستی تھی، صعبؓ نے عوفؓ سے کہا بھائی ہم میں سے جو بھی پہلے مرے وُہ دُوسرے کو خواب میں ضرور دکھائی دے۔ عوفؓ نے کہا: کیا ایسا بھی ہونا ہے؟ صعبؓ نے کہا: ہاں۔ صعبؓ پہلے مر گئے، عوفؓ نے انہیں خواب میں دیکھا، پُوچھا: بھائی کیا حال ہے؟ کہا: سخت مصیبتوں کے بعد مغفرت ہُوئی اور میں نے اس کی گردن میں ایک سیاہ نشان دیکھا میں نے پوچھا: یہ سیاہ نشان کیسا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں نے فلاں یہودی سے دس دینار قرض لیے تھے وہ میرے ذمے ہیں انہیں ادا کر دیا جائے۔ اے بھائی یاد رکھو میرے مرنے کے بعد میرے گھر والوں کو جو واقعہ بھی پیش آیا ہے مجھے اس کا علم ہو گیا ہے یہاں تک کہ ہماری جو بلّی تھی اس کا بھی مجھے علم ہے کہ چند دن ہُوتے مر گئی ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ میری بیٹی چھ دن تک مر جائے گی اس کا خیال رکھنا۔ جب دن ہُوا تو اس خواب کی چند علامات ہیں میں اس کے گھر گیا اہلِ خانہ میرے آنے سے بہت خوش ہُوئے اور بطور گلہ کہنے لگے کہ اپنے مرے ہُوئے بھائی کے گھر والوں سے یہی برتاؤ کیا جاتا ہے؟ جب سے صعبؓ مرا آپ آئے ہی نہیں۔ عوفؓ کہتے ہیں کہ میں نے عام دستور کے مطابق عذر پیش کیا۔ پھر صعبؓ کی ایک تھیلی میں سے دینار نکالے اور یہودی کو رقم ادا کر دی۔ میں نے دل میں کہا: ایک بات تو

---

[1] کتاب الروح ص ۲۳

یہ درست ہُوئی۔

پھر میں نے گھروالوں سے پُوچھا کہ صعبؓ کی وفات کے بعد کوئی واقعہ پیش آیا؟ انہوں نے کچھ واقعات بیان کیے اور ان میں بلّی کے مرنے کا بھی ذکر کیا میں نے کہا کہ یہ دوسری بات ہُوئی۔ پھر میں نے کہا کہ میرے بھائی کی بیٹی کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا وُہ کھیل رہی ہے۔ جب اُسے لایا گیا اور میں نے اُسے چھُوا تو دیکھا کہ اسے بخار ہو رہا ہے میں نے ان سے کہا اس کا خیال رکھنا اور وُہ چھ دن میں مرگئی۔[1]

ثابت بن قیسؓ کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکرؓ کا اُن کی وصیّت کو جائز قرار دینا

ثابت ابن قیسؓ جلیل القدر صحابی تھے یہ وہی صحابی تھے جو بوقت نزول آیۂ لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ النَّبِیِّ گھر میں گھُس گئے اور باہر نہ نکلے کیونکہ یہ بلند آواز تھے حضور علیہ السّلام نے انہیں بشارت دی اور فرمایا کہ اس آیت کا اطلاق تم پر نہیں ہوتا تم شہادت کی موت مروگے اور جنت میں جاؤ گے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جنگِ یمامہ میں شریک ہوئے اور شہادت پائی۔ شہادت کے وقت یہ ایک عمدہ زرہ پہنے ہُوئے تھے۔ ایک مسلمان نے اس زرہ کو اتار لیا اور لے کر چلا گیا۔ حضرت ثابتؓ ایک اور شخص کو خواب میں ملے اور کہا میں تجھے وصیت کرنے آیا ہوں کہیں اس کو خواب سمجھ کر ردّ نہ کر دینا کل جب میں شہید ہُوا تو ایک مسلمان میرے پاس سے گزرا اور میری زرہ لے کر چل دیا اس کا گھر سب سے دُور ہے۔ اس کے خیمہ کے پاس ایک گھوڑا مع رسّی کے دوڑ رہا ہے اس مسلمان نے زرہ پر ایک ہنڈیا ڈال رکھی ہے اور ہنڈیا کے اُوپر پالان رکھا ہُوا ہے۔ تو خالد بن ولیدؓ سے جا کر تمام قصّہ سُنا دینا اور کہنا کہ قیسؓ کی زرہ منگوا لے اور جب تُو ابوبکر صدّیقؓ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس مدینہ پہنچے تو انہیں کہنا کہ قیسؓ کے ذمّہ اتنا قرضہ ہے اور گھر میں بان کے اندر دس دینار ہیں اور میرا فلاں غلام آزاد ہے۔

---

[1] کتاب الروح ص ۱۵ - ۱۶

وُہ مسلمان حضرت خالدؓ بن ولید کے پاس گیا اور تمام خواب بیان کر دیا۔ حضرت خالدؓ نے آدمی بھیج کر زرہ منگوا لی اور گھر میں بان سے ایک تھیلی نکلی اسے جھاڑا گیا تو دس دینار اس میں سے نکلے جو یہودی کو ادا کر دیئے گئے اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچ کر سارا خواب بیان کیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کی وصیت کو جائز قرار دیا راوی کہتا ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ ثابت بن قیسؓ کے سوا مرنے کے بعد کسی اور کی وصیت بھی جائز قرار دی گئی ہو۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولیدؓ دونوں نے اس خواب پر عمل کر کے وصیت جاری کرنے اور زرہ والے سے واپس لینے پر اتفاق کیا یہ ان کی فہم و فراست تھی۔

سعید بن المسیبؓ کی روایت

سعید بن المسیبؓ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام کی سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہُوئی ایک نے دُوسرے سے کہا اگر تو مجھ سے پہلے مر جائے تو مجھے ملنا اور مجھے بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے کیا معاملہ کیا۔ اگر میں پہلے مروں گا تو تجھے ملوں گا اور تجھے بتلا دوں گا کہ مجھ سے کیا ماجرا ہوا۔ دُوسرے نے کہا کیا مُردے زندوں سے ملتے ہیں؟ اس نے جواب دیا: ہاں! اُن کی رُوحیں جنت میں ہوتی ہیں مگر جہاں چاہتی ہیں، جاتی ہیں[1]۔

کیا رُوح کا دیکھنا ممکن ہے؟

عالمِ غیب کی مخلوقات جنات، ملائکہ، ارواح کو چار طرح سے دیکھا جا سکتا ہے:

۱۔ ایک تو خواب میں دیکھ سکتے ہیں جس میں عوام بھی شامل ہیں۔ یہ راستہ تمام انسانوں کے لیے یکساں طور پر کھُلا ہوا ہے۔

۲۔ دُوسرا مراقبے میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ صوفیائے کرام اور سالکین کا راستہ ہے اس حالت میں آنے کے لیے ذکر و فکر میں مشغول ہو کر استغراق حاصل کیا جاتا ہے اور اس

---

[1] کتاب الروح ص ۲۵

استغراق میں ہوش و حواس کے ساتھ مقررہ مقامات پر مطلوبہ ارواح ملائکہ، عام روحیں یا جنات کی رؤیت اور ملاقات ہو جاتی ہے۔

۳۔ عین العیان کا راستہ ———— یہ وُہ راستہ ہے جس میں سالک کی ظاہری باطنی آنکھ ایک ہو جاتی ہے اور باطنی فتح حاصل ہو جاتی ہے انسان کو نہ خواب کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ مراقبہ کی۔ عین عالمِ بیداری میں اپنی شان کے مطابق ہر مقام، ہر عالم، ہر رُوح یعنی عالمِ شہادت اور عالمِ غیب یا عالمِ آخرت کی ہر چیز کا مشاہدہ کر سکتا ہے یہ حالت شاذ و نادر ہی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔

۴۔ رُوح مجسّم ہو کر سامنے آجائے کیونکہ رُوح کو یہ طاقت حاصل ہے کہ خواہ وہ اپنے اصلی جسم میں متجسم ہو کر آجائے یا جس صورت میں متشکل ہونا چاہے ہو سکتی ہے جیسے جنّات کو یہ قوّت حاصل ہے اور ملائکہ کو بھی۔

اب ان تمام صورتوں کو ذرا تشریح کے ساتھ عرض کرتا ہُوں تاکہ بآسانی سمجھ میں آجائے۔ رُوح جب جسمِ عنصری میں مقید یا متعلق ہوتی ہے تو اس کا دیکھنا ممکن نہیں لیکن رُوح جب جسمِ عنصری سے جُدا ہو جائے تو پھر اس کا دیکھنا ممکن ہے۔

حضرت امام مالکؒ کا قول ہے:

اِنَّ الرُّوْحَ هِيَ صُوْرَةٌ نُوْرَانِيَّةٌ عَلٰى شَاكِلَةِ الْجِسْمِ تَمَامًا[1] — بیشک رُوح ایک صورت نورانی ہے جو بالکل جسم کی پُوری طرح شکل رکھتی ہے۔

جس کو اہلِ کشف و شہود اور فنائے کلی پانے والوں نے مکمل طور پر مشاہدہ کیا ہے ارواح کو دیکھنا موت کے بعد جائز ہے اور بعض لوگوں کے لیے ایک حد تک رؤیت ممکن ہے اور یہ بات ارواح صالحہ کے ساتھ مخصوص ہے جو دُوسرے عالم کو منتقل ہو گئے ہیں جو صوفیائے کرام کے نزدیک اہلِ ولایت ہیں کیوں کہ وُہ برزخ میں آزاد ارواح ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں جس مکان میں چاہیں جا سکتے ہیں، جس دینی یا عبادتی اجتماع میں چاہیں، جا سکتے ہیں اور بہت سے لوگ

---

[1] بحوالہ الروح و ماہیتہا ص ۶۷ مطبوعہ مصر

ان کو دیکھ بھی سکتے ہیں بعض خواب میں اور بعض بیداری میں بھی دیکھ لیتے ہیں اور ان کے ساتھ اکٹھے ہوتے ہیں، ان سے کئی قسم کے علوم، خبریں اور چیزیں حاصل کرتے ہیں جو ان کو دین و دنیا میں فائدہ پہنچاتی ہیں حتیٰ کہ اولیائے کبار انبیاء علیہم السلام کے ارواح کو بھی دیکھ لیتے ہیں وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھتے ہیں۔ آپ سے امداد اور احکام حاصل کرتے ہیں۔ یہ بات متواتر اور معروف چلی آرہی ہے۔ اس سلسلہ میں بہت سے رسائل اور کتابیں لکھی جا چکی ہیں جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ جو بزرگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر اولیائے کرام کی ارواح کو بیداری میں دیکھتے تھے ان کا ذکر بھی کتاب میں کیا جا چکا ہے ان میں سے مشہور ترین بزرگ یہ ہیں:

حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ، حضرت سید احمد رفاعیؒ، حضرت سید احمد بدویؒ حضرت سید احمد متبولیؒ، حضرت ابوالحسن شاذلیؒ، حضرت ابراہیم دسوقیؒ، سید عبدالعزیز دباغؒ، حضرت شیخ ابوالمواہب شاذلیؒ، حضرت شیخ محمد بن ابی جمرہؒ، حضرت جلال الدین سیوطیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شیخ ابوالعباس المرسیؒ، شیخ ابوالمسعودؒ، شیخ ابوالعباس قسطلانی، حضرت سلطان العارفین سلطان باہوؒ، حضرت عبدالوہاب شعرانیؒ، حضرت سید عبدالرؤف مناویؒ اور بطور تحدیث نعمت عرض کرتا ہوں کہ راقم الحروف کو بھی ان بزرگان دین کے صدقہ میں یہ مقام حاصل ہے کہ کئی اولیاء اللہ کا بیداری، مراقبہ اور خواب میں دیدار نصیب ہوا اِن شاء اللہ کتاب کے آخر میں اس کا ذکر آئے گا۔

ایسے صوفیائے کرام جو ارواح سے کلام کرتے ہیں اور کلام کرنے کا طریقہ

شیخ محمد شناویؒ کو سید احمد بدویؒ سے بہت عقیدت تھی اور ان سے نسبت تام حاصل تھی یہ بارہا ان سے گفتگو کرتے۔ اور وہ قبر کے اندر سے جواب دیا کرتے تھے۔ علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خود سنا ہے کہ شیخ محمد شناویؒ حضرت احمد بدویؒ سے باتیں کرتے تھے اور وہ قبر کے اندر سے جواب دے رہے تھے طبقاتِ وسطیٰ میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ خود سنا ہے کہ یہ حضرت احمد بدویؒ سے مصر کی کسی ضرورت میں مشورہ کر رہے تھے اور شیخ احمدؒ نے قبر کے اندر سے جواب دیا کہ سفر کر جاؤ اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو۔[1]

---

[1] جمال الاولیاء جلد اول ص ۲۰۸

(وَمِمَّا اَنْعَمَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی بِهٖ عَلَیَّ) شِدَّةُ قُرْبِیْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَطَیُّ الْمَسَافَةِ بَیْنِیْ وَبَیْنَ قَبْرِهٖ الشَّرِیْفِ فِیْ اَکْثَرِ الْاَوْقَاتِ حَتّٰی رُبَّمَا اَضَعُ یَدِیْ عَلٰی مَقْصُوْرَتِهٖ وَاَنَا جَالِسٌ بِمِصْرَ وَاُکَلِّمُهٗ کَمَا یُکَلِّمُ الْاِنْسَانُ جَلِیْسَهٗ وَھٰذَا الْاَمْرُ لَا یُدْرَكُ اِلَّا ذَوْقًا وَمَنْ لَّمْ یَشْهَدْ ذٰلِكَ فَرُبَّمَا بِمَا اَنْکَرَهٗ۔[1]

اور ان انعاموں میں سے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کیا ایک یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے بہت قُرب حاصل تھا اور اکثر اوقات میں مصر میں بیٹھے ہوئے آپ کی قبر اقدس تک پہنچ جاتا ہوں یہاں تک کہ آپ کے تعویذ مرقد پر ہاتھ رکھ دیتا ہوں اور آپ سے ایسی گفت گو کرتا ہوں جیسے سامنے بیٹھے ہوئے آدمی سے بات چیت کی جاتی ہے اور یہ بات ذوق سلیم رکھنے والے کے بغیر کوئی نہیں سمجھ سکتا اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مشاہدہ نہ حاصل ہونے کی وجہ سے منکر ہو جاتے ہیں۔

شیخ سرور احمد رفاعیؒ جب شیخ رفاعیؒ کے مزار پر حاضر ہوتے تو آپ اُن سے اس طرح ہمکلام ہوتے جس طرح زندہ لوگ زندوں سے کلام کرتے ہیں اور حاضرین ان کی باتوں کو سُنتے تھے۔ (جامع الکرامات لیوسف نبہانی)[2]

اسی کتاب میں شیخ شمس الدین خاپوری حلب کی جامع مسجد کے خطیب سے روایت ہے کہتے ہیں ہم کسی سفر میں شیخ محمد عمر بن ابوبکر بن قوامؒ کے ساتھ تھے آپ کو ایک جگہ دعوت دی گئی۔ جب اس جگہ سے قریب ہوئے تو آپ کا رنگ متغیر ہو گیا اور بہت مرتبہ انا للہ و انا الیہ راجعون کہا۔ میں نے عرض کیا حضرت کیا بات ہو گئی؟ فرمایا کہ جب ہم اس موضع پر آئے تو مردوں کی روحیں مجھے سلام کرنے آئیں ان میں سے ایک نوجوان شخص بھی تھا اس نے کہا کہ میں ظلم سے قتل کیا گیا ہوں مجھے اس گاؤں کے دو شخصوں نے قتل کیا ہے یہ دونوں بھائی تھے اور میں ان دونوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ انہوں نے ملک عبدالعزیز کے زمانہ میں مجھے قتل کر دیا اور اس لیے قتل کیا کہ انہوں نے اپنی ایک لڑکی کے ساتھ مجھے تہمت لگائی اور میں اس سے بری تھا شمس الدین

---

[1] لطائف المنن والاخلاق ج ۱ ص ۱۴۷

موصوفؒ کہتے ہیں کہ وُہ دونوں شخص جنہوں نے یہ حرکت کی تھی شیخ کی بات سُن رہے تھے اور مجھ میں اور ان میں جان پہچان بھی تھی جب میں ان دونو کے ساتھ الگ جمع ہُوا تو دونو نے کہا کہ جو کچھ شیخ نے فرمایا خدا کی قسم بالکل صحیح ہے اور ہم نے ہی اس کو قتل کیا ہوا ہے میں نے کہا تجھ کو کیا ہوا تھا جو ایسا کیا انہوں نے کہا وہی بات تھی جو شیخ نے فرمائی ہے پھر ان سے کہا گیا کہ یہ حرکت تو کسی اور کی تھی اور وُہ بری تھا جیسے کہ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے[۱]

متقدمین و متاخرین اور زمانہ حال میں ایسے صوفیاءِ کرام ہیں جو مزارات پر بالمشافہ گفتگو کرتے ہیں اور اپنی خاص مجالس دعوت الارواح میں واضح طور پر روحانیوں سے ملاقات اور کلام کرتے ہیں۔ بہرحال صوفیائے کرام جو زمین کے تمام حصوں میں ہیں وہ اس بات پر متفق ہیں کہ ارواح کے ساتھ جو کلام کیا جاتا ہے وُہ بالکل صحیح اور سچا ہوتا ہے اور اس میں کوئی تناقص و اختلاف نہیں ہوتا۔

یہ بھی ایک علم اور طریقہ ہے جس کے ذریعہ صوفیائے کرام ارواح سے ملاقات کر لیتے ہیں اسکو کشف القبور یا دعوت القبر کہتے ہیں کشف القبور میں سالک یا صوفی اسماءِ حسنیٰ یا قرآن مجید کی تلاوت کر کے رُوح سے ملاقات کرتا ہے جس کے موجودہ زمانے میں کئی عامل ہیں لیکن دعوت القبور کا عمل صرف ایک کامل اور زندہ قلب آدمی ہی کر سکتا ہے اس کی پُوری تفصیل شرائط اور مکمل طریق کار کا ذکر تو تصانیفِ حضرت سلطان باہو قدس سرہٗ و حضرت فقیر نور محمد قادری سروریؒ اور میری کتاب "تذکرۂ نور" میں ملے گا اس کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ آدمی غسل کر کے باوضو صاف کپڑے پہنے اور خوشبو لگا کر کسی روحانی غوث، قطب، شہید یا کامل ولی اللہ کی قبر پر رات کے پچھلے حصہ میں جاتا ہے اور وہاں جا کر روحانی کو مسنون طریقے پر سلام کہتا ہے پھر سر کے دائیں طرف سینے کے سامنے کھڑا ہو کر اذان کہنا شروع کرتا ہے اور ساتھ ساتھ قبر کے گرد چلتا جاتا ہے جہاں سے اذان شروع کی تھی وہیں ختم کر دی جاتی ہے پھر اس جگہ کھڑے ہو کر قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیتا ہے اگر پڑھنے والے کا دل زندہ ہو تو اس کے قرآن شریف پڑھنے سے نور پیدا ہوتا ہے، پھر وہ رُوحانی فوراً عالم غیب سے حاضر ہو کر عامل کی امداد کرتا ہے اور اس کو اپنے حاضر ہونے کا احساس دلاتا ہے عام طور پر گریہ اور رقت طاری ہو جاتی ہے یا وجود وزنی اور بھاری ہو جاتا ہے یا خوشبو آنی شروع ہو جاتی ہے یا سامنے نور نظر آتا ہے اور روحانی کے حاضر ہونے کا پختہ یقین ہو جاتا ہے جب اچھی طرح تسلی ہو جائے کہ رُوح حاضر ہے تو عامل نفسانی

اہلِ خواب کے لیے چاہیے کہ وہ قبر کے پاس سو جائے اور اگر اہلِ دل ہو تو مراقبہ کرے اہل عیاں ہے تو اسے روحانی ظاہری طور پر ملاقات کر کے اس کی مدد کر دے گا اور اس کے کام کو حل ہوتے ہوئے دکھا دے گا۔ دعوت القبور کا عمل پاکستان میں صرف طریقہ قادریہ سروریہ میں ہے اور کسی خاندان کو اسکی توفیق نہیں ہے اور نہ ہی اس عمل کو کوئی دوسرا خاندان کر سکتا ہے۔ دُوسرے سلسلہ والے صرف کشف القبور کر سکتے ہیں کیونکہ دعوت القبور میں روحانی کو مسخر اور مطیع کر لیا جاتا ہے اور یہ عمل جان جوکھوں کا کام ہے۔ یہ صرف اس حالت میں کرنا چاہیے جب کسی عامل کی اجازت ہو یا آدمی خود عامل کامل واصل ہو۔

علم دعوتِ ارواح

کشف القبور کا طریقہ تو تقریباً تمام اولیائے کرام سے ہر سلسلہ میں مشہور و معروف ہے لیکن دعوت القبور کا طریقہ صرف حضرت سلطان العارفین سلطان باہو قدس سرہٗ کی دریافت ہے آپ کی تصانیف میں اس کا بہت ذکر موجود ہے اور آپ ہی کے سلسلہ قادری سروری کے خلفاء و مریدین میں بیشتر حضرات کو فتح باطنی سے اس پر مکمل تصرف حاصل ہے چنانچہ میرے پیشوا اور روحانی مربّی حضرت فقیر نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس عمل دعوت القبور میں بڑی کامل دسترس حاصل تھی اسی لیے ہمارے دار العلوم جامعہ صوفیہ بنا ہکے شریف میں دعوت القبور کو حاصل کرنے اور اس طریقہ سے فیضانِ روحانی پانے پر عبور کرایا جاتا ہے حضرت قبلہ فقیر صاحب قدس سرہٗ اکثر مجھے فرمایا کرتے تھے کہ دعوت القبر کا طریقہ اور مشاہدہ تو میں نے تجھے مکمل کرا دیا ہے اب کوئی ایسی صورت ہو کہ ایک جگہ زیر زمین کھود کر بنائی جائے اور اس میں اس قسم کا طریق کار اختیار کیا جائے آپ ہر رُوح کو اس جگہ بلا سکیں گے نہ کسی قبر پر جانے کی ضرورت رہے گی اور نہ ہی دُور دُور کے تکلیف زدہ سفر اختیار کرنا پڑیں گے چونکہ اکثر اولیائے کرام کی قبور دُوسرے ممالک میں موجود ہیں۔ پھر اس زمانہ میں پاسپورٹ اور ویزا کی پابندیوں اور بے شمار دشواریوں سے بھی جو راستہ میں مجبوراً اختیار کرنی پڑتی ہیں، جان چھوٹ جائے گی۔

چنانچہ حضرت فقیر صاحبؒ کی ہدایات کے مطابق مجالس دعوت الارواح شروع کی گئیں۔ خدا کے فضل و کرم سے اس میں دعوت القبور سے بھی زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے، اس کی

پوری تفصیل آگے آئے گی۔

بیداری میں اولیاء اللہ کی زیارت

بیداری میں فوت شدہ اولیاء اللہ کو دیکھنے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ ہے کہ انسان ریاضت وعبادت کے ذریعہ اپنی رُوح کو اس قدر صاف کرلے کہ اس کا وجود بشری بھی لطیف اور رقیق ہوجائے یعنی حجابات البشریہ اور ظلمات نفسانیہ ختم ہوجائیں اور وُہ انسان عین العیانی ہوجائے۔

دُوسری صورت یہ ہے کہ فوت شدہ ولی اللہ اپنے اثیری وجود یعنی روح کو کسی مادی وجود میں تبدیل کرلے تو انسان بیداری میں ان کا دیدار کرلیتا ہے کیونکہ رُویت کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک عنصر دوسرے عنصر کے موافق ہو اگر رُوح روحانی صورت میں ہے تو ہمیں جسم کو روح میں تبدیل کرنا ہوگا یا ہم جسم میں ہیں تو روح کو ظاہری جسم کا لباس اوڑھنا ہوگا پھر ہی رُویت ہوسکتی ہے البتہ ایک فرق ان دونو صورتوں میں باقی رہے گا کہ پہلی صورت میں دیکھنے والے کا کمال ہوگا اور دُوسری صورت میں دکھانے والے کا کمال ہوگا لہٰذا پہلی صورت میں دیکھنے والا صاحب کمال ولی اللہ صاحبِ کرامت ہوگا اور دُوسری صورت میں دکھانے والا صاحبِ تصرف کامل ومکمل ولی اللہ ہوگا۔

ظاہری آنکھوں سے عالم ارواح کی سیر

جب قلب کی صفائی کا آخری درجہ ہوتا ہے تو رُوح میں اس قدر لطافت پیدا ہوجاتی ہے کہ اولیائے سابقہ کی رُوحیں عالمِ بیداری میں سامنے آجاتی ہیں سالک ایک قبر پہ کھڑا ہوتا ہے یا اپنی خاص خلوت گاہ میں ہوتا ہے تو رُوح اپنی دنیوی صورت میں آکر سامنے کھڑی ہوجاتی ہے سالک جانتا ہے کہ مُردہ ہے یا روح ہے لیکن ایک ایک خط وخال دیکھ رہا ہے اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حالتِ مراقبہ اور آنکھیں بند ہونے کی صورت میں یہ سب کچھ دکھائی دیتا ہے نہیں ہرگز نہیں بلکہ عین ہشیاری اور بیداری میں اپنے محبوب اولیاء یا اقرباء کی صورت دیکھ کر اشکِ محبت آنکھوں میں اُمڈ آتے ہیں۔ پہلے مقام میں تو یہ تھا ؎

چشم بند وگوش بند ولب بہ بند   گر نہ بینی سترِ حق بر ما بخند

لیکن یہ وُہ منزل نہیں بلکہ ان کے بند کرنے کی ضرورت نہیں یہ درگاہِ لم یزلی سے بند ہو چکے اور کثافتی حجاب دُور ہو چکے اب جو کچھ دکھائی دیتا ہے حقیقت ہے اور جو کچھ زبان پر آتا ہے فی الواقع ایسا ہے اس مقام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ صادق آتا ہے۔ اس مقام پر ضروری نہیں کہ اولیاء اللہ کی رُوحوں کو ہی دیکھا جا سکتا ہے بلکہ ہر رُوح خواہ ارواحِ طیبہ میں سے ہو یا ارواح خبیثہ میں سے، سب کو یکساں دیکھے گا کسی نیک رُوح کو اچھی حالت میں دیکھے گا اور کبھی بد رُوح کو بُری اور معذب صورت میں بھی دیکھے گا کیونکہ یہاں دیکھنے والے کا کمال ہے۔

ہاں البتہ چُونکہ وُہ خود نیک صالح اور ولی اللہ ہے اس لیے اس کے پاس صرف نیک روحوں اور انبیاء و اولیاء کی ارواح کا نزول ہوگا اور وُہ اگر کسی رُوح کو محبت بھری توجہ سے یاد کرے گا تو وُہ رُوح فوراً حاضر ہو گی وُہ اپنے برزخی مقام سے باہر آکر اہل دعوت سے ملاقی ہو گی اور اس کی رُوحانی امداد کرے گی۔

شیخ محمد طاہر لاہوریؒ کے پاس ارواح مقدسہ کا آنا

ملا طاہر لاہوریؒ حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ کے خلفاء میں سے ہیں آپ کے حالات میں مفتی غلام سرور لاہوری اپنی کتاب خزینۃ الاصفیا[1] میں لکھتے ہیں کہ آپ سرہند شریف سے خلافت لے کر لاہور آگئے تو اپنے شیخ کی خدمت میں کئی خطوط تحریر کیے جن میں سے ایک خط کا مضمون ملخصاً درج کیا جاتا ہے آپ نے لکھا کہ آپ کی جدائی اور پھر لوگوں کی تعلیم و تربیت کا بوجھ جو میرے ذمہ ڈالا گیا تھا میں اس وجہ سے مغموم ہو کر مسجد کے گوشہ میں بیٹھا تھا کہ اچانک حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند کی رُوحِ پُر فتوح تشریف لائی اور آپ نے مجھے فرمایا کہ جو کام تمہارے ذمہ ڈالا گیا ہے اسے سرانجام دو چنانچہ:

امتثالاً لامرہم و امر کم چند کس را مشغول ساختم	میں نے آپ کے حکم اور خواجہ صاحب کے حکم کی تعمیل
مجلس گرم است و ارواح مشایخ عظام	کرتے ہُوئے چند لوگوں سے شغل اختیار کیا ہے
فوج در فوج تشریف مے آرند و الطاف کثیرہ	مجلس با رونق ہے مشایخ کی روحیں فوج در فوج

[1] خزینۃ الاصفیا ص ۵۸۶

مے فرمایند خصوصاً حضرت غوث الاعظمؒ و خواجہ بزرگ نقشبندؒ و حضرت گنج شکرؒ در حلقۂ ذکر و نماز تشریف فرمامے شوند و جناب رسالتمآب ہم باچند ہزار اصحاب نامدار تشریف آوردہ رونق افروز محفل مے شوند و نوازش ہا میفرمایند۔	تشریف لاتی ہیں اور بڑی مہربانیوں سے نوازتی ہیں خصوصاً حضرت غوث الاعظمؒ اور خواجہ بزرگ نقشبندؒ اور حضرت گنج شکرؒ حلقۂ ذکر و فکر میں تشریف لاتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہزارہا صحابہ کرام سمیت تشریف لاکر محفل کی رونق دوبالا کرتے ہیں اور بڑی کرم نوازیوں سے سرفراز فرماتے ہیں۔

اسی کتاب میں شیخ سعدیؒ (جن کے نام پر مزنگ میں سعدی پارک مشہور ہے اور وہیں ان کا مزار بھی ہے) کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ مادرزاد ولی تھے اور انہیں اویسی طریقے سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل تھا:

و بروحانیت ہر اولیاء کہ توجہ می کرد فی الحال حاضر می شد و وے از روحانیت مشایخ عظام ہم فائدہ عظیم یافت[1]۔	اور وُہ جس ولی کی روح کی طرف توجہ فرماتے وہی حاضر ہو جاتی اور انہوں نے بڑے بڑے مشایخ کی رُوحوں سے بہت فواید حاصل کیے۔

اسی کتاب میں مُلّا عبدالغفور جرجوی مجددیؒ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ وہ اور ان کے مریدین بڑے صاحبِ کشف و کرامات تھے:

و ملاقات بارواح موتیٰ و ملائک و عالم جنیاں ادنیٰ کشفِ ایشاں بود[2]۔	اور فوت شدہ کی ارواح سے ملاقات کر لینا اور فرشتوں اور جنوں سے ملنا یہ ان کا ادنیٰ سا کشف تھا۔

جب انسان اس مقام پر پہنچتا ہے تو یہی نہیں کہ وُہ ارواح کو ہی دیکھتا ہے بلکہ وہ بہ چشمِ روحانی ہر معنوی چیز کا ادراک کر لیتا ہے اور ہر چیز کی حقیقت اس کے سامنے متجلی اور روشن ہو جاتی ہے۔

وَكَانَ الْإِمَامُ اَبُوْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانَ يَرٰى[3]	اور امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کو اس قدر روحانی بصیرت

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ص ۶۱۱ — [2] ایضاً ص ۶۶۰

[3] الروح وماھیتہا ص ۵۱

فِی الدَّوَاۃِ جَمِیْعِ الْحُرُوْفِ وَالْکَلِمَاتِ وَالْعُلُوْمِ الَّتِیْ سَتُکْتَبُ مِنْہَا تَفْصِیْلِیًّا وَھُوَ لَمْ یَزَلْ حَبْرٌ اَسْوَدُ۔

حاصل تھی، کہ وُہ دوات کی سیاہی میں ایسے تمام حروف، کلمات اور علوم جو اس سے عنقریب لکھے جانے والے ہوتے تھے مفصل دیکھ لیا کرتے تھے حالانکہ وُہ سیاہی ہوتی تھی۔

پھر رُوح کی یہ لطافت صرف آنکھوں تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ روحانی انسان کے کانوں میں بھی نورِ سماعت پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ ہر شخص کے سانس سے ان باتوں کو سن لیتا ہے جو اس کے دل میں ہوتی ہیں۔

حضرت فقیر نور محمد کلاچویؒ کا نورِ سماعت

ایک مرتبہ میرے پیرو مرشد فقیر نور محمد صاحب کلاچوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ فقیر کے لیے کشف ایک معمولی اور ادنیٰ سی بات ہوتی ہے میں نے دیکھا ہے کہ جو انسان سانس لیتا ہے اور اندر سے کاربن خارج کرتا ہے اس کے ساتھ اس کے خیالات بھی باہر آتے ہیں جنہیں عارف کامل کے کان سن لیتے ہیں چنانچہ حضورؒ ایک مرتبہ ایک گاؤں تشریف لے گئے چند درویش بھی آپ کے ساتھ تھے کھانا کھانے کے بعد عشاء کی اذان ہوئی تو سب نے خاموش ہو کر اذان کو سنا حضور فقیر صاحبؒ اس گاؤں میں پہلی دفعہ تشریف لائے تھے اس لیے آپ کو کسی آدمی سے واقفیت نہ تھی آپ نے فرمایا کہ آپ لوگوں نے اذان کے کلمات سُنے ہیں اور مجھے اس کے ساتھ چند الفاظ اور بھی سنائی دیئے ہیں وہ یہ ہیں؛ پارہ، گندھک آملہ سار، ہڑتال ورقی، قلمی شورہ، نوشادر وغیرہ۔ درویشوں نے سمجھا شاید موذن کوئی حکیم ہوگا آپ نے اس کے قلب کی باتیں سنی ہیں رات تو وہیں نماز ادا کی صبح کی نماز کیلیے حضور مسجد میں تشریف لے گئے فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد واپس قیام گاہ پر تشریف لائے تو گاؤں کے امام مسجد نے دیکھا کہ کوئی فقیر اور درویش لوگ معلوم ہوتے ہیں وہ بھی قیام گاہ پر پہنچ گیا حضور لیٹ گئے وہ امام مسجد آگے بڑھ کر حضور کے پاؤں دبانے لگا اور باتوں باتوں میں پُوچھنے لگے کہ حضور آپ نے تو بہت سیاحی کی ہوگی کوئی کیمیاگری کا نسخہ بھی ہاتھ آیا ہے یا نہیں؟

آپ نے فرمایا کہ رات عشاء کی اذان تم نے پڑھی تھی؟ اس نے کہا: جی ہاں! میں نے ہی

پڑھائی تھی اور میں اس گاؤں کا امام مسجد ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہاری اس بیماری کے متعلق پہلے ہی معلوم کر لیا ہے اور میں نے رات اپنے درویشوں سے کہا تھا کہ تمہیں تو اذان کے کلمات سنائی دے رہے ہیں اور میں ساتھ ساتھ پارہ، قلمی شورہ، گندھک آملہ سار وغیرہ کے الفاظ بھی سن رہا ہوں چنانچہ یہ بات سن کر سب درویش کھل کھلا کر ہنسنے لگے۔

ارواح کا مجسّم ہو کر دیدار کرانا

دوسری صورت رؤیت ارواح کی یہ ہے کہ روح خود مجسم ہو کر سامنے آجائے اب اس میں ضروری نہیں کہ روحانی آدمی ہی اسے دیکھ سکتے ہیں بلکہ عام آدمی بھی دیدار کر سکتا ہے اس قسم کے سینکڑوں شواہد معتبر کتابوں میں موجود ہیں چند ایک عرض کرتا ہوں:

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے دادا صاحب کا مجسّم ہو کر آنا

شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والد من شہید شدہ بودند احیاناً برائے من متجسد مے شدند واز اخبار حال و مستقبل خبر مے دادند۔

میرے والد صاحب شہید ہوئے تھے کبھی کبھی وہ متجسم ہو کر آتے اور مجھے حال و مستقبل کی خبریں دیتے ہیں۔

چنانچہ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں:

"میری ہمشیرہ بیمار تھی گھر کی عورتیں اس کے گرد یاس و قنوط کے عالم میں بیٹھی تھیں اور میں ساتھ کے کمرے میں تنہا سو رہا تھا یکایک میں نے دیکھا کہ حضرت والد صاحب مرحوم تشریف لے آئے فرمایا کہ لڑکی کو دیکھنے آیا ہوں فوراً اس کے اور عورتوں کے درمیان پردہ کرا دو۔

میں نے اُٹھ کر مریضہ اور عورتوں کے درمیان چادر لٹکا دی، حضرت والد صاحب آگے بڑھے مریضہ کے سر پر ہاتھ رکھا، دعا کی اور فرمایا: بیٹی تیری تکلیفیں ختم ہو گئیں اِن شاء اللہ صبح کو تُو اچھی ہو جائے گی۔ یہ کہا اور کمرے سے نکل گئے میں ان کے پیچھے پیچھے چلا تو آپ نے اشارہ سے روک دیا، اور چند قدم آگے چل کر نظر سے اوجھل ہو گئے میں حیرت و استعجاب سے کھڑا سوچتا تھا کہ حضرت کا

تو عرصہ سے انتقال ہو چکا ہے آج یہاں کیسے آگئے؟ اسی روز میری ہمشیرہ کا بھی انتقال ہو گیا اور وُہ حضرت والد صاحب کے فرمان کے بموجب طویل علالت سے نجات پا گئی[1]

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس حضرت ابوہریرہؓ کا مجسّم ہو کر آنا

فتاوٰی عزیزی میں لکھا ہے جب مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے سال تراویح میں قرآن مجید ختم کیا اچانک ایک شخص زرہ بکتر سے آراستہ علم ہاتھ میں پکڑے ہُوئے تراویح کے بعد تشریف لائے اور پُوچھنے لگے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس جگہ تشریف رکھتے ہیں۔ یہ بات سُن کر جملہ حاضرین اس کے قریب آگئے اور بہت حیران ہُوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے ان کا نام دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میرا نام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے۔ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آج عبدالعزیز نے قرآن پاک ختم کیا ہے ہم وہاں تشریف لے جائیں گے مجھے کسی اور کام کے لیے بھیجا ہُوا تھا اس وجہ سے دیر ہو گئی، یہ فرمایا اور غائب ہو کر نظر سے روپوش ہو گئے[2]

عالمِ بیداری میں حضرت سلطان العارفین سیدنا علی المرتضیٰؓ کی نوازشات

آپ پہلی بار حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں شرفِ باریابی کا قصہ یُوں بیان فرماتے ہیں:

ایک دفعہ بچپن میں ایک وجیہہ بارعب نورانی شخص گھوڑے پر سوار میرے سامنے آئے اور مجھے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے پیچھے گھوڑے پر بٹھا لیا اور گھوڑے کو ایڑی لگا کر اڑا دیا میں نے اس سوار سے پُوچھا کہ آپ کون ہیں اور مجھے کہاں لیے جا رہے ہیں؟ اس نے کہا: میں علی ابن ابی طالب ہُوں اور میں تجھے بزمِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کرنے لے جا رہا ہُوں کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو یاد کیا ہے بس تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ مجھے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ پُر انوار میں پیش کر دیا اس وقت بزمِ نبویؐ میں جملہ انبیاءؑ و مرسلین اور تمام صحابہ کبار

---

[1] انفاس العارفین ص ۶۴ [2] فتاوٰی عزیزی حصہ اوّل ص ۸

خصوصاً چار یار پنج تن پاک اور حضرت شاہ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے پُر تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب عالمتاب کی طرح کُرسیِ صدارت پر جلوہ افروز تھے اور باقی خاصان اور پاکانِ بارگاہ نظامِ شمسی کی طرح آپ کے اردگرد اپنے اپنے مخصوص مقام پر جلوہ گر تھے۔ حضرت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس فقیر کو دیکھ کر بہت خوش ہُوئے اور مجھے گود میں لے کر سب حاضرین مجلس سے یُوں گوہر فشاں ہُوئے کہ یہ فقیر باہُوؒ ہمارا نوری حضوری فرزند ہے اور سب حاضرینِ مجلس سے اس فقیر کو روشناس فرمایا اور خصوصاً چار یار نے مجھے باری باری گود میں بٹھایا اور پنجتن پاک اور حضرت شاہ محی الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمال شفقت اور محبتِ پدرانہ کا اظہار فرمایا۔ اپنی توجہ اور فیض سے مشرف اور سرفراز فرمایا۔

دُوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

اثنائے عرصۂ طلب و تلاش میں دوسری دفعہ ایک دن حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہٗ نے دستگیری فرما کر مجھے حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کی بزمِ خاص میں حاضر فرمایا جس وقت یہ فقیر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے حضور میں پیش ہُوا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متبسم ہو کر اپنا دستِ مبارک اس فقیر کی طرف بڑھایا اور ارشاد فرمایا خُذْ یَدِیْ یَا وَلَدِیْ یعنی اے میرے فرزند! میرا ہاتھ پکڑ۔ چنانچہ اس فقیر نے حضور کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا اور آپ کے پاک ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دیا اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فقیر کو خاص طور پر دستِ بیعت فرما کر اپنی توجہ اور نگاہِ خاص سے سرفراز فرمایا بعدہٗ میرا ہاتھ حضرت پیر محبوب سُبحانی، قطب ربّانی، غوثِ صمدانی شاہ محی الدین شیخ سید عبدالقادر جیلانی قَدَّسَ سِرَّہٗ کے ہاتھ میں دے کر انہیں خطاب فرمایا کہ ہمارا خاص نوری حضوری فرزند فقیر باہُوؒ ہے اسے آپ اپنے طریقے میں تلقین و ارشاد فرمائیں چنانچہ پیر دستگیر قدس سرہٗ نے بھی تلقین و ارشاد فرما کر اپنے باطنی فیض سے مالامال فرمایا بعدہٗ جملہ انبیاء و مرسلین اور اصحاب کبار خصوصاً چار یار پنجتن پاک اور جملہ اولیاء کاملین حاضرین نے باری باری اس فقیر کو سینے سے لگایا اور اپنے فیض سے مشرف اور بہرہ یاب فرمایا، بعدہٗ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اے فرزند باہُو! خلقِ خدا کے ساتھ امداد کر، آخری زمانے میں بے مرشد اور بے پیر بھُولے بھٹکے طالبوں کی رہنمائی کر[1]۔

---

[1] سلطان الاوراد ص ۲۰۶ - ۲۰۷

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا قبر سے نکل کر غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ سے ملنا

جرزی جابیہ کو شریف ابوالعباس احمد بن شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی الغنایم محمد ازہری حسینی نے، کہا کہ مجھے اپنے والد اور شیخ صالح بقیۃ السلف ابوالثنا محمود جیلانی نے کہا کہ میں نے شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ عنہ اور شیخ بقا بن بطو کے ساتھ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے روضہ کی زیارت کی میں نے دیکھا کہ امام موصوف قبر سے نکلے اور شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کو اپنے سینے سے لگایا، ان کو خلعت پہنایا اور فرمایا کہ اے شیخ عبدالقادر بیشک میں تمہارے علمِ شریعت وعلمِ طریقت وعلمِ حال میں تمہارا محتاج ہوں[1]۔

حضرت غوث بہاءُ الحق رح اور شاہ رکن عالم رح کا مولوی گل محمد صاحب رح کی زیارت کے لیے مجسم ہو کر آنا

حضرت سلطان حامد صاحب رح مولفِ کتاب "مناقب سلطانی" بیان فرماتے ہیں کہ میں نے مولوی گل محمد صاحب رح کے خلیفہ سلطان دایہ کو آخری عمر میں دیکھا اُن سے مولوی صاحب رح کی زندگی کے حالات پُوچھے انہوں نے فرمایا کہ ایک دن مولوی صاحب رح باہر کی طرف جا نکلے۔ میں بھی ان کے پیچھے سایہ کی طرح تمام دن دوڑتا رہا آخر شام کے وقت آپ ایک سرکنڈوں کی مسجد میں داخل ہوئے اور اندر اللہ تعالیٰ سے مشغول ہو گئے۔ موسم بہار کا تھا، میں مسجد کے باہر دروازے پر بطور پاسبان لیٹ گیا پچھلی رات میں نے دیکھا کہ دو شخص نورانی شکل والے وہاں آنکلے اور مُجھ سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب مسجد کے اندر تشریف رکھتے ہیں؟ میں نے جواب دیا: ہاں! جناب اندر ہیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ ہم مولوی صاحب رح کی زیارت کے لیے آئے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے آپ کو اس وقت فرصت نہیں اس لیے ہم واپس جاتے ہیں ہمارا مولوی صاحب سے سلام عرض کرنا میں نے کہا آپ کون ہیں؟ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں بہاء الدین زکریا ملتانی (حضرت غوث

---

[1] اردو ترجمہ بہجۃ الاسرار ص ۳۴۶

بہاء الحق) ہوں اور یہ دُوسرے شاہ رکن عالم صاحبؒ ہیں۔ اشراق کے وقت جب حضرت مولوی صاحبؒ مسجد سے نکلے اور ایک طرف کو روانہ ہو گئے ہیں بھی آپ کے پیچھے روانہ ہو گیا آخر جب ایک جگہ آپ نے ذرا توقف کیا تو میں نے موقع پا کر رات والا ماجرا بیان کیا کہ رات کو غوث بہاء الحق اور شاہ رکن عالمؒ آپ کی زیارت کے لیے آئے تھے اور آپ کو سلام دیتے تھے (یہ یاد رہے کہ غوث بہاء الحق اور شاہ رکن عالم چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں ہُوئے ہیں اور مولوی گل محمد صاحبؒ سلسلہ قادریہ سروریہ سلطانیہ کے خلفاء میں سے تھے اور بارھویں صدی ہجری میں گزرے ہیں) سلطان وائیؒ فرماتے ہیں کہ مولوی صاحبؒ نے میری اس بات کو بہت بے پرواہی اور بے اعتنائی سے سنا اور کچُھ جواب نہ دیا گویا سنا ہی نہیں۔ پھر آپ چل دیئے اور پھر آپ جب کہیں ٹھہرے اور مجھے موقع ملا تو میں نے پھر وہی عرض کیا کیونکہ میں نے خیال کیا کہ شاید آپ کسی خیال میں تھے اور میری بات کو سُنا ہی نہیں لیکن پھر بھی آپ نے مُنہ موڑ لیا اور کچھ جواب نہ دیا آخر جب تیسری دفعہ میں نے موقع پا کر پھر عرض کیا کہ جناب آپ میری بات کا کچھ جواب نہیں دیتے میں بار بار عرض کر رہا ہُوں۔ اس پر آپ کھڑے ہو گئے اور میرے پیروں پر ہاتھ رکھ کر ہاتھوں کو چوم کر فرمانے لگے آپ کے قربان جاؤں میں نے آپ کی قدر نہیں جانی آپ کے پاؤں چُومنے کے قابل ہیں کیونکہ غوث بہاءُ الحقؒ اور شاہ رکن عالمؒ جیسے بزرگ آپ کی زیارت کو آتے ہیں یہ باتیں آپ نے تفنّن کے طور پر کچھ اس انداز سے کہیں کہ مجھ میں شرم و ندامت کے مارے دم مارنے اور آنکھ اٹھانے کی سکت باقی نہ رہی، پھر جب کہیں کچُھ آدمی آپ کی زیارت کے لیے آتے اور آپ کی قدم بوسی کرتے تو آپ انہیں میری طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ پہلے اس بزرگ کی زیارت کرو اور اس کے قدم پکڑو یہ ایسا شخص ہے کہ غوث بہاءُ الحق صاحبؒ اور شاہ رکن عالمؒ جیسے بزرگ ان کی زیارت کو آتے ہیں، چنانچہ اس طرح مجھے بہت دفعہ لوگوں کے سامنے شرمندہ اور شرمسار کیا آخر میں آپ کے قدموں پر پڑ کر بہت رویا اور عرض کیا کہ جناب میں نے بے وقوفی کی ہے آپ خدا کے لیے مجھے معاف فرمائیں پھر آپ نے مجھے معاف کر دیا اور اس بات کو پھر نہ دُہرایا۔

---

[1] مناقب سلطانی بحوالہ سلطان الاوراد ص ۲۳۹ - ۲۴۰

امام عبدالوہاب شعرانیؒ کی حضرت عیسیٰؑ سے بیداری میں ملاقات

ہمارا ایمان ہے اور تمام جمہور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور بجسدِ عنصری آسمان پر اٹھا لیے گئے ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ آپ کے جسدِ عنصری کو روحی جسم میں تبدیل کر دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اب ظاہری زندگی کے باوجود ان کو کھانے پینے اور پہننے کی احتیاج نہیں۔ البتہ جب وہ اس عالم ناسوت کے اندر آخری زمانے میں مکمل طور پر دمشقی مینار پر نزول فرمائیں گے تو رُوحی جسم کو جسدِ عنصری میں تبدیل فرما کر تشریف لائیں گے۔ چونکہ چوتھے آسمان سے دمشقی مینار پر آنے کے لیے ان کا روحی جسم ہو گا لہٰذا انہیں کسی قسم کی احتیاج نہ ہو گی لیکن مینار سے اُترنے کے لیے سیڑھی طلب فرمائیں گے کیونکہ اب جسدِ عنصری کے ساتھ بلند و بالا مینار سے اُترنے کے لیے سیڑھی کی احتیاج ہو گی انبیاء علیہم السلام کو یہ طاقت عنایت کی گئی ہے کہ وُہ جب چاہیں جسدِ عنصری کو جسدِ رُوحی سے بدل لیں اور جب چاہیں جسدِ روحی سے جسدِ عنصری میں متبدل ہو جائیں اور یہ طاقت اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہے، چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں:

وَ اَمَّا السَّیِّدُ عِیْسٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ فَدَعَانِیْ وَ قَدَّمَنِیْ فَصَلَّیْتُ بِہٖ اِمَامًا فِیْ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ وَ رُبَّمَا اجْتَمَعْتُ بِہٖ فِی الْیَقْظَۃِ۔[1]

سیّد عیسیٰ علیہ السلام (کی ملاقات کا ذکر کرتے ہُوئے فرماتے ہیں) کہ انہوں نے مجھے بلایا اور نماز پڑھانے کے لیے آگے کیا چنانچہ میں نے انہیں عصر کی نماز پڑھائی اور کئی مرتبہ مجھے بیداری کی حالت میں ان سے ملاقات کا موقع ملا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

عشق شبخونے زدن بر لامکاں
گور را نادیدہ رفتن از جہاں
ایں بدن با جانِ ما انباز نیست
مُشتِ خاکے مانعِ پرواز نیست

---

[1] لطائف المنن والاخلاق جلد دوم ص ۶۹

(عشق کیا ہے؟ دراصل لامکان پر حملہ کرنا ہے اور بغیر قبر کو دیکھے اس جہان سے چلے جانا ہے یہ بدن ہماری جان کا شریک نہیں یہ مٹھی بھر مٹی پرواز کو روک نہیں سکتی)

مولانا رومیؒ نے مثنوی شریف کا حصہ ہفتم فوت ہونے کے بعد خود لکھا ہے

مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلویؒ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد اور خلیفہ تھے آپ کو مثنوی مولانا رومؒ سے بڑی عقیدت و محبت تھی۔ مثنوی مولانا رومؒ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچی تھی کہ مولانا رومؒ کا انتقال ہوگیا۔ حضرت مفتی صاحب کو اس کی تکمیل کا شوق پیدا ہوا آپ نے اپنے استاد اور پیرومرشد حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکھا:

"میرا ارادہ مثنوی معنوی کے اختتام کو پورا کرنے کا ہے جو قصہ مولانا رومؒ نے ناتمام چھوڑ دیا ہے اگر وہ سنا ہو یا کہیں نظر سے گزرا ہو تو مطلع فرمائیں"

حضرت شاہ صاحبؒ نے جواب میں دو آیات کریمہ لکھ کر بھیج دیں کہ انہیں رات کو پڑھ کر خود حضرت مولانا رومؒ سے دریافت کر لو۔ چنانچہ مولانا رومؒ کی زیارت ہوئی اور ارشاد ہوا کہ دوات قلم لے کر عصر و مغرب کے درمیان حجرے میں بیٹھا کرو باقی ماندہ حصہ خود بخود قلم سے لکھا جائے گا" اس طرح دفترِ ہفتم پورا ہوا[1]۔

چنانچہ مولاناؒ کی روح نے یہ کام سرانجام دیا اور بقیہ حصہ مثنوی مولانا رومؒ یوں مکمل ہوا۔ "حالاتِ مشایخ کاندھلہ" میں ہے کہ حضرت مفتی صاحب کو براہِ راست حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ سے بطریق اویسیت درسِ مثنوی کی اجازت حاصل تھی[2]۔

اسی کتاب "حالاتِ مشایخ کاندھلہ" میں ہے کہ شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی مثنوی مولانا رومؒ کی سند اور مقبولیت و شہرت کی وجہ یہ ہوئی کہ خود حضرت مولانا

---

[1] تذکرۂ عزیزیہ ص ۲۷ [2] حالاتِ مشایخ کاندھلہ مرتبہ مولانا احتشام الحق کاندھلوی ص ۸۹

جلال الدین رُومیؒ نے اپنے متوسلین کو خواب میں ملک روم سے مکہ معظمہ پہنچے اور حضرت حاجی صاحبؒ ممدوح سے مثنوی کی سند حاصل کرنے کی ہدایت[1] فرمائی۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست
دستِ او جز قبضۂ اللہ نیست

روح کی صُورت مثالی کی تین صُورتیں

پہلی صورت یہ ہے کہ جسدِ مثالی جسدِ عنصری کے مشابہ ہو۔
دوسری صورت یہ ہے کہ رُوح نے خود عناصر میں تصرف کر کے جسدِ عنصری تیار کر لیا ہو۔
تیسری صورت یہ ہے کہ دنیوی جسد ہی کو لطیف کر کے رُوح اپنے اُوپر اوڑھ لے۔
چنانچہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں وارد ہے کہ وُہ اجسامِ عنصری دنیوی ہی میں زندہ ہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ۔[2]

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرما دیا ہے کہ وُہ اجسامِ انبیاء علیہم السّلام کو کھائے اللہ تعالیٰ کا ہر نبی زندہ ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔

ملاقاتِ ارواح کے متعلق میرے ذاتی مشاہدے

سیّد و مرشدی فقیر نور محمد صاحب قدس سرہٗ نے مجھے دعوت القبور کا عمل اپنی معیت میں حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر شروع کرایا چونکہ رُوحانی طور پر میری یہ ملاقات سب سے پہلی تھی اس لیے مجھے خواب کی طرح معاملہ نظر آیا اس کے بعد جس روحانی کی قبر پر میں نے عمل کیا فوراً ملاقات ہو جاتی تھی اور یہ باطنی روحانی بصیرت جس قدر کھلتی گئی اسی

---

[1] حالاتِ مشایخ کاندھلہ مرتبہ مولانا احتشام الحق کاندھلوی ص ۱۲۱۔ [2] رواہ ابن ماجہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۱

قدر مشاہدات میں زیادہ وثوق اور یقین میں پختگی ہوتی چلی گئی چنانچہ ابتداء میں ایک دفعہ یہ شیطانی وسوسہ میرے دل و دماغ پر چھا گیا کہ جو کچھ میں کشفی طور پر دیکھتا ہوں کہیں وُہ میرے خیالات اور تصوّرات ہی تو نہیں جو میرے ذہن میں متشکل ہو کر مسلط ہو جاتے ہیں اور میں انہیں حقیقت سمجھنے لگتا ہوں یہ وسوسہ بڑھتے بڑھتے میرے ذہن پر مسلّط ہو گیا اسی دوران اتفاق سے مجھے کوہاٹ جانا پڑا وہاں ایک مشہور بزرگ سید عبداللہ شاہ المعروف حاجی بہادر رحمۃ اللہ علیہ کا مزار تھا ان کی شہرت سن کر میرے دل میں دعوت پڑھنے کا شوق دامن گیر ہُوا، چنانچہ دعوت میں اور بھی بہت سے حقائق کھلے جن کا تفصیلی ذکر میری کتاب "تذکرہ نور" میں موجود ہے۔

یہاں صرف ایک حصّے کا ذکر کرنا مقصود ہے وُہ یہ کہ آپ نے فرمایا: چونکہ آپ ہمارے مہمان ہیں لہٰذا ہماری چائے کی دعوت قبول فرمائیے اور دو روپے دے دیئے کہ ان کی چائے پی لینا۔ جب مجھے استغراقی کیفیت سے افاقہ ہُوا تو وہ دو روپے میرے ہاتھ میں موجود تھے چنانچہ میرا وہ شک رفع ہو گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ ملاقات خیالی نہیں بلکہ حقیقت ہے ورنہ یہ دو روپے کہاں سے آ گئے ہیں۔

چنانچہ سینکڑوں اولیاء اللہ کی قبور پر میں نے دعوت پڑھی اگر ان ملاقاتوں اور ان سے مختلف مسائل پر گفتگو اور فیوض و برکات کا تفصیلی ذکر کروں تو ایک الگ کتاب بن جائے گی۔ اسی غرض کے لیے میں نے پاکستان بننے کے بعد پاسپورٹ بنوا کر ہندوستان کے کئی سفر اختیار کیے اور بڑے بڑے مشاہیر اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دی اور دعوتیں پڑھیں۔ اسی طرح ایران، عراق، شام کا سفر اختیار کیا، بڑی اولوالعزم ہستیوں کے آستانوں پر حاضری دی، دعوت پڑھی اور فیوض و برکات حاصل کیے ؎

سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

دعوت القبور پڑھنے کا طریقہ اور اس کی تفصیلی بحث میری کتاب "تذکرہ نور" میں موجود ہے یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

یہاں صرف چند ان ملاقاتوں کا ذکر کرتا ہُوں جو مجھے بیداری میں حاصل ہُوئیں۔ اللہ تعالیٰ شاہدِ حال ہے کہ ان کے ذکر کرنے کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ میں اپنی علو مرتبت کا اظہار چاہتا ہُوں

اور نہ ہی تکبّر و خود نمائی مقصود ہے۔

اگر شہرت و خود نمائی کا خوف مجھے لاحق نہ ہوتا تو میں بہت سے مخفی امور اور عجیب و غریب روحانی کیفیات و حقایق کا پردہ چاک کر کے آپ کے سامنے رکھ دیتا لیکن یہاں اس بات کا اظہار صرف اس لیے کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہ امر روشن ہو جائے کہ رُوح کے متعلق جن باتوں کا میں نے کتاب میں ذکر کیا ہے وہ صرف علمی ہی نہیں بلکہ نظری طور پر بھی مجھے حاصل ہیں اور مجھے رُوح سے ملاقات کرنے کا عین الیقین اور حق الیقین کا مرتبہ حاصل ہے۔ میں تمام اصحابِ ذوق کو دعوت دیتا ہُوں کہ وہ ان حقایق کی آزمائش کریں اور خود حاصل کرنے کی کوشش کریں اور یہ نہ سمجھیں کہ جو لوگ یہ طاقتیں رکھتے تھے وُہ سب گزر گئے اور اب ان چیزوں کا حاصل کرنا دشوار ہے۔

صرف آپ کی ہمت افزائی اور شوق پیدا کرنے کے لیے چند ذاتی واقعات کا ذکر کرتا ہوں۔

مجھے بفضلہٖ تعالیٰ دو مرتبہ حضرت مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہٗ کا دیدار پُر انوار بیداری میں حاصل ہوا۔

پہلی مرتبہ مجھے یہ معاملہ اعتکاف کی حالت میں پیش آیا جب میں جامع مسجد چمڑہ منڈی لاہور میں معتکف تھا حضرت سلطان باہُوؒ کے سلسلہ میں منسلک ہونے کی وجہ سے مجھے حضرت مولا علی شیرِ خدا کرم اللہ وجہہٗ سے بڑی عقیدت و محبّت تھی رات کو جب آپ میرے سامنے تشریف لائے تو میں بیداری کی حالت میں تھا چونکہ اس سے پہلے مجھے باطنی طور پر کئی بار ملاقات کا موقع ملا تھا اس لیے میں نے آپ کو فوراً پہچان لیا اور قدموں پر گر پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ تشریف لے گئے۔ لیکن اس کا اثر مجھ پر اس قدر ہُوا کہ محبت اور پیار کی وجہ سے گریہ طاری ہو گیا۔ شب و روز عجیب و غریب کیفیات طاری رہیں اور یہ شعر بے ساختہ میری زبان پر آ گیا: ؎

علی علی ہے علی کی کوئی مثال نہیں
علی سا دنیا میں کوئی بھی باکمال نہیں

دوسری مرتبہ بھی ماہِ رمضان المبارک میں بحالتِ اعتکاف بیداری میں زیارت سے مشرف ہوا۔

دو مرتبہ حضرت فقیر نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیداری میں دیدار نصیب ہُوا۔ ایک

مرتبہ دربار پُرانوار حضرت سلطان باہُو قدس سرہٗ پر عرس محرم شریف کے موقع پر ہم سب معتقدین و مریدین اکٹھے ایک جگہ زمین پر سوئے ہُوئے تھے حضرت صاحبؒ کی شروع سے یہ عادت تھی کہ ابتداء شب سوتے تھے درمیان رات عبادت میں مشغول رہتے اور جب ہم لوگ تہجد کے لیے اُٹھتے تو آپ استراحت فرماتے تھے۔ رات کو میری آنکھ کُھلی تو حضور نماز میں ایک طرف مشغول تھے میں نے دماغ پر بہت زور دیا کہ حضور کا تو وصال ہو چکا ہے میں اٹھا اور آگے بڑھ کر آپ کے چہرہ کو غور سے دیکھا بالکل آپ ہی تھے اور مجھے یہ بھی یقین تھا کہ میں بیداری کی حالت میں ہُوں اسی حیرانی میں میرا دماغ چکرا گیا میں نے سوچا کہ کسی دوسرے کو بھی دکھاؤں تاکہ تصدیق ہو جائے میں نے اپنے ساتھی کو جگایا کہ جلدی اٹھو میں تمہیں ایک عجیب معاملہ دکھاتا ہُوں۔ اس کے اُٹھتے اُٹھتے ہی آپ غائب ہو گئے اور میں اسے نہ دکھا سکا۔

ایک دفعہ میں نے شام کو دیکھا کہ ہمارے دار العلوم جامعہ صوفیہ کی مسجد اولیاء کے محراب کے حصّہ پر تشریف فرما ہیں چونکہ مسجد ابھی تک چبوترے کی صورت میں ہے میں ملنے کے لیے آگے بڑھا تو آپ نے اپنا رومال کندھے پر ڈالا اور نہر کی طرف چل دیئے اور پُل پر پہنچ گئے آپ کا لباس بعینہٖ اسی طرح کا تھا جیسے ظاہری زندگی میں ہُوا کرتا تھا میں نے تیزی سے قدم اٹھائے اور پُل کے پاس پہنچا تو آپ غائب ہو گئے البتہ اس رات خوشبو اس قدر فراوانی سے آتی رہی جسے تمام طلباء جامعہ صوفیہ اور دیگر حضرات نے پُوری طرح محسوس کیا اور اس بات کی تصدیق کی کہ یہ خوشبو آج بالکل نئی ہے اور کوئی خوشبودار چیز بھی وہاں موجود نہ تھی خاص طور پر محراب کی طرف سے خوشبو کے جھونکے آتے اور مشامِ دماغ کو معطر و معنبر کرتے چلے جاتے۔

پاکستان بننے کے بعد ایک مرتبہ مَیں دہلی گیا اور حضرت سلطان المشایخ محبُوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے مزار شریف پر حاضری دی آپ کے عرس شریف کا موقع تھا اس لیے دعوت نہ پڑھ سکا کیونکہ ساری رات لوگوں کا ہجوم رہتا تھا میں نے ارادہ کیا کہ عرس شریف کے بعد دعوت پڑھ کر ملاقات کر کے واپس جاؤں گا۔

چنانچہ جب عرس کے دو دن بعد رات کو میں نے دعوت پڑھی اور آپ کی ملاقات نہ ہُوئی تو میں یہ سمجھا کہ شاید آپ مجھ سے ناراض ہیں کیونکہ عرس کے موقع پر میرے دل میں دو باتوں پر بڑی

کڑھن پیدا ہوتی رہی ایک یہ کہ وہاں لوگ سجدۂ تعظیمی بہت کرتے تھے اور مجھے یہ بہت بُرا معلوم ہوتا تھا۔ دوسرا قوالیوں کی اس قدر بہتات تھی کہ لوگ سب قوالیوں میں مشغول رہتے اور نماز کی طرف بہت کم آتے پھر مسجد بھی چونکہ مزار سے بالکل ملحق تھی اس لیے نماز پڑھتے ہوئے بھی قوالیوں کا شوروغل کانوں میں پڑتا اور مجھے بہت دُکھ ہوتا۔

میں یہ سمجھا کہ شاید میری دونوں باتیں آپ پر منکشف ہوگئی ہیں اور آپ مجھ سے ناراض ہوگئے ہیں اس لیے مجھے زیارت سے محروم رکھا ہے میں نے دل ہی میں توبہ کی کہ جو کچھ آپ کے سلسلہ میں ہے درست ہے میری ناقص عقل ان کو نہیں سمجھ سکتی۔

دوسرے روز پھر دعوت پڑھی پھر بھی حضوری نہ ہوسکی پھر خیال آیا کہ شاید میرے اندر کوئی نقص پیدا ہوگیا ہے سارا دن استغفار پڑھتا رہا اور اپنے پیرومرشد کی طرف توجہ کرکے استدعا کرتا رہا کہ میرے اندرونی نقص کو درست فرمادیں۔

تیسری شب جب میں نے دعوت پڑھی اور کچھ نظر نہ آیا تو ایک شیطانی وسوسہ یہ پیدا ہوگیا کہ خواجہ صاحبؒ کے متعلق جو باتیں مشہور ہیں محض افسانوی حیثیت رکھتی ہیں ہندوستانیوں نے خواہ مخواہ آپ کو بڑا ولی بنادیا ہے حالانکہ آپ کچھ بھی نہیں معاذاللہ۔

بس ان خیالات کا آنا تھا کہ میں ناراض ہوکر روضہ شریف سے باہر نکلنے لگا۔ روضہ کی دہلیز پر قدم رکھا تو مجھے بجلی کی طرح کا ایک کرنٹ لگا میں نے پیچھے مڑکر دیکھا کہ حضرت سلطان المشایخ بجسدِ عنصری تشریف فرما ہیں چہرے سے نور کی شعاعیں نکل رہی ہیں اور آپ مسکرا رہے ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر وجد طاری ہوگیا اور بے خودی کے عالم میں میں نے آپ کو سجدہ بھی کردیا حالانکہ بعد میں میں نے توبہ بھی کی کہ سجدۂ تعظیمی میرے نزدیک کسی کو بھی جائز نہیں ہے تاہم اس وقت ایسی ہی حالت ہوگئی تھی آپ نے بے شمار فیوض و برکات سے نوازا اور میری حاضری قبول فرمالی۔

صرف ان مشاہدات پر اکتفا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو دائمی حضوری نصیب فرمائے۔ آمین۔

دعوت الارواح کی مجالس میں شریک ہونے والے صوفی کے لیے ضروری ہدایات

۱۔ گناہ سے توبہ گزشتہ زمانے میں کیے ہوئے گناہوں سے سچی توبہ کرے اور آیندہ گناہ سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرے اور دلی طور پر خدا سے عہد کرے کہ آیندہ وہ گناہ نہیں کرے گا کیونکہ روح کی قوت پیدا کرنے کے لیے تمام فکری، ذہنی اور عملی آلائشوں سے پاک ہونا ضروری ہے جس طرح اللہ تعالیٰ سے رابطہ پیدا کرنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ انسان گناہ چھوڑ دے جھوٹ، فریب، فحش کاری، بددیانتی، بے رحمی، رعونت، لالچ اور دیگر رذائل کو ترک کر دے، بلکہ اعمال و خیالات میں پاکیزگی پیدا کرے اسی طرح روح سے رابطہ پیدا کرنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اخلاقِ رذیلہ سے پاک و صاف ہو۔

۲۔ پابندیٔ آئین روح کی عظمت کا راز اسی میں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی خواہش میں ڈھل جائیں عبادت، پاکیزگی اور تقویٰ کو اپنا شعار بنا لیں۔ کینہ، کدورت، حرص اور دیگر جذباتِ سفلی کو یکسر چھوڑ دیں خدا کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کا نام عبادت ہے غذا کے بغیر جسم خاکی مرجھا جاتا ہے اور نیکی و طاعت کے بغیر جسمِ لطیف ختم ہو جاتا ہے، فرائض اور واجبات تو بہت ضروری چیزیں ہیں حضور علیہ السلام کی پوری زندگی میں ڈھل جانے کا نام طاعت ہے ہر سنّت اور ہر مستحب کی پابندی کرنا اور افعال و اقوال و احوال محمدیؐ کو زندگی کا اہم جزو قرار دینا ہی صحیح پابندیٔ آئین ہے ؎

ہست ینبوع التصوف ذات او
اولیاء باشند از آیاتِ او
ما التصوف؟ روحِ افعالِ رسول
محویت در سترِ احوالِ رسول

۳۔ غذا کا حلال اور پاکیزہ ہونا اکثر لوگ جب ورد، وظائف اور اعمال و اشغال کی پابندی کرتے ہیں اور بہت مدت تک انہیں کچھ حاصل

نہیں ہوتا تو وہ یہ سمجھ کر کہ ان اوراد میں کچھ نہیں ترک کر دیتے ہیں حالانکہ خود ان میں ایسا نقص ہوتا ہے جس کی طرف وُہ دھیان ہی نہیں دیتے وہ رزقِ حلال کا حصول ہے کیونکہ رزقِ حلال اس راہ میں بہت اہم ہے۔ سالک پر واجب ہے کہ وہ مشتبہات سے بھی پرہیز کرے چہ جائیکہ حرام کھائے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

یٰاَیُّھَا النّاس کلوا مِمّا فِی الاَرضِ حلالاً طیّباً۔[۱]

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت حضورؐ کے سامنے پڑھی گئی تو سعد بن ابی وقاصؓ کھڑے ہو گئے اور عرض کی کہ حضور میرے حق میں دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوات بنا دے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اے سعد! رزقِ حلال کھاؤ مستجاب الدعوات بن جاؤ گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے انسان جب لقمۂ حرام پیٹ میں ڈالتا ہے تو چالیس دن تک اس کا کوئی عمل قابلِ قبول نہیں ہوتا اور جس انسان کا گوشت حرام غذا سے بنا ہو اس کے لیے آگ ہی بہتر ہے۔

اس لیے اعمال کی جان اور قوت کا انحصار رزقِ حلال پر ہے۔ رزقِ حلال میسر نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے اعمال رد کر دیئے جاتے ہیں مقبولیتِ اعمال کے لیے ضروری ہے کہ رزقِ حلال تلاش کیا جائے خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو اور مشتبہات سے بھی بچنے کی کوشش کی جائے۔

۱۴۔ خلوصِ نیّت اس روحانی علم کو حاصل کرنے کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہو یا روحانی غذا سمجھ کر اُسے حاصل کرنے کا شوق ہو اور کسی قسم کی خواہش دل میں نہ رکھے ورنہ کامیابی مشکل ہے یہاں تک کہ پیر بننے اور لوگوں کو مرید کرنے کی خواہش بھی دل میں نہ لائے طلبِ ریاست ایک بہت بڑا حجاب ہے۔ قربِ الٰہی حاصل کرنے کے سوا اور کوئی ارادہ دل میں نہ رکھے یہاں تک کہ عذاب و ثواب، جنت و دوزخ اور حور و قصور، شہرت و عظمت غرضیکہ ہر نفسانی خواہش سے مجتنب ہو کر صرف وصالِ الٰہی اور لقائے الٰہی کی تمنا رکھے یہ خلوص ہر عمل کی جڑ ہے اس کے بغیر مدتوں تک محنت، ریاضت کرتے رہنا بیکار ہو جاتا ہے ؎

زاہد کمالِ ترک سے ملتی ہے یاں مراد	دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے

---

[۱] اے لوگو! زمین کی پاکیزہ اور حلال چیزیں کھاؤ۔

ہاں اگر یہ ارادہ ہو کہ روحانی قوت حاصل کر کے کسی ذاتی اور نفسانی اغراض کے بغیر اسلام کی خدمت کروں گا ملک وملت کی بہبودی کے لیے کوشاں رہوں گا اور مخلوق کی بھلائی کے لیے خدمتِ خلق کو شعار بناؤں گا تو حرج نہیں ہے

دعوت الارواح کی مجالس میں شرکت کے لیے چند مشقیں

عمل نمبر ۱ :۔ مشق یکسوئی قلب

مشق یکسوئی قلب کے لیے تصور اسم ذات نہایت قوی عمل ہے اور اس کو اس معاملہ میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے ۔

طریقِ کار ایک گول قسم کا ڈبہ جس پر اسمِ ذات لکھا ہُوا ہو اپنے سامنے رکھ لیں جسم کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دیں گویا جسم میں جان ہی باقی نہیں اگر یہ چیز بیٹھنے سے میسر نہ ہو تو بیشک لیٹ جائیں یا کسی آرام دہ چیز سے تکیہ لگالیں جب جسم ، دماغ اور دل کو پُورا سکون حاصل ہو جائے اس ڈبہ پر لکھے ہوئے اسمِ ذات کی طرف دیکھنا شروع کریں جہاں تک ممکن ہو آنکھ نہ جھپکیں چار پانچ منٹ میں اس محویت کی حالت میں تم پر غنودگی سی طاری ہونے لگے گی گویا تمہارا دماغ نیم خبری کی قبولیت پر آمادگی ظاہر کر رہا ہے اس حالت میں پاسِ انفاس بھی جاری رکھیں تو مزید فائدہ ہوگا لیکن اگر تمہاری یکسوئی میں فرق آئے تو صرف تصور اسمِ ذات ہی کافی ہے ۔

دورانِ مشق اُونگھنا یا سو جانا سخت مضر ہے اگر نیند آجائے تو مشق دو جب سُستی دُور ہو جائے اور کسی قسم کی گھبراہٹ ، اُونگھ اور نیند نہ ہو تب مشق کرو ۔ اپنی مشق کو روزانہ بڑھاؤ اور کبھی ناغہ نہ کرو کیونکہ ناغہ ہونا عمل کے لیے نقصان دہ ہے ایک وقت مقرر کر لو ، روزانہ اسی وقت بیٹھو مشق کو بڑھاتے جاؤ اگر پہلے روز پانچ منٹ کی ہے تو ہر روز ایک منٹ زیادہ کرتے جاؤ ۔

اس طریقہ میں اجتماعِ خیالات ، تصور ، یکسوئی قلب سے روحانی قوت حاصل ہو گی ۔

یہ مشق اس وقت تک کریں جب آنکھیں بند کرنے کے بعد وہ تصور اسی طرح قائم رہے اس کے بعد اندھیرے میں جا کر آنکھیں بند کر کے مشق تصور وجودی کریں یعنی یہی اسم ذات جس کو تم ظاہری آنکھوں میں جما چکے ہو اُسے آنکھیں بند کر کے ہر اعضاء پر تصور کریں قریباً ایک گھنٹہ تک

اس مشق کو جاری رکھیں سوتے وقت بھی اسی مشق کو کرتے کرتے سو جائیں اس سے بہت فائدہ ہوگا۔

فوائد

۱۔ چونکہ یہاں رُوح سے ملاقات کرنے کا مقصد پیشِ نظر ہے اس لیے سب سے پہلے اپنی رُوح کو قوی کر کے اس مقام تک پہنچائیں کہ ظلماتِ بشری دُور ہوں اور رُوح جسم پر غالب ہو جائے بشریت نور میں بدل جائے چونکہ رُوح نوری ہے اور جب تک اس کی جنس تبدیل نہ ہو، رُوح سے ملاقات مشکل ہے اس لیے اس مشق سے جسم کو نوری بنانے کا فائدہ حاصل ہوگا اور رُوح کو اپنی گرفت میں لانے کی قوت پیدا ہوگی اس مشق سے پوشیدہ باتیں جاننے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ آدمی روشن ضمیر اور غیر معمولی عقلمند ہو جاتا ہے، عالمِ ملکوت کا راستہ کھل جاتا ہے اور ارواح سے ملنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

۲۔ اور کسی چیز کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور اس پر حاوی ہو کر اس کو اپنی طرف کھینچنے کی قوت پیدا ہو جائے گی۔

تصوّر کے مکمّل ہو جانے کا عملی تجربہ

۱۔ کسی شخص کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ اور اس کی گردن کے پچھلے حصہ پر خوب اچھی طرح ٹکٹکی لگاؤ اور اپنے دل میں مضبوط ارادہ کرو کہ وُہ شخص مڑ کر تمہاری طرف دیکھے۔ ایسا کرنے سے وُہ شخص ضرور آپ کی طرف دیکھے گا بس تصوّر کا عمل مکمل ہو گیا۔

۲۔ اپنی آنکھوں کو بند کر لو اور اپنے دوست یا رشتہ دار کا خیالی نقشہ اپنی آنکھوں میں جماؤ بالکل صاف دکھائی دینے لگے تو آپ اُسے خیالات ہی میں تحکمانہ لب ولہجہ میں حکم دیں کہ وُہ فلاں وقت تم سے ملے یا آپ کا فلاں کام کرے ایسا کرنے سے وُہ ضرور آپ کا حکم بجا لائے گا آپ کی حسبِ منشاء کام سرانجام دے گا۔

۳۔ زمین کے اُوپر ایک بڑا سا دائرہ باندھو اس کے اندر کسی کیڑے مکوڑے کو چھوڑ دو۔ اب آپ اس پر ٹکٹکی باندھو اور تصوّر کر کے دل میں مضبوط ارادہ رکھو کہ یہ کیڑا دائرہ سے باہر نہیں جائے گا۔ اگر آپ کا ارادہ اور تصوّر مضبوط ہے تو یقیناً وُہ کیڑا چکّر سے باہر نہیں جائے گا۔

جب یہ حالت ہو جائے کہ آنکھیں بند کر کے جسے چاہیں تصوّر میں خوب روشن اور واضح دیکھ

سکیں تو عمل پورا ہے یہ ایک بہت ہی زبردست عمل ہے اس سے آپ کی مقناطیسی قوت ہزار گنا بڑھ جائے گی اسی قوت سے آپ کسی بھی رُوح کا تصور کر کے اُسے بُلا سکتے ہیں اور اس سے بات چیت کر سکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ قوتِ ارادی کے مضبوط ہونے کی مشق بھی جاری رکھیں کیونکہ ڈھیلی گرفت کام نہ دے گی۔

عمل نمبر ۲:- قوتِ ارادی کو مضبوط اور یقین کو محکم کرنے کی مشق

طریقِ کار (۱) قوتِ ارادی کو مضبوط کرنے کے لیے ہر روز گوشہ نشین ہو کر اس بات پر غور و فکر کرتا رہے کہ مایوسی گناہ ہے اور نا اُمیدی کفر ہے میں مسلمان ہوں میرا خدا کے ساتھ رابطہ اور تعلق ہے وُہ مجھ پر مہربان ہے میں اس کا تابعدار بندہ ہوں میں جو بھی ارادہ کروں وُہ ضرور پُورا ہوگا یہ ہو نہیں سکتا کہ وُہ میری خواہش کو ٹھکرا دے۔

خدا تعالیٰ گناہوں سے ناراض ہوتا ہے اور گناہوں کی سزا یہ دیتا ہے کہ اس کی کوئی بات نہیں مانتا بلکہ اس کے ہر ارادے کے خلاف کرتا ہے جب میں گناہ نہیں کرتا تو پھر وُہ میری بات کیوں نہ پُوری کرے گا قبولیت دعا کا یقین رکھے اور یہ بھی یقین رکھے کہ نیک آدمی کی ہر جائز دُعا ضرور قبول ہوتی ہے بقولہٖ تعالیٰ:

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ ۔ (۴۲/۲۶)

(اللہ تعالیٰ ایمان داروں کی دُعائیں سُنتا اور اُن پر زیادہ نوازشات کرتا ہے)

وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ط (۴۰/۵۰)

(کافروں کی دُعا اِدھر اُدھر بھٹکتی رہتی ہے)

میں بفضلہٖ تعالیٰ مسلمان ہوں میں خدا کی ہر بات مانتا ہوں تو وُہ میری بات کیوں نہ مانے گا میں اس کا پیارا بندہ ہوں میں عبادت گزار ہوں میں اس کا ہوں وُہ میرا ہے غرضیکہ ذاتِ خداوندی پر پُورا بھروسہ کرنا اور اس بات کا مراقبہ کرنا کہ وہ میری ہر بات مانتا ہے یہ مشق قوت ارادی کو مضبوط اور یقین کو محکم کرتی ہے۔

۲- مراقبۂ وجودی ——— تنزّلاتِ ستّہ اسلامی تصوف کی خاص اصطلاح ہے

اس میں اکابر صوفیاء وجود حقیقی کی پہلی تجلّی کو "حقیقتِ محمدیہ" اور آخری تجلّی کو "حقیقت انسانیہ" قرار دیتے ہیں جو تمام مراتب کی جامع ہے وہ فرماتے ہیں کہ انسان بلحاظِ وجود حق کا عین ہے اور بلحاظِ تعین اس کا غیر ہے اور یہ غیریت اعتباری واضافی ہے اعتبار کی مثال یہ ہے کہ اگر ہم ایک رسی کے ٹکڑے کو جس کے ایک سرے پر ایک آتشیں گیند بندھی ہو ہاتھ میں لے کر زور سے گھمائیں تو ایک آتشیں دائرہ نظر آئے گا یہ دائرہ حقیقی نہیں اعتباری ہے اس نظریئے کے بموجب انسان چھوٹا سا جسم نہیں بلکہ اس کے اندر عالم امر اور عالمِ کون دونو موجود ہیں اس کے علاوہ رُوح اللہ بھی اس میں موجود ہے کما قال اللہ تعالیٰ:

وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اپنے جگر گوشوں کو تعلیم میں فرمایا تھا:

یَا وَلَدِیْ فِکْرُكَ فِیْكَ یَکْفِیْكَ فَلَیْسَ شَیْءٌ خَارِجًا مِّنْكَ۔

(اے فرزند تیری فکر تجھ میں تیرے لیے کافی ہے کیونکہ کوئی شے تجھ سے خارج نہیں)

وَدَائُكَ فِیْكَ وَمَا تَشْعُرُ
دَوَائُكَ مِنْكَ وَلَا تُبْصِرُ
وَتَزْعَمُ اَنَّكَ جِسْمٌ صَغِیْرٌ
وَفِیْكَ انْطَوٰی عَالَمٌ اَکْبَرُ

(تیری بیماری اور تیری دوا تجھ میں ہے لیکن تو نہیں دیکھتا تجھ کو گمان ہے کہ تو چھوٹا سا جسم ہے حالانکہ تیرے اندر ایک عالم اکبر یعنی بہت بڑا جہان لپٹا ہوا ہے)

اور حضرت شیخ فریدالدین عطار فرماتے ہیں:

تو بمعنی جانِ جملہ عالمے — ہر دو عالم خود توئی بنگر دمے
در حقیقت خود توئی ام الکتاب — خود ز خود آیاتِ حق را بازیاب
تو بمعنی برتری از انس و جاں — ہر چہ بینی خود توئی بنگر بداں
ہر چہ موجود است در عالم توئی — وانچہ تو جویائے آنی ہم توئی

اس سلسلہ میں اکابر صوفیاء کے ہزاروں اشعار و ارشادات کتبِ تصوّف میں موجود ہیں لہٰذا

اس بات پر غور کرے کہ تو وہی ہے تو بڑی چیز ہے تُو روح لطیف ہے جو ذاتِ مطلق کی تجلی ہے تو سراپا طاقت ہی طاقت ہے تیرے اندر تمام قوتیں مضمر ہیں تُو کائنات پر ہر طرح کا اقتدار رکھتا ہے روحِ اعظم جو اپنے آپ کو اَنا کہتی ہے وہ اَنائے حقیقی وہی ہے ۔ علامہ اقبالؒ نے اسی اَنا کو خودی سے تعبیر کیا ہے : ؎

نقطۂ نوری کہ نامِ او خودی است
زیرِ خاکِ ما شرارِ زندگی است

اسی روحِ انسانی کو صوفیائے کرام مظہرِ حق اور سرِّ ذات کہتے ہیں ۔ مولانا رومیؒ اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں : ؎

گر نبودے ذاتِ حق اندر وجود
آب و گِل را کے ملک کردے سجود

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں : ؎

وُہ شے کچُھ اور ہے کہتے ہیں جان پاک جسے
یہ رنگ و نم یہ لہو آب و ناں کی ہے بیشی

اسی کو مرکزِ وجود یا جوہرِ انسان بھی کہتے ہیں : ؎

فرشتہ موت کا چُھوتا ہے گو بدن تیرا
تیرے وجود کے مرکز سے دُور رہتا ہے

جوہرِ انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

غرضیکہ انسان بلحاظ "روح قدسی" حق اور بلحاظِ جسم وصورت خلق ہے ۔ عام نظر کے سامنے یہ "ذات" یا "حقیقت" مختلف صفات و تعینات کے پردوں میں چھپ کر آتی ہے اور عشق و محبت کے رشتے بظاہر انھی کے ساتھ اُلجھے ہُوئے معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت شناس نظریں حقیقت بن کر حقیقت کو دیکھتی ہیں اور اسی سے عشق و محبت کے رشتے قائم رکھتی ہیں صفات و

تعینات کی غیریت اوران کے حجابات عوام کے لیے ہیں جو حقیقت سے ناآشنا رہتے ہیں حقیقت آشنا کے لیے تو معشوق کی ہر ادا معشوق ہوتی ہے وہ معشوق کی ادا کو معشوق سے الگ کر کے نہیں دیکھتا، جب تک یہ باور کیا جائے کہ عشق رنگ وروپ، خدوخال، چال ڈھال اور ناز وادا سے ہوتا ہے اس وقت تک عشق، عاشق اور معشوق سب حقیقت سے دُور رہیں گے ؎

نظر بزلف ورخ وخال نیست عاشق را

تو واقفی کہ سرِ رشتہ درکجا بند است

غرضیکہ اس مراقبہ وجودی سے انسان کے اندر ایک برقی قوت پیدا ہو جاتی ہے انسان کو اپنا ہاتھ خدا کا ہاتھ معلوم ہونے لگتا ہے اور آنکھ میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے جس سے دُور ونزدیک کی چیزوں کو ملاحظہ کر لیتا ہے اور وجدان کی وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو اسے بامِ عروج تک پہنچا دیتا ہے۔ ع

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی

چنانچہ اس قوت سے جب وہ اپنے اندر باطنی فضاؤں میں ڈوب کر دیکھتا ہے تو اُسے بندہ میں خدا نظر آنے لگتا ہے اہلِ عقل اس کے دیکھنے کو حقیقت پر مبنی سمجھیں یا غلطی پر محمول کریں اسے حقیقت بینی کہیں یا دھوکا، بہرحال اس کی قوتِ ارادی اتنی پختہ اور اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ وہ اگر کسی کام کا ارادہ کر لے اور کہہ دے کہ یہ ضرور ہو گا وہ ہو کر رہے گا۔

تجربہ

(۱) ابتدائی طور پر قوتِ ارادی (وِل پاور) کا تجربہ کرنے کے لیے کہ مضبوط ہے یا نہیں، ایسا کریں کہ مٹی کے دو پیالے لے لیں ایک ہی وقت میں جَو کے دانے بو دیجئے جب ان کے پودے ایک انچ کے قریب ہو جائیں تو دونو پیالوں پر آ اور بؔ کے نشان لگا دیجئے اب صبح کے وقت روزانہ ایک ہی وقت پر آ کو دائیں اور بؔ کو بائیں جانب بالمقابل قریب رکھ کر دونو پر بلاناغہ اس طرح عمل کرو:

پیالہ آ پر خوب نظر جماؤ اور قوتِ ارادی کو ان پر اس طرح ڈالو کہ آ کی نسبت

تصور کرو اور دل میں دُہراؤ " اس کے پودے بڑھ رہے ہیں " اور ب کی نسبت تصور کرو " اس کے پودے چھوٹے ہو رہے ہیں " ہر روز پندرہ منٹ تک یہ عمل کریں آپ دیکھیں گے کہ آ کے پودے بؔ کی نسبت بڑے ہوں گے۔

(۲) ایک باریک سُوئی لو اور اس کے درمیان ایک دھاگہ اس طرح باندھو کہ جب اس کو اٹھایا جائے تو ترازو کی مانند اس کا وزن دونو طرف برابر ہو، اب اس کو ایک تنہا کمرہ کی دیوار کے ساتھ کیل گاڑ کر باندھ دیں یاد رہے کہ اس کمرہ میں ہوا کا گزر نہ ہو اور لٹکتی ہُوئی دیوار کے ساتھ نہ لگے۔ اب تم اس کے مقابل دو زانو بیٹھ جاؤ سانس اس طرح لو کہ سُوئی نہ ہلے اب دائیں ہاتھ کی انگلیاں اکٹھی کر کے سُوئی کے قریب لے جاؤ احتیاط رکھو کہ انگلیاں ساتھ نہ لگیں اب تم آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ کو پیچھے ہٹاتے جاؤ اور دل میں ارادے کو پکا کرو کہ سُوئی انگلیوں کی طرف کھنچی آرہی ہے روزانہ یہ عمل کرو چند دن تک اگر ہاتھ کے ساتھ سُوئی چلی آئے اور پیچھے ہاتھ کرنے سے پیچھے چلی جائے تو سمجھو کہ تمہاری قوتِ ارادی کافی مضبوط ہے۔

قوتِ ارادی کو معلوم کرنے کے لیے یہ طریقے ابتدائی ہیں ورنہ قوتِ ارادی کی مضبوطی کا تو انسان کو روزمرہ کے کاموں سے بھی چل جاتا ہے کیونکہ وُہ جب کسی کام کو پُوری نیت سے شروع کر دیتا ہے وہ ضرور ہو جاتا ہے اسی قوتِ ارادی کی مضبوطی سے رُوحوں کو بلایا جاسکتا ہے تصور کی قوتِ مضبوطی سے پکڑ لے گی اور قوتِ ارادی اسے کھینچ کر سامنے لے آئے گی۔

عمل نمبر ۳ :۔ لطیفۂ خفی کو کھولنے کے طریقے

لطیفۂ خفی کا مقام دُو ابرؤوں کے درمیان مجمع النور کے مقام پر ہے جس طرح ناسوتی چیزوں کو دیکھنے کے لیے آنکھ کام دیتی ہے یہ مقام باطنی اور روحانی چیزوں کو دیکھنے کا آلہ ہے جب دونو آنکھیں بند کر کے اس مقام کے روزن سے جھانکیں گے تو آپ کو رُوح ، ملائکہ اور دیگر باطنی اشیاء نظر آنے لگیں گی رُوح کو آپ کھینچ کر لے آئے اگر وہ نظر نہ آئے تو آپ اس سے استفادہ نہیں کر سکیں گے نیز صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ شیطان کا ہیڈ کوارٹر مقام نفس ہے جہاں سے وُہ وسوسوں کو اندر داخل کرتا ہے گویا عالمِ ناسوت کا دروازہ مقام نفس ہے۔

اسی طرح جب عالمِ بالا کی تجلیات و واردات کا نزول ہوتا ہے تو وہ مقامِ لطیفۂ خفی سے جسمِ انسانی میں داخل ہوتی ہیں ملائکہ کی نورانیت اور الہامی الفاظ بھی اسی راستے سے قلب و رُوح پر نازل ہوتے ہیں اس لیے چونکہ رُوح عالمِ ملکوت کی چیز ہے اس سے ملاقات کرنے کے لیے اس راستے کو کھولنا پڑتا ہے اور مقامِ نفس کو بند کرنا پڑتا ہے تاکہ شیاطین اور ہمزاد وغیرہ ان پاکیزہ اور مقدس روحوں کی ملاقات میں دخل اندازی کر کے غلط باتیں شامل نہ کر دیں۔

مقامِ نفس کو بند کرنے کے لیے زیرِ ناف تصوّرِ اسمِ ذات کریں وُہ مقفل کر دیا جائے گا اور لطیفۂ خفی کو کھولنے کے لیے تین طریقے میرے تجربہ میں آئے ہیں جو سریع الاثر اور تھوڑے وقت میں مکمل کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ ایک بڑا آئینہ لو جس میں گردن تک چہرہ نظر آئے آئینہ کو جنوبی دیوار سے لٹکا دیں اور شمال کی جانب موم بتی رکھیں تاکہ آپ کی شکل آئینہ میں نظر آئے لیکن موم بتی کی لو نظر نہ آئے مقامِ خفی پر ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا شروع کریں اور ساتھ ہی ساتھ پاسِ انفاس سے اَللّٰہ کا وِرد جاری رکھیں دیکھتے دیکھتے ایسے مستغرق ہو جائیں کہ اپنا چہرہ نظر نہ آئے تو لطیفۂ خفی چند دنوں میں کُھل جائے گا کبھی ایسا ہو گا کہ اس استغراقی کیفیت میں آپ کو ایک باغ نظر آئے گا جس میں ایک حوض ہو گا۔ چاروں کونوں پر چار مہیب شکلوں کے آدمی تلواریں لیے کھڑے ہوں گے پھر وہ حملہ آور ہوں گے آپ گھبرائیں نہیں اَللّٰہ کا ورد جاری رکھیں تو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے آخر کار ایک بزرگوار سے ملاقات ہو گی جو تمہیں لے جا کر تمام نظارہ ہائے باطنی دکھائے گا یہ اس بات کی دلیل ہو گی کہ آپ کا لطیفۂ خفی کُھل گیا ہے۔

۲۔ اسی طرح کا ایک بڑا آئینہ لیں جس میں عکس کی بائیں آنکھ کی پتلی کو نظر کا مرکز بنائیں اور یکسوئی قلب سے توجہ کریں کہ تمہاری آنکھوں سے مقناطیس نکل کر عکس کی پتلی کے ذریعہ تمہارے دل و دماغ پر اثر کر رہی ہے اور آپ ابھی ابھی بے ہوش ہُوا چاہتے ہیں ہر روز نصف گھنٹہ تک یہ مشق جاری رکھیں اس سے آپ پر نیم بے ہوشی کی حالت طاری ہو جائے گی لیکن اس بے خبری میں آپ کو کوئی نہ جگائے اس میں خود بخود جاگنا ہی عمل کے لیے مفید ہے اس مقصد کے لیے تنہائی کی ضرورت ہے مکان میں ایک علیحدہ جگہ منتخب کریں مکھن، دُودھ

زیادہ استعمال کریں کیونکہ اس عمل سے گرمی خشکی بڑھ جاتی ہے۔

۳۔ ایک عمل پُرانے بزرگوں کا مجرّب ہے یہ بھی کسی حد تک مفید ہے۔ ہر روز علیحدہ جگہ میں بیٹھ کر بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے مقامِ خفی کی جگہ کو آہستہ آہستہ مسلتے رہیں تاکہ آپ کی تمام تر توجہات اسی مقام پر مرکوز ہو جائیں۔ یہ مشق کرتے کرتے سو جائیں خواب کے اندر ایک باغ نظر آئے گا اور اس میں چند لوگ بندوقوں سے مسلّح نظر آئیں گے اگر وہ حملہ کر دیں تو گھبرائیں نہیں وُہ کامیاب نہیں ہوں گے اَللّٰہُ کا ورد کر کے ان کی طرف دم کر دیں پھر ایک پیر مرد ملے گا جو آپ کی اس مشکل کو حل کر دے گا۔

عمل نمبر ۴ : یکسوئی یا توجّہ کامل

اگرچہ تصور میں بھی یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے لیکن آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ تصور بھی صحیح کر رہے ہوں گے لیکن ایک خیالی قوت کہیں دوسری طرف گھوم رہی ہوگی یکسوئی میں اسی خیالی قوت کو ایک جگہ مرکوز کرنا مقصود ہوتا ہے یہ بھی ایک عظیم قوت ہے اسے اسم اعظم کی قوت سمجھیں یا خدائی قوت کا اعلیٰ نمونہ تصور کریں یہ قوت آپ کو رُوحانی مشکلات کے وقت کام آئے گی، خاص طور پر روح سے اکتسابِ فیض کے لیے یہی قوت استعمال میں لانی پڑتی ہے اسی قوت سے انسان کسی کا فیض سلب کر سکتا ہے۔

سب سے پہلے آپ نے تصور کی قوت سے روحانی کو جکڑ لیا اور قوتِ ارادی سے کھینچ کر پاس لے آئے اب اگر اس سے حصولِ فیض نہ ہُوا تو آپ کی ساری محنت رائیگاں چلی جائے گی، اس لیے اگر رُوحانی خود بخود فیض عنایت کر دے تو فبہا ورنہ اسی قوتِ یکسوئی اور توجہ کامل سے آپ اس سے فیض سلب کریں۔

یکسوئی پیدا کرنے کے طریقے

مشق نمبر ۱۔ ایک الگ کمرہ میں وضو کر کے بیٹھ جائیں گھڑی یا کلاک کو ایسی جگہ رکھیں جہاں وہ تمہیں نظر نہ آئے صرف اس کی ٹِک ٹِک کی آواز سنائی دیتی رہے اب دنیوی

خیالات کو دل سے مٹا دو آنکھیں بند کر لو دنیا سے بیخبر ہو کر گھڑی کی آواز پر اپنی توجہ لگا دو اور اس کی ٹک ٹک کے ساتھ ذکر پاس انفاس شروع کر دو ایک گھنٹہ روزانہ جاری رکھو چند دن کے بعد قلب کے اندر سے ایک آواز ٹِک ٹک کی سنائی دے گی یا اَللّٰہ کی آواز سُنائی دے گی۔ اب گھڑی کی آواز کی بجائے اس پر اپنی توجہ مرکوز کر دو کچھ دن اس طرح مشق کرو اب آپ کا دل ذاکر ہو گا اور آپ اس کے سامع ہوں گے۔

کچھ روز کے بعد سلطان الاذکار شروع کریں یعنی اس آواز کے ساتھ ہر بُن مو کو ذکر میں شامل کر لیں یوں محسوس کریں کہ جب آپ دائیں طرف اَللّٰہ کہتے ہیں تو تمام بال کھڑے ہو گئے ہیں اور جب بائیں طرف ھُوْ کہتے ہیں تو سب بال اپنی اپنی جگہ پر لیٹ گئے ہیں اس طرح جسم کا ایک ایک بال ذاکر بن جائے گا۔

فوائد اس سے ایک تو یکسوئی کا فائدہ حاصل ہو گا اور دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ کثافت و غلاظتِ بشری دُھل جائے گی اور آپ کا جسم نُور ہی نور بن جائے گا اور ملکوتی صفات کا حامل ہو جائے گا اب عالمِ ارواح کی چیز رُوح سے ملاقات کرنے اور بات چیت کرنے کے لیے آپ کو آسانی ہو گی اور پھر دن بدن اس شغل کو جاری رکھنے سے ایک عظیم روحانی قوت آپ کو حاصل ہو گی جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

مشق نمبر ۲ اگر آپ گھڑی یا کلاک حاصل نہیں کر سکتے تو ایک موٹے دانوں والی تسبیح حاصل کر لیں جو بہت لمبی نہ ہو اور نہ ہی اس میں دانوں کے ختم ہونے کی حد رکھیں وہ بالکل گول چلتی رہے علیحدگی میں باوضو ہو کر اس کے دانوں کو اس طرح پھیریں کہ ٹِک ٹِک کی آواز آنے لگے اب اس آواز پر توجہ لگا دیں۔ باقی تمام طریقہ مشق نمبر ۱ کا جاری رکھیں ان شاء اللہ یکسوئی سے ایک عظیم روحانی قوت آپ کو حاصل ہو گی جس سے آپ اپنے اندر ایک غیر معمولی تبدیلی محسوس کریں گے آپ کو یُوں معلوم ہو گا کہ آپ ولی کامل بن گئے ہیں لیکن یہ منزل آپ کے امتحان کی ہے وہ یہ کہ آپ غرور نہ کریں ورنہ سب کیا کرایا خاک میں مل جائے گا۔

تجربات

تجربہ نمبر ۱ اب دوچیزوں کا تجربہ تمہارے پیشِ نظر ہے وُہ یہ کہ کسی سے کچھ سلب کرنا یا کسی میں کچھ داخل کرنا یہ دونوں قوتیں تمہیں حاصل ہیں لہٰذا پہلے سلب کرنے کا تجربہ کرو ایک گملا جس میں گلاب کا پھول لگا ہُوا ہو وُہ حاصل کریں اب اس پھول پر اپنی روحانی قوت سے اس طرح عمل شروع کریں:

۱۔ روحِ نباتی جو تمہاری زندگی ہے جس کی بدولت تم تروتازہ اور سرسبز دکھائی دیتے ہو میں اُسے اپنی آنکھوں کے ذریعہ کھینچ رہا ہُوں۔

۲۔ تمہاری زندگی میری آنکھوں میں کھینچ کر جمع ہو رہی ہے اور تم خشک ہوتے جا رہے ہو۔

۳۔ تمہاری شادابی اور تازگی کافور ہو رہی ہے اور تم ایک خشک پھول ہو، چنانچہ وُہ پھول ایک دو دن میں خشک ہو جائے گا اس طرح سمجھو کہ آپ سلب کرنے پر قادر ہیں۔

تجربہ نمبر ۲ کسی مریض پر تجربہ کریں عامل سالک مریض کے مرض کو اپنی ذات میں تصور کرے یعنی اس کی بیماری کو کھینچ کر اپنے اوپر اجتماعِ خاطر سے طاری کرے کہ جو اس مریض کو مرض ہے وُہ میرے اندر ہے یہاں تک پختہ تصور جما ئے کہ کوئی دوسرا خطرہ اس کے دل میں نہ آنے پائے تو فوراً مریض کا مرض سلب ہو جائے گا پھر اپنے اندر سے اس مرض کو باہر پھینک دینے اور خارج کر دینے کا تصور جمائے ورنہ وُہ خود اس مرض میں مبتلا ہو جائے گا۔

یا پہلے سے ہی یہ تصور کرے اور اجتماعِ خیال سے اس مرض کو تصورِ خیالی یا صورت مثالی کے ساتھ تصور کر کے اسی مریض سے کھینچ کر باہر کر دے۔ اس طریقے سے بھی مرض سلب ہو جائیگا۔ کسی درد کو بھی اسی طرح دُور کیا جا سکتا ہے بہرحال اس کو کبھی کبھی بوقتِ ضرورت استعمال کیا جا سکتا ہے اسے پیشہ نہیں بنانا چاہئے۔

تجربہ نمبر ۳ اب یہ دیکھنا چاہو کہ میں اس قوت سے کسی کے اندر کوئی چیز داخل بھی کر سکتا ہُوں تو اس طرح تجربہ کریں۔ پانی کے بھرے ہُوئے گلاس میں کسی کیڑے یا مکھی کو پکڑ کر ڈال دیں مگر اس کا کوئی عضو نہ ٹوٹے اب اس انتظار میں رہو کہ

وُہ ڈوب کر مر جائے اس میں کوئی حرکت باقی نہ رہے وہ بالکل سرد ہو جائے اس کے بعد کسی کاغذ یا تنکے سے اسے باہر نکال لو اور سیاہی چوس پر رکھ کر چٹکی بھر اُپلوں کی سرد راکھ اس پر ڈال دیں تاکہ اس کی نمی خشک ہو جائے۔

۱۔ اب اس پر اپنی روحانی قوت سے اس طرح زور لگاؤ کہ اپنے ہاتھ، روح اور روحانی قوت سے یہ خیال کرو کہ جو رُوح تمہارے جسم سے نکل چکی ہے میں اُسے دوبارہ تمہارے جسم میں داخل کر رہا ہُوں۔

۲۔ تم ابھی زندہ ہوا چاہتے ہو۔

۳۔ رُوح تمہارے جسم میں داخل ہو رہی ہے۔

۴۔ اب تم ہلنے کو ہلے۔

۵۔ لو اب تم میں حرکت شروع ہُوئی۔

اس طریقہ سے مرا ہُوا کیڑا اگر زندہ ہو جائے تو سمجھو کہ تمہاری قوت روح حیوانی داخل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔

روح کو حاضر کرنے کی مجلس

ایک گول اور ہلکی میز بنواؤ جس کے پائے تین ہوں میز کے اوپر پاک وصاف کپڑا ڈال دیں۔ اس کپڑے کو عطر لگا کر معطر کر دیں، کچھ خوشبو دار پھول میسر ہو سکیں تو وہ بھی میز پر رکھ دیں۔ ایک پاک و صاف اور علیحدہ مقام تجویز کریں اگر مکان زیرِ زمین ہو تو وہ زیادہ موزوں رہے گا وہاں درمیان میں میز رکھ دیں اور بالکل اندھیرا کر دیں چھ آدمی ایسے تجویز کریں جو مذکورۃ الصدر مشقوں کو کر چکے ہوں ان آدمیوں میں پانچ کو ممبر بنالیں اور ایک کو اُن کا امیر یا پریذیڈنٹ بنا دیں۔

اب وہ صدر مجلس ان پانچ آدمیوں کو حکم دے کہ وُہ دو دو نفل اس طرح پڑھیں کہ سُورۂ فاتحہ کے بعد سَو بار سُورۂ اخلاص پڑھیں اب صدر انھیں میز کے اردگرد بیٹھنے کا حکم دے اور خود صاحبِ صدر اس مجلس کے اردگرد آیت الکُرسی سے حصار کرے تاکہ کوئی شیطانی، جناتی چیز اور ہمزاد وغیرہ آکر دھوکہ نہ دے سکے۔ اب اس میز کے اردگرد بیٹھ کر جس رُوحانی کو بلانا مقصود ہو اس

روحانی کو اُن نوافل کا ایصالِ ثواب کردیں اوّل آخر درود شریف پڑھ لیں پھر اس میز کے اردگرد اس طرح بیٹھیں کہ اُن کے ہاتھ میز پر رکھے ہوں میز پر ہاتھوں کا دباؤ نہ پڑے، اجسام کو ڈھیلا چھوڑ دیں ہاتھ اس طرح رکھیں کہ ہر ایک ممبر اور صدر کا ہاتھ ایک دوسرے سے لگا ہوا ہو یعنی چھنگلی ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہو اور اپنے دونوں انگوٹھوں کو بھی ملائے رکھے ہاتھ کی انگلیاں مَس کریں لیکن جسم ایک دوسرے سے مَس نہ کرے یہاں تک کہ کپڑا بھی ایک کا دُوسرے کو نہ لگے۔ اب سب اس روح کا تصوّر کریں جسے بلانا مقصود ہو اگر اس کا فوٹو دیکھ چکے ہوں تو پھر آسانی سے تصوّر جم سکے گا ورنہ اس کے اوصاف یا اس کی قبر یا اس کے ماحول کا تصوّر جمائے یا پھر اس کے نام کا تصوّر کرے اور صدرِ مجلس سورۂ یٰسین کی آہستہ آہستہ تلاوت کرے جب سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيمٍ ○ پر پہنچے تو سب ممبر اس آیت کو دُہرائیں بار بار پڑھیں اور رُوح کو تصوّر سے اپنی طرف کھینچیں اور اپنی قوتِ ارادی سے یُوں سمجھیں کہ بس وُہ آگئی ہے تھوڑی دیر بعد ممبروں کو اپنے ہاتھوں میں ایک قسم کی سنسناہٹ اور گرمی سی محسوس ہونے لگے گی زبردست خوشبو کا جھونکا مشامِ دماغ کو معطر کر دے گا یا آپ پر رقت طاری ہو جائے گی آپ کا بے ساختہ رونے کو جی چاہے گا یا آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جائیگی ذکر جاری ہو جائے گا اگر اس حالت میں حلقہ ٹوٹ جائے تو کوئی حرج نہیں اگر آپ کو ہوش ہے تو سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيمٍ ○ کا ورد آہستہ آہستہ کرتے رہیں کبھی کبھی میز بھی حرکت میں آجائے گی، آنکھیں بند رکھیں اگر آپ کی ملکوتی نگاہ کام کر رہی ہے تو زیارت نصیب ہو گی۔

اب صدرِ حلقہ اس روحانی سے بات چیت شروع کرے سب سے پہلے یہ مطالبہ کرے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے طاقت دی ہے کہ آپ مجسّم ہو کر ہمیں اپنی شکل وصورت کی زیارت بھی کرا سکتے ہیں لہٰذا زیارت کرائیے تاکہ حاضرینِ مجلس کو آپ جیسے روحانی بزرگ کی تشریف آوری کا عین الیقین ہو جائے پھر اس کے بعد فیض عنایت کرنے کا مطالبہ کرے کہ آپ نے جو زندگی میں بہت کچھ حاصل کیا ہے اس فیض کی ہم لوگ آپ سے بھیک مانگتے ہیں آپ اپنے فیض کی زکوٰۃ ہی دے دیں۔ اگر کسی صورت سے بھی وہ فیض دینے کے لیے تیار نہ ہو تو اس سے اپنی سلب کرنے والی قوت سے کچھ فیض سلب کر لے جب کام نکل آئے تو رُوح کو واپس جانے کی اجازت دیں اور کہیں کہ آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ ان کی تشریف آوری اور اس تکلیف دہی کا شکریہ ادا کریں۔

اگر ان چھ آدمیوں میں سے ایک بھی ناقص ہو تو تمام کا کام بگاڑ کر رکھ دے گا۔ دورانِ عمل ڈر اور خوف کو ہرگز پاس نہ لائیں۔

قوتِ ارادی کے کچے اور غیر مستقل مزاج اور نفسانی آدمی اس میں قطعاً کامیاب نہیں ہو سکتے۔

شروع شروع میں اگر کامیابی نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں بالآخر آپ ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ اپنا پیر و مرشد یا اپنے سلسلہ کا روحانی پیشوا بہت جلد حاضر ہو سکتا ہے۔ یا جس بزرگ سے بہت زیادہ عقیدت و محبت ہو وہ فوراً حاضر ہو کر فیض دے گا۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگ چند تجرباتی مثالوں کی مماثلت کو پڑھ کر یا طریقِ کار کی مشابہت کو دیکھ کر یہ خیال نہ کریں کہ میں نے مسمرازم، ہپناٹزم یا سپرچولزم کی نقل اتاری ہے بلکہ یوں سمجھیں کہ مذکورہ تمام اِزموں نے صوفیائے کرام کے مختلف طریقوں، مشقوں اور ریاضتوں کے ایک معمولی سے خاکہ کو نئے رنگ اور رُوپ میں پیش کر کے اسے بطور تماشا یا کھیل استعمال کر کے لوگوں سے روپے بٹورنے کا ایک ذریعہ بنا لیا ہے حالانکہ صوفیائے کرام نے رُوح کی ان طاقتوں سے بڑے اعلیٰ اور اچھے کام لیے ہیں۔

چونکہ رُوح میں بالیدگی اور قوت پیدا کرنے کے لیے تمام مسلم اور غیر مسلم صوفیوں کے ہاں طریقہ ایک ہی ہے اس لیے اگر ان میں چند چیزیں مشترک نظر آئیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ روح کو قوی کرنے اور اللہ تعالیٰ سے رابطہ پیدا کرنے کے متعلق تمام نسلِ انسانی کے اہلِ علم و نظر نے صدیوں سوچا مختلف تجربات کیے اور بالآخر کچھ اصول منضبط کیے جو بلا استثناء ہر جگہ ایک ہیں صرف طریقِ کار میں فرق ہے اسلامی و عیسائی تصوّف ہو یا ہندی و تبتی یوگا سب میں چند چیزیں مشترک نظر آتی ہیں یعنی پاکیزگیِ افکار و اعمال، ذاتِ الٰہی میں محویت یکسوئی، تصوّر، ذکر و تسبیح، اجتماع خیالات، نفس کشی وغیرہ، فرق صرف یہ ہے کہ مسلمان جسم و رُوح دونوں کے جائز تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور ایک یوگی تمام جسمانی و مادی خواہشات کو جھٹک کر کسی غار میں جا بیٹھتا ہے اس افراط و تفریط کے باوجود صوفی، یوگی روحانی لذات سے برابر متمتع ہوتے ہیں جسمِ لطیف میں پرواز کی طاقت

دونوں کو ملتی ہے حدودِ زمان ومکان کو دونو پھلانگ جاتے ہیں دونو کی نظر محجوبات و دفائن کو دیکھ سکتی ہے لیکن عقاید واعمال اور منتہائے مقصود اور دائمی وابدی زندگی کے لیے جو نظریہ مسلمان رکھتا ہے وُہ غیر مسلموں میں مفقود ہے ؎

پرواز ہے دونو کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

اسی طرح رُوح سے فیوض وبرکات حاصل کر کے روحانی قوت کو بڑھا کر مسلمان اس سے وہ کام لیتا ہے جو نامور صوفیائے کرام لیتے رہے ہیں مثلاً خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ، خواجہ اجمیریؒ ، حضرت سلطان باہُوؒ ، بابا فرید گنج شکرؒ ، بُوعلی قلندرؒ ، داتا گنج بخشؒ وغیرہم ان کے تذکرے موجود ہیں اور بعض کے اقوال اور فرمودات اور اشعار زبانِ خلق پہ جاری ہیں جن سے ان کے نظریات اور خیالات کا اظہار ہوتا ہے اور موجودہ زمانہ کے ماڈرن روحانی ازموں کے عاملین جو کچھ ان روحانی طاقتوں سے حاصل کر رہے ہیں وہ بھی آپ کے سامنے ہے ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

تمّت بالخیر

کتبہٗ : محمد شریف گل

اشاریہ

مطبوعات تصوف فاؤنڈیشن

کلاسیک کُتب تصوّف کے مُستند اُردو تراجم

- طواسین — مصنف: ابن حلاج (۲۴۴ — ۳۰۹ھ) مترجم: عتیق الرحمٰن عثمانی — قیمت مجلد ۱۰۰/- روپے
- کتاب اللمع — مُصنف: ابونصر سراج (م — ۳۷۸ھ) مترجم: سید اسرار بخاری — قیمت مجلد ۳۰۰/- روپے
- تعرف — مُصنف: امام ابوبکر کلاباذی (م — ۳۸۵ھ) مترجم: ڈاکٹر پیر محمد حسن — قیمت مجلد ۱۲۵/- روپے
- کشف المحجوب — مُصنف: سید علی ہجویری (۴۰۰ — ۴۶۵ھ) مترجم: سید محمد فاروق القادری — قیمت مجلد ۱۵۰/- روپے
- صد میدان — مُصنف: خواجہ عبداللہ انصاری (۳۹۶ — ۴۸۱ھ) مترجم: حافظ محمد افضل فقیر — قیمت مجلد ۱۰۰/- روپے
- فتوح الغیب — مُصنف: غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی (۴۷۰ — ۵۶۲ھ) مترجم: سید محمد فاروق القادری — قیمت مجلد ۷۵/- روپے
- آداب المریدین — مُصنف: ضیاء الدین سہروردی (۴۹۰ — ۵۶۳ھ) مترجم: محمد عبدالباسط — قیمت مجلد ۷۵/- روپے
- فتوحاتِ مکیہ — مُصنف: شیخ اکبر ابنِ عربی (۵۶۰ — ۶۳۸ھ) مترجم: مولوی محمد فضل خاں — قیمت مجلد ۳۰۰/- روپے
- فصوص الحکم — مُصنف: شیخ اکبر ابن عربی (۵۶۰ — ۶۳۸ھ) مترجم: برکت اللہ فرنگی محلی — قیمت مجلد ۱۵۰/- روپے
- الاوراد — مُصنف: بہاء الدین زکریا ملتانی (۵۶۶ — ۶۶۱ھ) مترجم: ڈاکٹر محمد میاں صدیقی — قیمت مجلد ۱۲۵/- روپے
- لوائح — مُصنف: مولانا عبدالرحمٰن جامی (۸۱۷ — ۸۹۸ھ) مترجم: سید فیض الحسن فیضی — قیمت مجلد ۷۵/- روپے
- انفاس العارفین — مُصنف: شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۱۴ — ۱۱۷۶ھ) مترجم: سید محمد فاروق القادری — قیمت مجلد ۱۵۰/- روپے
- الطاف القدس — مُصنف: شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۱۴ — ۱۱۷۶ھ) مترجم: سید محمد فاروق القادری — قیمت مجلد ۷۵/- روپے
- رسائل تصوف — مُصنف: شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۱۴ — ۱۱۷۶ھ) مترجم: سید محمد فاروق القادری — قیمت مجلد ۱۵۰/- روپے
- مرآت العاشقین — مُصنف: سید محمد سعید زنجانی (۱۲۵۱ — ۱۳۲۱ھ) مترجم: غلام نظام الدین برولوی — قیمت مجلد ۱۲۵/- روپے

اہم کُتب تصوّف اور تذکرے

- کشفُ المحجوب فارسی (نسخۂ تہران) مُصنف: شیخ علی بن عثمان ہجویری تصحیح و تحشیہ: علی قویم — قیمت مجلد ۱۷۵/- روپے
- کشفُ المحجوب انگریزی (نسخۂ لاہور) مُصنف: شیخ علی بن عثمان ہجویری مترجم: آر اے نکلسن — قیمت مجلد ۱۷۵/- روپے
- کشف الاسرار (اردو ترجمہ) مُصنف: شیخ علی بن عثمان ہجویری مترجم: ملک شیر محمد اعوان — قیمت غیر مجلد ۲۵/- روپے
- ارمغان ابن عربی — مُصنف: مولانا محمد اشرف علی تھانوی — قیمت مجلد ۱۵۰/- روپے
- آئینۂ تصوف — مُصنف: ضیاء الحسن فاروقی — قیمت مجلد ۱۲۵/- روپے
- حیاتِ جاوداں — مُصنف: ڈاکٹر پیر محمد حسن — قیمت مجلد ۱۵۰/- روپے
- شمائلِ رسول (اردو ترجمہ) مُصنف: شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی مترجم: محمد میاں صدیقی — قیمت مجلد ۷۵/- روپے
- بیماری اور اس کا روحانی علاج — مُصنف: ڈاکٹر میر ولی الدین — قیمت مجلد ۱۰۰/- روپے
- تذکرہ مشائخ قادریہ فاضلیہ — مُصنف: اسرار الحسنین قادری فاضلی — قیمت مجلد ۱۵۰/- روپے
- سیرت فخر العارفین — تذکرہ: شاہ محمد عبدالحی چاٹگامی مؤلف: سید سکندر شاہ — قیمت مجلد ۲۵۰/- روپے
- چراغ ابوالعلائی — تذکرہ: صوفی محمد حسن و حضرت نقیب اللہ شاہ مؤلف: غلام آسی پیا — قیمت مجلد ۷۵/- روپے
- حدیقۃُ الاولیاء — مُصنف: مفتی غلام سرور لاہوری، حواشی: محمد اقبال مجددی — قیمت مجلد ۱۵۰/- روپے
- احوال و آثار حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی — مُصنف: حمید اللہ شاہ ہاشمی — قیمت مجلد ۱۵۰/- روپے
- اخص الخواص — تذکرہ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ — مُصنف: نواز رومانی — قیمت مجلد ۱۲۵/- روپے
- فاضلی انوار الٰہی — ملفوظات: حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ مرتب: حافظ نذر الاسلام — قیمت مجلد ۱۰۰/- روپے

ناشر: تصوف فاؤنڈیشن، ۳۴۹ اے بی سمن آباد لاہور | واحد تقسیم کار: المعارف۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور پاکستان